یا اللہ کتاب پڑھنے کے بعد
عمل کی توفیق عطا فرما (آمین)

اللہ

تبلیغِ دین

تالیف
امام غزالیؒ

مترجم
مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی

ناشر:
ضامن پبلشرز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

(القرآن)

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت کی باتوں
اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے۔

تبلیغِ دین

(تصحیح شدہ)

مُصنفہ

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مُترجمہ

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عنوانات و حواشی

مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ضامن پبلیشرز

۳۸۔ محمدی پارک، راجگڑھ لاہور (پاکستان)

نام کتاب: ---------- **تبلیغ دین**

مؤلف: ---------- حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: ---------- حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

مصحح: ---------- مولانا محمد امجد کاشمیری مدرس جامعہ اشرفیہ، نیلا گنبد، لاہور

ناشر: ---------- ضامن پبلیشرز

طابع: ---------- عبدالرشید، فون: 7243284

مطبع: ---------- امی پریس۔ 38 محمدی پارک، راجگڑھ، لاہور

قیمت: ---------- 120 روپے

تاریخ اشاعت: ---------- 26 مئی ۲۰۰۱ء، ۲ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

حسب ارشاد: ---------- حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم مدظلہ

استاذ الحدیث

جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا حافظ محمد زبیر حسن بن حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مدظلہ

جامعہ اشرفیہ، فیروز پور روڈ، لاہور۔ پاکستان

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب "**تبلیغ دین**" کسی تعارف کی محتاج نہیں حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاق حسنہ کو اس کتاب میں بیان کر کے اس امت پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ جس کے فیضان سے ہر دور میں عوام اور خواص استفادہ کرتے رہے ہیں۔ ہمارے اکابر و اسلاف خصوصیت کے ساتھ اپنے مریدین کو اس کتاب کے پڑھنے کا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء کے یہاں اس کتاب کو بہت ہی اہمیت حاصل رہی ہے۔

میرے شیخ و مربی حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ کے خلیفہ بھی ہیں) نے حکم دے کر فرمایا کہ ہر روز اس کا مطالعہ کیا کرو۔ بحمدہ تعالیٰ اُس وقت سے یہ کتاب "**تبلیغ دین**" احقر کے معمول میں داخل ہے۔ اسی طرح حضرت والد ماجد کے ایک اور خلیفہ اور شیخ طریقت حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہ شیخ الحدیث، جامعہ اشرفیہ نے بھی بار بار اس کے مطالعہ کا ارشاد فرمایا۔

میرے ایک بہت ہی پرانے کرم فرما (جن کو خداوند کریم جزائے خیر عطا فرمائے) نے "**تبلیغ دین**" دکھا کر فرمایا جی چاہتا ہے کہ ہر عالم دین بلکہ ہر فرد کے ہاتھ میں یہ کتاب ہو اور کسی طرح یہ کتاب ہم سب کے دل میں داخل ہو جائے۔ موصوف کی اس بات سے چھاپنے کی خواہش پیدا ہوئی کہ اس کتاب کا مطالعہ یقیناً اصلاح کے لئے اکسیر ہے۔

اس کتاب کے آخر میں قصد السبیل، مناجات مقبول اور معمولات یومیہ سے معتد بہ نصاب بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ تا کہ اصلاح کے ساتھ ساتھ صبح، شام کے وظائف کی رہنمائی مل جائے اور اللہ جل شانہٗ عمل کی توفیق عطاء فرمائیں۔

خدائے بزرگ و برتر ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطاء فرمائے جنہوں نے اس کتاب کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کے لئے پرخلوص تعاون و سعی فرمائی۔ خصوصاً عزیزم مولوی محمد امجد کاشمیری سلمہٗ استاذ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور۔ جنہوں نے پُرانی اردو اور فارسی کو آسان و سہل کرنے اور اغلاط کی تصحیح میں نہایت محنت سے کام لیا پھر بھی اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ادارہ کو اطلاع فرما دیویں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے۔

قارئین سے التماس ہے کہ آپ خود اپنی اور اپنے دوست احباب کی اصلاح ظاہر و باطن کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ظاہر و باطن کی اصلاح کی توفیق نصیب فرمائیں اور زیر نظر کتاب کے ناشر کو دارین میں اجر کثیر سے نوازیں۔ (آمین)

طالب دُعا

حافظ فضل الرحیم

استاذ الحدیث،

جامعہ اشرفیہ، لاہور

تبلیغ دین کے متعلق

مجدد الملت حکیم الامت

حضرت مولانا **اشرف علی صاحب** تھانوی (قدس سرہ)

کی رائے

حامدًا و مصلیًا

کہتا ہے عاجز اشرف علی عفی عنہ اس زمانہ میں اجزائے دین میں سے اخلاق حسنی کو عوام نے اعتقاداً اور خواص نے عملاً چھوڑ دیا ہے۔ اس سے جو مفاسد دینیہ اور دنیویہ پیدا ہو رہے ہیں اس کا یہی علاج ہے کہ اس کی تعلیم اور اس کی تنبیہ کی جائے۔ چنانچہ سلف نے اس میں مختلف و متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ ان سب میں جامع اور آسان تصنیف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ پھر ان میں رسالہ "اربعین" یعنی **"تبلیغ دین"** مختصر اور آسان ہے۔ لیکن عربی میں ہونے کی وجہ سے اردو ترجمہ کا محتاج تھا جو کہ ہمارے ملک کی عام زبان ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے مولانا عاشق الٰہی سلمہ اللہ تعالیٰ کو کہ اس کام کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ میں نے بعض مقامات اس کے دیکھے ترجمہ بہت ہی پسند آیا، معنی خیز اور نشاط انگیز ہے اور اگر زیادہ فرصت ہوتی تو خوبی کے ساتھ اس کے دیکھنے کا مشتاق تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور مقبول بنا دے۔ آمین

"اشرف علی"

حاصلِ تصوّف

"وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا

یہ ہے

کہ جس طاعت میں سستی محسوس ہو، سستی کا مقابلہ کر کے

اُس طاعت کو کرے

اور جس گناہ کا تقاضا ہو، تقاضے کا مقابلہ کر کے اُس گناہ

سے بچے۔

جس کو یہ بات حاصل ہوگئی اُس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں

کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے

اور یہی اُس کی محافظ ہے

اور یہی اُس کو بڑھانے والی ہے۔"

(حکیم الامت حضرت تھانویؒ)

درسِ عبرت

یہ سرائے دہر مسافرو بخدا کسی کا مکاں نہیں
جو مکین تھے اس میں کل یہاں کہیں آج ان کا نشاں نہیں

———•••••———

یہ رواں عدم کو ہے کارواں بشر آگے پیچھے ہیں سب رواں
چلے جاتے سب ہیں کشاں کشاں کوئی قید پیر و جواں نہیں

———•••••———

نہ رہا سکندرِ ذی حشم نہ رہے وہ دار اور جم
جو بنا گیا تھا یہاں ارم تہہ خاک اس کا نشاں نہیں

———•••••———

نہ سخی رہے نہ غنی رہے نہ ولی رہے نہ نبی رہے
یہ اجل کا خواب وہ خواب ہے کوئی ایسا خواب گراں نہیں

———•••••———

یہ ہے موت ایک عجیب سرّ کہ صفائے عقل ہے واہ کدھر!
وہ ہے تیرے وقت کی منتظر تجھے اس کا وہم و گماں نہیں

———•••••———

یہ جھپٹ کے جب تجھ پہ آئے گی تو بتائے کچھ نہ بن آئے گی
یہ عزیز جاں یوں ہی جائے گی کہ قضا سا پیک رواں نہیں

———•••••———

مگر اک حیات حیات ہے وہی جس میں سب کی نجات ہے
یہی بات سننے کی بات ہے اسی بات کا تو دھیان نہیں

———•••••———

جو نبیؐ کے عشق کا خار ہے وہ گلوں کا تاج وقار ہے
یہی ایک ایسی بہار ہے کہ جس میں دورِ خزاں نہیں

تبلیغ دین

پہلی قسم

اعمال ظاہری

کے

دس اصول

پہلی قسم

صفحہ	فہرست مضامین	نمبر شمار
3	نماز کا بیان	پہلی اصل
9	زکوٰۃ، صدقہ اور خیرات کا بیان	دوسری اصل
15	روزہ کا بیان	تیسری اصل
19	حج کا بیان	چوتھی اصل
23	تلاوت قرآن کا بیان	پانچویں اصل
31	ہر وقت ذکر الٰہی کا بیان	چھٹی اصل
34	طلب حلال کا بیان	ساتویں اصل
47	مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے ساتھ نیک برتاؤ	آٹھویں اصل
61	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان یعنی وعظ و نصیحت کا بیان	نویں اصل
68	اتباع سنت کا بیان	دسویں اصل
78	خاتمہ	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی اصل

نماز کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ" میری یاد کے لئے نماز قائم کرو" اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں" نماز دین کا ستون ہے" خوب سمجھ لو کہ تم نماز میں اپنے پروردگار سے باتیں کرتے ہو لہٰذا دیکھ لیا کرو کہ نماز کیسی پڑھ رہے ہو اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اقامۃ صلوٰۃ یعنی نماز کے درست کرنے کا حکم فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے متعلق تمام ضرورتوں کی پوری رعایت کرو لہٰذا نماز میں درج ذیل تین باتوں کا پورا لحاظ رکھنا چاہیے۔

اول: نماز سے پہلے اچھی طرح وضو کرو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وضو میں جس قدر سنتیں اور مستحبات ہیں ان کو بجا لاؤ اور ہر عضو کے دھونے کے وقت وہ دعا پڑھو جو حدیث میں آئی ہے۔

﴿وضو سے متعلق دعائیں کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اس کے ساتھ ہی کپڑوں کا اور وضو کے پانی کا خیال رکھو کہ دونوں پاک ہوں لیکن اس میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ وساوس تک نوبت پہنچ جائے کیونکہ یہ وسوسہ شیطانی ہے اور شیطان اکثر عبادت کرنے والے نیک بندوں کے اوقات کشمکش و پیچ میں ضائع کرتا ہے۔

وضو کرنے اور کپڑوں کی طہارت میں ایک عجیب حکمت

جاننا چاہیے کہ نمازی کے کپڑوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پھل کے اوپر کا چھلکا اور بدن کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کا گودا اور قلب کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کی گری اور مغز۔ ظاہر ہے کہ مقصود مغز ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح اس ظاہری پاکی سے بھی قلب کا پاک ہونا اور **نورانی** بنانا مقصود ہے۔ شائد کسی کو یہ شبہ ہو کہ کپڑے کے دھونے سے قلب کس طرح پاک ہو سکتا ہے لہٰذا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر اور باطن میں ایک ایسا خاص تعلق رکھا ہے جس کی وجہ سے ظاہری طہارت کا اثر باطنی طہارت تک ضرور پہنچتا ہے چنانچہ جب چاہے دیکھ لو کہ جب تم وضو کر کے کھڑے ہوتے ہو تو اپنے قلب میں ایسی صفائی اور انشراح (یعنی کھلنا یا فرحت یا بشاشت) پاتے ہو جو وضو سے نہ تھی اور ظاہر ہے کہ یہ وضو ہی کا اثر ہے جو بدن سے بڑھ کر دل تک پہنچتا ہے

نماز پڑھنے سے بہر حال نفع ہے اگرچہ اس کے اسرار کو نہ سمجھے

دوم: نماز کے جملہ ارکان خواہ سنتیں ہوں یا مستحبات اور ذکر ہو یا تسبیح سب کو اپنے قاعدے پر ادا کرو اور یاد رکھو کہ جس طرح بدن کی ظاہری طہارت نے قلب کی باطنی صفائی میں اثر دکھایا تھا اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ نماز کے ارکان کا اثر قلب میں ہوتا ہے اور نورانیت پیدا کرتا ہے اور جس طرح مریض کو دوا پینے سے ضرور نفع ہوتا ہے اگرچہ وہ دوا کے اجزا کی تاثیروں سے واقف نہ ہو اسی طرح تمہیں نماز

کے ارکان ادا کرنے سے ضرور نفع پہنچے گا اگرچہ تمہیں اس کے اسرار و رموز سے واقفیت نہ ہو۔

نماز کی روح اور بدن

جاننا چاہیے کہ جاندار مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ نے نماز کو بھی ایک صورت اور ایک روح عطا فرمائی ہے چنانچہ نماز کی روح تو نیت اور حضورِ قلب ہے اور قیام و قعود نماز کا بدن ہے اور رکوع و سجود نماز کا سر اور ہاتھ پاؤں ہیں اور جس قدر اذکار و تسبیحات نماز میں ہیں وہ نماز کے آنکھ کان وغیرہ ہیں اور اذکار و تسبیحات کے معنی کو سمجھنا گویا آنکھ کی بینائی اور کانوں کی قوت سماعت وغیرہ ہے اور نماز کے تمام ارکان کو اطمینان اور خشوع و خضوع (عاجزی اور انکساری) کے ساتھ ادا کرنا نماز کا حسن یعنی بدن کا سڈول اور رنگ و روغن کا درست ہونا ہے۔

الغرض اس طرح پر نماز کے اجزاء اور ارکان کو بحضور قلب پورا کرنے سے نماز کی ایک حسین و جمیل اور پیاری صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نماز میں جو تقرب نمازی کو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے اس کی مثال ایسے سمجھو جیسے کوئی خدمت گار اپنے بادشاہ کی خدمت میں کوئی خوبصورت کنیز (زر خرید باندی یا لونڈی) ہدیۃً پیش کرے اور اس وقت اس کو بادشاہ سے تقرب حاصل ہو۔ پس اگر تمہاری نماز میں خلوص نہیں ہے تو گویا مردہ اور بے جان کنیز بادشاہ کی نذر کر رہے ہو اور ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی گستاخی و بے باکی ہے کہ ایسا گستاخ شخص اگر قتل کر دیا جائے تو عجب نہیں۔ اگر نماز میں رکوع و سجدہ نہیں ہے تو گویا لنگڑی لولی اور اپاہج کنیز نذر کرتے ہو اور اگر ذکر و تسبیح اس میں نہیں ہے تو گویا کنیز کے آنکھ کان نہیں ہیں اور اگر سب کچھ موجود ہے مگر ذکر و تسبیح کے معنی نہیں سمجھے اور نہ دل متوجہ ہوا تو ایسا ہے جیسے کنیز کے اعضا تو سب موجود ہیں۔ لیکن ان میں حس و

حرکت بالکل نہیں یعنی حلقۂ چشم موجود ہے مگر بینائی نہیں ہے اور کان موجود ہیں مگر بہرے ہیں کہ سنائی نہیں دیتا ہاتھ پاؤں ہیں مگر شَل اور بے حس ہیں اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اندھی بہری کنیز شاہی نذرانہ میں قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

شاید تمہیں یہ شبہ ہو کہ "جب نماز کے فرض اور واجب ادا کر دیئے جاتے ہیں تو علمائے شریعت اس نماز کے صحیح ہو جانے کا فتویٰ دے دیتے ہیں خواہ معنی سمجھے ہوں یا نہ سمجھے ہوں اور جب نماز صحیح ہو گئی تو جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ معنی کا سمجھنا نماز میں ضروری نہیں ہے۔"

لہٰذا سمجھ لو کہ علماء کی مثال طبیب کی سی ہے پس اگر کوئی لونڈی اپاہج اور کیسی ہی عیب دار کیوں نہ ہو اگر اس میں روح موجود ہے تو طبیب اس کو دیکھ کر ضرور یہی کہے گا کہ یہ زندہ ہے مردہ نہیں ہے۔

بلا حضور قلب والی نماز کی صحت پر علماء کا فتویٰ اور شبہ کا جواب

اسی طرح نماز کی روح اور اعضائے رئیسہ کے موجود ہونے سے علماء فتویٰ دے دیں گے کہ نماز صحیح ہے اور فاسد نہیں ہے ایسی صورت میں طبیب نے اور عالم نے اپنے منصب کے موافق جو کچھ کہا وہ صحیح کہا ہے مگر نماز تو شاہی نذرانہ اور سلطانی تقرب حاصل ہونے کی حالت ہے اور اتنا تم خود سمجھ سکتے ہو کہ عیب دار کنیز اگرچہ زندہ ہے مگر سلطانی نذرانہ میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ ایسی کنیز کا تحفہ پیش کرنا گستاخی ہے اور شاہی عتاب کا موجب ہے اسی طرح اگر ناقص نماز کے ذریعے سے اللہ کا تقرب چاہو گے تو عجب نہیں کہ پھٹے کپڑوں کی طرح لوٹا دی جائے اور منہ پر ماردی جائے۔

الغرض نماز سے مقصود چونکہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے لہٰذا نماز کے سنن اور مستحبات و آداب میں جس قدر بھی کمی ہوگی اسی قدر احترام و تعظیم میں کوتاہی سمجھی جائے گی۔

نماز کی روح اور اعضاء

سوم: نماز کی روح کا زیادہ خیال رکھو یعنی نماز میں شروع سے اخیر تک اخلاص اور حضور قلب (دل کا متوجہ ہونا) قائم رکھو اور جو الفاظ زبان سے کہتے ہو یا جو کام اعضاء سے کرتے ہو انکا اثر دل میں بھی پیدا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب رکوع میں بدن جھکے تو دل بھی عاجزی کے ساتھ جھک جانا چاہیے اور جب زبان سے اللہ اکبر کہے تو دل میں بھی یہی ہو کہ بے شک اللہ سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے اور جب الحمد پڑھو تو دل بھی اللہ کی نعمتوں کے شکریہ سے لبریز ہو جس وقت زبان سے ”اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ“ نکلے تو دل بھی اپنے ذلیل و ضعیف اور محتاج ہونے کا اقرار کرے یعنی قلب میں بھی یہی ہو کہ بے شک بجز اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کا نہ مجھے اختیار ہے نہ کسی دوسرے کو۔

نماز میں قلب اور زبان کی موافقت

غرض تمام اذکار و تسبیحات اور جملہ ارکان و حالات میں ظاہر و باطن یکساں اور ایک دوسرے کے موافق ہونا چاہیے اور سمجھ لو کہ نامۂ اعمال میں نماز وہی لکھی جاتی ہے جو سوچ سمجھ کر پڑھی گئی ہو پس جتنا حصہ بغیر سمجھے ادا ہوگا وہ درج نہ ہوگا۔

حضورِ قلب حاصل کرنے کی تدبیر

ہاں یہ ضرور ہے کہ شروع شروع میں پوری طرح حضورِ قلب قائم رکھنے میں تمہیں بہت دشواری معلوم ہوگی لیکن اگر عادت ڈالو

گے تو رفتہ رفتہ ضرور عادت ہو جائے گی اس لئے اس کی طرف توجہ کرو اور اس توجہ کو آہستہ آہستہ بڑھاؤ مثلاً اگر تمہیں چار فرض پڑھنے ہوں تو دیکھو کہ اس میں حضورِ قلب تم کو کس قدر حاصل ہوا۔ فرض کرو کہ ساری نماز میں دو رکعت کے برابر تو دل کو توجہ رہی اور دو رکعت کے برابر غفلت رہی تو ان دو رکعتوں کو نماز میں شمار ہی نہ کرو اور اتنی نفلیں پڑھو کہ جن میں دو رکعت کے برابر حضورِ قلب حاصل ہو جائے غرض جتنی غفلت زیادہ ہو اسی قدر نفلوں میں زیادتی کرو حتیٰ کہ اگر دس نفلوں میں چار فرض رکعتوں کا حضورِ قلب پورا ہو جائے تو امید کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فرائض کا نقصان ان نفلوں سے پورا فرمادے گا اور اس کی کمی کا تدارک نوافل سے منظور فرمالے گا۔

*****

دوسری اصل

زکوٰۃ، صدقہ اور خیرات کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانہ کی طرح ہے جس میں سات بالیں ہوں کہ ہر بالی میں سو دانے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنھوں نے اپنا مال دونوں ہاتھ بھر بھر کر راہ خدا میں لٹایا ہے وہی ہلاکت سے نجات پائیں گے۔

چونکہ صدقات وخیرات میں مخلوق کی ضرورتیں اور محتاجوں کے فاقے رفع ہوتے ہیں اس لئے یہ بھی دین کا ایک ستون ہے اور اس میں یہ حکمت ہے کہ چونکہ مخلوق کو اللہ سے محبت رکھنے کا حکم ہے اور مسلمان بندے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کو اپنی محبت کا معیار اور آزمائش کی کسوٹی بنا دیا ہے تاکہ مدعیان ایمان کے دعوے کا جھوٹ سچ کھل جائے کیونکہ عام قاعدہ ہے کہ انسان اپنے اس محبوب کے نام پر جس کی محبت قلب میں زیادہ ہوتی ہے اپنی تمام مرغوب اور پیاری چیزیں لٹا دیا کرتا ہے بس مال جیسی پیاری چیز کا اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنا اللہ کے ساتھ محبت سے بڑھے ہوئے ہونے کی علامت ہے اور بخل کرنا اللہ کی محبت نہ ہونے کی دلیل ہے۔

صدقہ وخیرات دینے والے مسلمان تین طرح کے ہیں۔

خیرات کا اعلیٰ درجہ : ایک تو وہ ہیں جنھوں نے جو کچھ بھی پایا سب راہ خدا میں دے دیا اور اللہ کے ساتھ محبت کرنے کا دعویٰ سچ کر دکھایا

مثلاً حضرت صدیق عتیق رضی اللہ عنہ ٭ کہ جو کچھ بھی گھر میں تھا انہوں نے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لا رکھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اپنے لیے کیا رکھا تو عرض کیا "اللہ اور اللہ کا رسول" اس موقع پر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ٭٭ بھی بغرض خیرات مال لائے تھے اور ان سے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سوال کیا تھا کہ اے عمر (رضی اللہ عنہ) تم نے اپنے لئے کیا رکھا؟ تو انہوں نے جواب دیا "کہ جس قدر لایا ہوں اسی قدر چھوڑ آیا ہوں"۔ اس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم دونوں کے مرتبوں کا فرق تم دونوں کے جواب سے ظاہر ہے۔"

خیرات کا متوسط درجہ: دوسرے درجہ میں وہ متوسط لوگ ہیں جو سارا مال تو اللہ کے نام پر نہیں لٹاتے مگر اس کے ساتھ ہی اپنے نفس پر بھی ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرتے بلکہ محتاج بندوں کی حاجتیں ظاہر ہونے کے منتظر رہتے ہیں اور جس وقت کوئی مصرف (موقع خرچ) پاتے یا کسی کو محتاج دیکھتے ہیں تو بے دریغ مال خرچ کر ڈالتے ہیں یہ لوگ اپنے مال کی زکوۃ یعنی مقدار فرض پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ سارے مال کو اللہ ہی کے لئے خرچ کرنے کی نیت رکھتے ہیں کہ مال پاس رکھنے سے ان کی غرض اس کو راہِ خدا ہی میں خرچ کرنے کی ہے البتہ موقع ومحل کا انتظار ہے۔

خیرات کا ادنیٰ درجہ: تیسرے درجہ میں وہ کمزور مسلمان ہیں جو زکوۃ واجب ہی کے ادا ہونے کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اگر اس سے زیادہ

٭ سچا و آزاد کیا ہوا دونوں لقب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہیں کہ سچے اور دوزخ سے آزاد کیے ہوئے تھے۔

٭٭ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہ حق وباطل میں خوب فرق کرنے والے تھے۔

خیرات نہیں کرتے تو مقدار واجب میں حبہ (دانہ) برابر کمی بھی نہیں کرتے۔

ان تینوں گروہوں کے مرتبوں کا فرق اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کی مقدار ان کے خرچ کی حالت سے خود ہی سمجھ لو۔ اگر تم پہلے اور دوسرے درجہ تک نہ پہنچ سکو تو کم سے کم تیسرے درجہ سے بڑھ کر متوسط لوگوں کے ادنیٰ درجہ تک تو پہنچنے کی کوشش ضرور کرو کہ مقدار واجب کے علاوہ روزانہ کچھ نہ کچھ صدقہ کر دیا کرو کہ اگرچہ روٹی کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو پس اگر ایسا کرو گے تو بخیلوں کے طبقہ سے اوپر چڑھ جاؤ گے۔

مفلس مسلمانوں کی خیرات

اگر تم مفلس و تہی دست (خالی ہاتھ) ہو تو یہ نہ سمجھو کہ صدقہ مال ہی میں منحصر (محدود) ہے اور ہم اس سے معذور ہیں۔ نہیں بلکہ اپنی عزت و جاہ و آرام و آسائش قول و فعل غرض جس پر بھی تمہیں قدرت ہو اس کو اللہ کے نام پر خرچ کرو مثلاً بیمار کا پوچھنا جنازہ کے ساتھ جانا اور حاجت کے وقت محتاج کی امداد کر دینا مثلاً کسی مزدور کا بوجھ بٹا لینا۔ سہارا لگا دینا یا سعی و سفارش سے کسی کا کام نکلوا دینا اور نیک بات کہنا یعنی ہمت بندھانا ڈھارس دلانا وغیرہ۔ یہ سب امور صدقہ ہی میں شمار ہوتے ہیں اور ایسے صدقات ہیں جن کے لیے مالدار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

زکوٰۃ و صدقات میں پانچ باتوں کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

صدقہ کو چھپانے کی مصلحت

اول جو کچھ بھی دیا کرو وہ لوگوں سے چھپا کر دیا کرو۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ چھپا کر خیرات دینا پروردگار کے غصے کو بجھاتا ہے اور جو مسلمان اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح خیرات کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ

ہو تو وہ ان سات بندوں کے ساتھ قیامت والے دن محشور (اٹھایا ہوا) ہوگا۔ جن پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سایہ فرمائے گا جب کہ اس کے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا۔

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ صدقہ سے مقصود بخل کی بدخصلت کا دور کرنا ہے مگر اس میں ریاء (دکھاوا) کے خطرناک مرض کا اندیشہ ہے اس لئے چھپا کر دینے کے سبب ریاء سے نجات مل جائے گی کیونکہ مسلمان جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو ریاء سانپ کی صورت اور بخل بچھو کی صورت بن کر اس کو تکلیف پہنچاتا ہے پس جس نے خیرات کرنے سے جی چرایا اور بخل اختیار کیا تو اس نے اپنی قبر میں کاٹنے کے لئے بچھو بھیج دیئے اور اگر کسی نے خیرات تو کی مگر دکھاوے اور نمود کی غرض سے کی ہے تو بچھو کو گویا سانپ کی غذا بنا دیا اس صورت میں بچھو سے تو نجات ہوگئی مگر سانپ کی زہریلی قوت اور زیادہ ہوگئی کیونکہ بخل کا منشاء پورا ہوا تو بچھو کا زور بڑھے گا اور ریاء کا منشاء پورا ہوا تو سانپ کا زور زیادہ ہوگا۔

احسان جتانے کا امتحان

دوم: جسے خیرات دیا کرو اس پر احسان نہ سمجھو اور اس کی شناخت یہ ہے کہ مثلاً تم نے کسی محتاج کو خیرات کے طور پر کچھ دیا اور اس سے شکر گزاری کی توقع رکھی یا مثلاً وہ تمہارے ساتھ بدسلوکی سے پیش آیا تمہارے دشمن کے ساتھ محبت کرنے لگا تو تم کو اس قدر ناگوار گزرا کہ اگر صدقہ دینے سے پہلے یہی صورت پیش آتی تو یقیناً اتنا ناگوار نہ گزرتا تو اس سے صاف ظاہر ہوا کہ تم نے اس محتاج پر اپنا احسان سمجھا جبھی تو اس بدسلوکی پر اتنا طیش آیا۔

احسان جتانے کے مرض کا علاج

اس کا علاج یہ ہے کہ تم اس محتاج کو اپنا محسن سمجھو کہ جس

نے تم سے صدقہ کا مال لے کر تمہیں حقِ خداوندی سے سبکدوش کر دیا اور تمہارے مرضِ بخل کا طبیب بن گیا کیونکہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ زکوۃ و خیرات سے مقصود بخل کا دور کرنا ہے پس مالِ زکوۃ گویا بخل کا دھوون ہوا یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ و صدقہ کا مال اپنے خرچ میں نہ لاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ مال کا میل ہے تو جس مسلمان نے تمہارے مال کا میل لے کر تمہیں اور تمہارے مال کو پاک و صاف بنا دیا تو بھلا بتاؤ کہ اس کا تم پر احسان ہوا یا تمہارا اس پر احسان ہوا بھلا اگر کوئی جراح مفت فصد کھول کر (نشتر لگا کر) تمہارا وہ ناقص خون نکال دے جو تمہاری دنیوی زندگی کے لیے مضر ہے تو کیا تم اس کو اپنا محسن نہیں سمجھتے؟ اسی طرح جو شخص قلب سے بخل کے فاسد مادہ کو کہ جس کے ضرر کا حیاتِ اخروی میں اندیشہ ہے بلا معاوضہ لئے ہوئے مفت نکال دے تو اس کو بدرجۂ اولیٰ اپنا محسن و خیر خواہ سمجھنا چاہیے۔

تیسری بات یہ ہے کہ عمدہ سے عمدہ اور پاکیزہ مال خیرات کرو کیونکہ جو چیز ناپسندیدہ ہو اس کا اللہ کے نام پر دینا کیسے مناسب ہو سکتا ہے تم سن ہی چکے ہو کہ اس سے مقصود دعویٰ محبتِ خداوندی کا امتحان ہے پس جیسی بری یا بھلی چیز اللہ پاک کے نام پر خیرات کرو گے اس سے خود معلوم ہو جائے گا کہ تمہیں اللہ کے ساتھ کس قدر محبت ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ تمہیں جو کچھ دینا ہو بشاش بشاش (خوش خوش) اور خندہ رو (ہنس مکھ) ہو کر دیا کرو کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ایک درہم لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے" اس کا مطلب یہی ہے کہ جو ایک درہم نیک نیتی سے اور خوشی کے ساتھ دیا گیا ہے وہ ان لاکھ درہموں سے

بڑھا ہوا ہے جو ناگواری ❊ کے ساتھ دیئے گئے ہوں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ صدقہ کے لیے محل ومصرف عمدہ تلاش کیا کرو یعنی یا تو کسی پرہیزگار عالم کو دیا کرو کہ تمہارا مال کھانے سے اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ پر قوت اور اعانت حاصل ہو یا کسی عیال دار نیک بخت مسلمان کو دو اور اگر یہ تمام اوصاف ایک شخص میں جمع نہ ہوں تو جس میں ایک وصف بھی پایا جائے وہ بھی تمہارا صدقہ پاک ہو جانے کے لئے کافی ہے البتہ نیک بختی کا لحاظ سب سے مقدم ہے کیونکہ دنیا کا مال ومتاع بندوں کے لیے اسی واسطے مہیا کیا گیا ہے کہ ان کی ایام گزاری ہو سکے اور ان چند روزہ ایام میں آخرت کا توشہ ان کو حاصل ہو جائے تو جو لوگ درحقیقت سفر آخرت میں مشغول ہیں اور اس عالم فانی کو راستہ کا پڑاؤ اور مسافر خانہ سمجھے ہوئے ہیں وہی تمہارے پیسے کے مصرف ہونے چاہئیں دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "پرہیزگاروں کو کھانا کھلایا کرو اور اپنا تبرع وسلوک ایمان داروں ہی کو پہنچایا کرو۔"

❊❊❊❊❊❊

❊ لیکن اس کا مطلب یہ نہ سمجھو کہ جب تک ناگواری دل سے نہ نکلے خیرات نہ دی جائے کیونکہ ابتداء میں ناگواری ضروری ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں ناگواری پر عمل نہ کرنا اور اللہ کی راہ میں اپنی طبیعت پر زور ڈال کر دے دینا یہ بھی اعلیٰ درجے کا مجاہدہ اور ہمت کا کام ہے اور مجاہدہ ہونے کی وجہ سے امید ہے کہ خود اس میں ثواب بڑھ جائے گا۔

تیسری اصل

روزہ کا بیان

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”ہر نیکی کا دس گنا سے سات سو گنا تک نامۂ اعمال میں ثواب لکھا جاتا ہے مگر روزہ خاص میرا ہے (یعنی سب سے زیادہ محبوب ہے) اور میں خود ہی اس کا صلہ جو چاہوں گا دوں گا“۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”ہر شئے کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادات کا دروازہ روزہ ہے۔“

روزہ پر اس قدر اجر و ثواب کا سبب دو باتیں ہیں۔

اول: روزہ کھانے پینے اور مباشرت چھوڑنے کا نام ہے اور ایسا پوشیدہ کام ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا اور اس کے علاوہ جتنی عبادتیں ہیں مثلاً نماز' تلاوت' زکوٰۃ' حج' یہ سب ایسی عبادتیں ہیں جن پر دوسرے لوگ بھی واقف ہو سکتے ہیں پس روزہ وہی مسلمان رکھے گا جس کو لوگوں میں اپنے عابد و زاہد کہلائے جانے کا شوق اور ریاء و نمود کی محبت نہ ہوگی۔

دوم: روزہ سے دشمنِ خدا یعنی شیطان مغلوب ہوتا ہے۔ کیونکہ جس قدر نفسانی خواہشیں ہیں سب پیٹ بھرنے پر اپنا زور دکھاتی ہیں اور شیطان انہی خواہشات کو واسطہ بنا کر مسلمان کا شکار کرتا ہے اور جب روزہ کی وجہ سے مسلمان بھوکا رہا اور تمام خواہشیں کمزور پڑ گئیں تو شیطان مجبور اور بے دست و پا ہوگیا چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”ماہ رمضان میں

جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں شیطان پا بہ زنجیر ہو جاتا ہے اور ہاتف غیبی پکارتا ہے کہ اے بھلائی کے طلب گارو آگے بڑھو اور اے بدکارو باز آؤ۔"

خوب سمجھ لو کہ روزہ کے تین درجے تو اس کی مقدار کے اعتبار سے ہیں اور تین ہی قسمیں اس کی کیفیت کے اعتبار سے ہیں۔

ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صرف رمضان کے فرض روزے ہر سال رکھ لیا کرے۔

صوم داؤدی کی فضیلت

اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام روزہ رکھتے تھے اسی طرح ایک دن تو روزہ رکھے اور دوسرے دن نہ رکھے پھر تیسرے دن روزہ رکھے اور چوتھے دن نہ رکھے روزمرہ روزہ رکھنے کی بہ نسبت یہ صورت بدرجہا بہتر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے سے بھوکا رہنے کی عادت ہو جاتی ہے اور عادت ہو جانے کے بعد تشنگی اور قلب میں صفائی اور خواہشات نفسانی میں ضعف و کمزوری محسوس نہ ہوگی حالانکہ روزہ سے یہی مقصود ہے دیکھو مریض جب دوا کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر دوا کچھ بھی نفع نہیں دیتی یہی سبب ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی بابت دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے دن کھاؤ پیو"۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سے بھی اعلیٰ درجہ چاہتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس سے اعلیٰ کوئی درجہ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع

ہوئی کہ فلاں شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا روزہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہیں۔

پیر اور جمعرات کے روزہ کی حکمت

متوسط درجہ یہ ہے کہ عمر کا تہائی روزہ میں صرف ہو جائے لہٰذا مناسب ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کا روزہ رکھ لیا کرو اس حساب سے سال بھر میں چار ماہ اور چار یوم کے روزے ہو جائیں گے مگر چونکہ عید الفطر اور عید الاضحٰے اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے اور ممکن ہے کہ دونوں عیدیں پیر یا جمعرات کو پڑیں اور ایام تشریق میں سے ایک دن تو ضرور پیر یا جمعرات کو ہوگا اس لئے چار مہینے اور ایک دن کے روزے ہو جائیں گے اور بارہ مہینے کے تہائی یعنی چار مہینے سے صرف ایک دن زیادہ رہے گا یہ تہائی عمر کا حساب غور کرنے سے بآسانی سمجھ میں آجائے گا اس مقدار سے روزوں کا کم کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس میں آسانی بھی ہے اور ثواب بہت زیادہ ہے۔

روزہ کی کیفیت کے اعتبار سے تین قسمیں یہ ہیں۔

پہلی قسم تو عام روزہ ہے کہ صرف روزہ توڑنے والی چیزوں یعنی کھانے پینے اور جماع سے بچتے ہیں اگرچہ بدن سے گناہ کئے جائیں سو یہ نام ہی کا روزہ ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ بدن کے کسی عضو سے بھی کوئی کام خلاف شرع نہ ہو۔ یعنی زبان غیبت سے محفوظ رہے اور آنکھ نامحرم کو بری نگاہ کے ساتھ دیکھنے سے بچی رہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

تسیری قسم

خاص روزہ خاص

حلال اور قلیل غذا پر افطار کی فضیلت

بندوں کا ہے کہ اعضائے بدن کے ساتھ ان کا قلب بھی فکر و وساوس سے محفوظ رہتا ہے اور سوائے ذکر الٰہی کے کسی چیز کا بھی ان کے دل میں گذر نہیں ہونے پاتا یہ کمال کا درجہ ہے اور چونکہ اس کا حاصل کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے اس لئے کم سے کم اتنا خیال تو ضرور رکھنا چاہیئے کہ ایسے کھانے پر روزہ افطار کیا کرو جو بلا شبہ حلال اور پاک ہو اور وہ بھی اتنا نہ کھاؤ کہ جس سے معدہ بھاری اور بدن کسلمند (سست) ہو جائے کہ تہجد کو بھی آنکھ نہ کھلے یعنی ایسا نہ کرو کہ دن کے چھوٹے ہوئے کھانے کی بھی تلافی افطار کے وقت کرنے لگو کیونکہ ایسا کرنے والوں کو روزہ کا اتنا نفع نہیں ہوتا جتنا کہ کسل کی وجہ سے نقصان ہو جاتا ہے۔

******

چوتھی اصل

حج کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "لوگوں پر اللہ کے واسطے حج بیت اللہ فرض ہے جس کسی میں وہاں تک پہنچنے کی طاقت ہو" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو صاحب استطاعت مسلمان بغیر حج کے مر گیا تو اسے اختیار ہے کہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی"۔

آداب سفر حج بیت اللہ شریف

حج: یہ بھی دین کا ایک ستون ہے حج کے اعمال و ارکان ظاہری کا بیان چونکہ احیاء العلوم میں ہو چکا ہے لہٰذا اس جگہ حج کے رموز اور آداب بیان کرنے مقصود ہیں پس جاننا چاہیے کہ آداب حج سات ہیں۔

اول: یہ کہ سفر سے پہلے حلال زادِ راہ اور کوئی نیک بخت ساتھی تلاش کر لو کیونکہ حلال توشہ سے قلب میں نور پیدا ہو گا اور رفیق صالح تمہیں گناہوں سے روکتا اور نیک کام یاد دلاتا رہے گا۔

دوم: اس سفر میں تجارت * کا خیال بالکل نہ رکھو کیونکہ طبیعت کے تجارت کی جانب متوجہ ہو جانے سے زیارت حرمین شریفین کا ارادہ خالص اور بے

---

* کوئی یہ وسوسہ دل میں نہ لاوے کہ قرآن کے اندر تو تجارت کی اجازت دی ہے بات یہ ہے کہ اول تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تجارت کو ممنوع نہیں بتلاتے جو خلاف قرآن ہو دوم ہم میں اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں فرق ہے کہ وہ حضرات حج کے دوران تجارت بھی اعانت دین کے لیے کرتے تھے اور ہم حج بھی تجارت کے لیے کر لیں گے۔

لوٹ نہ رہے گا۔

سوم: راستہ میں کھانے کے اندر وسعت کرو اور رفقائے سفر اور نوکروں چاکروں اور کرایہ داروں کو خوش رکھو اور کسی کے ساتھ سختی سے بات نہ کرو بلکہ نہایت خلق ومحبت سے اور نرم گفتاری سے سفر ختم کرو۔

چہارم: فحش گوئی، جھگڑے، فضول بکواس اور دنیا کے معاملات کی بات چیت کو بالکل چھوڑ دو اور ضروری حاجتوں سے فارغ ہونے کے بعد اپنی زبان کو تلاوت کلام اللہ اور ذکر الٰہی میں مشغول رکھو۔

پنجم: شغدف یا شبری (خوبصورت کجاوہ یا ڈولی) یعنی شان کی سواری پر سوار نہ ہو * بلکہ بار برداری کے اونٹ پر بیٹھ جاؤ تاکہ دربارِ حق تعالیٰ میں پراگندہ حال غبار آلودہ اور مسکینوں محتاجوں کی سی ذلیل وخستہ حالت سے حاضری ہو اس سفر میں بناؤ سنگار اور زیادہ آرام طلبی کا خیال بھی نہ لاؤ۔

ششم: کبھی کبھی سواری سے اتر کر پیدل بھی ہو لیا کرو کہ اس میں سواری کے مالک کا بھی دل خوش ہوگا اور سواری کو بھی آرام ملے گا اور نیز تمہارے ہاتھ پاؤں بھی حرکت کرنے سے چست وچالاک رہیں گے۔

ہفتم: جو کچھ بھی اس سفر میں خرچ ہو جائے یا جس قسم کا بھی مالی نقصان یا تکلیف یا مصیبت اٹھانی پڑے تو اس پر خوش دل رہو اور اس کو اپنے حج کے مقبول ہونے کی علامت سمجھو اور اپنے پروردگار سے ثواب کی امید رکھو۔

حج کی عبادت میں رموز و اسرار تو بہت ہیں
مگر ہم صرف دو مضمون بیان کرتے ہیں

* مطلب یہ ہے کہ شان دکھانے کو ایسا مت کرو باقی رفع تکلیف کیلئے مضائقہ نہیں ہے
(مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

مشروعیت حج کی حکمت

اول: حج اس رہبانیت کا بدل ہے جو پہلی امتوں میں رائج تھی حدیث میں آیا ہے کہ امتِ محمدیہ کی رہبانیت اللہ تعالیٰ نے حج کو بنا دیا ہے۔ اول بیتِ عتیق یعنی سب سے پہلے بنے ہوئے مکان کو اللہ تعالیٰ نے شرف عنایت فرمایا یعنی اس کو اپنی جانب منسوب فرمایا اور بیت اللہ نام رکھ دیا پھر اس کے گرد و نواح کو حرم گردانا۔ میدان عرفات کو حرم کا صحن بنایا اور اس کا شرف اس طرح فرمایا کہ نہ وہاں شکار جائز ہے نہ درخت کاٹنا حلال' سو یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ مکان سے منزہ ہے اور گھر یا مکان کا محتاج نہیں ہے وہ سب کو محیط ہے اور اسے کوئی جگہ اپنے احاطہ میں نہیں لے سکتی پس اس نے خانہ کعبہ کو جو اپنی جانب منسوب کیا اور اس کے طواف کا لوگوں کو حکم دیا تو اس میں حکمت یہ ہے کہ بندوں کی غلامی کا اظہار اور ان کی بندگی کا امتحان ہو جائے اور فرماں بردار غلام اپنے آقا کے دربار میں دور دراز جگہوں سے بالقصد زیارت کرنے کو جوق در جوق ایسی حالت سے آئیں کہ بال بکھرے ہوئے ہوں غبار آلودہ ہوں شاہی ہیبتِ جلال سے حیران و پریشان حال ہوں ننگے پاؤں مسکین و محتاج بنے ہوئے ہوں اور اسی مصلحت سے اس عبادت میں جس قدر بھی اعمال و ارکان مقرر کیے گئے ہیں وہ سب بعید از عقل ہیں تاکہ ایسے اعمال کا ادا کرنا محض حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سمجھ کر ہو اور کوئی طبعی خواہش یا عقلی حکمت کا اتباع اس کا باعث نہ ہو چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "بار الٰہ ہم اپنی عبودیت و غلامی کا اظہار کرنے کو عبادت حقہ یعنی حج میں حاضر ہیں"۔

ارکان حج کی مشروعت کا دوسرا راز

دوم: سفر حج کی وضع بالکل سفر

آخرت کی سی ہے اور مقصود یہ ہے کہ حجاج کو اعمال حج ادا کرنے سے مرنے کا وقت اور مرنے کے بعد پیش آنے والے واقعات یاد آ جائیں مثلاً شروع سفر میں بال بچوں سے رخصت ہوتے وقت سکرات موت کے وقت اہل وعیال سے رخصت ہونے کو یاد کرو اور وطن سے باہر نکلتے وقت دنیا سے جدا ہونے کو اور سواری پر سوار ہوتے وقت جنازہ کی چارپائی پر سوار ہونے کو یاد کرو احرام کا سفید کپڑا پہنتے وقت کفن میں لپٹنے کو یاد کرو۔ اور پھر میقات حج تک پہنچنے میں جنگل وبیابان قطع کرتے وقت اس دشوار گذار گھاٹی کے قطع کرنے کو یاد کرو جو دنیا سے باہر نکل کر میقات قیامت تک عالم برزخ یعنی قبر میں تم کو کاٹنی ہے راستہ میں راہزنوں کے ہول وہراس کے وقت منکر نکیر کے سوالات اور اس بے کسی میں ہول وہراس کا خیال کرو جنگلی درندوں سے قبر کے سانپ بچھو کیڑوں مکوڑوں کو یاد کرو اور میدان میں رشتہ داروں اور عزیز واقارب سے علیحدہ تن تنہا رہ جانے کے وقت قبر کی تنہائی اور وحشت کو یاد کرو اور جس وقت چیخ چیخ کر **لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ** پڑھو تو زندہ ہونے اور قبروں سے اٹھنے کے وقت کے اس جواب کو یاد کرو جو اللہ تعالیٰ کی ندا کے وقت میدان حشر میں حاضری کے لیے تم عرض کروگے غرض اسی طرح ہر عمل میں ایک عبرت اور معاملۂ آخرت کی یاد دہانی ہے جس سے ہر شخص جس قدر بھی اس میں قلب کی صفائی اور دین کی ضروریات کے خیال رکھنے کی وجہ سے استعداد ہوگی آگاہی حاصل کرسکتا ہے۔

❋❋❋❋❋❋

پانچویں اصل

تلاوت قرآن کا بیان

تلاوت کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میری امت کے لیے سب سے بہتر عبادت کلام اللہ کی تلاوت ہے" حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو بندہ قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہو کر دعا نہیں مانگ سکا میں اس کو بے مانگے اتنا دوں گا کہ مانگنے والوں کو اتنا نہ دوں گا۔"

تلاوت کلام اللہ کے ظاہری آداب

تلاوت قرآن شریف کے ظاہری آداب تین ہیں۔

ادب اول: تلاوت کرتے وقت دل میں بھی کلام اللہ کا احترام رکھے اور چونکہ ظاہر کو باطن تک اثر پہنچانے میں بہت دخل ہے اس لئے جب ظاہری صورت احترام کی پیدا کی جائے گی تو قلب میں بھی احترام پیدا ہو جائے گا اور ظاہری احترام کی صورت یہ ہے کہ وضو کر کے نہایت سکون کے ساتھ گردن جھکائے ہوئے قبلہ کی طرف منہ کر کے دو زانوں اس طرح بیٹھو جیسے استاد کے سامنے ہیں اور تجوید کے موافق حروف قرآنیہ کو مخارج سے نکالو اور ایک حرف کو دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں سورۃ اِنَّا اَنْزَلْنَا اور اَلْقَارِعَةُ یعنی چھوٹی سورتیں سوچ کر تلاوت کروں تو یہ اس سے

زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ سورۂ بقرۃ اور آل عمران فرفر* پڑھ جاؤں۔

ادب دوم : کبھی کبھی تلاوت کی فضیلت کے انتہائی درجہ کے حاصل کرنے کا شوق تم بھی کیا کرو کیونکہ تم آخرت کی تجارت کے لیے دنیا میں آئے ہو اس لئے جہاں تک ممکن ہو زیادہ نفع کمانے کی کوشش کرو یوں تو تلاوت کلام اللہ سے کسی طرح بھی کیوں نہ ہو خواہ بیٹھے ہو لیٹے ہو باوضو ہو یا بے وضو اور خلوت میں ہو یا جلوت میں بہر حال نفع ہی نفع ہے مگر بڑا نفع اس میں ہے کہ شب کے وقت مسجد میں بحالت نماز کلام اللہ پڑھو حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "جو شخص نماز میں کھڑے ہو کر قرآن شریف پڑھے گا اس کو ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں ملیں گی اور نماز میں بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنے والے کو پچاس نیکیاں اور نماز کے سوا دوسری حالت میں باوضو تلاوت کرنے والے کو پچیس نیکیاں اور بلا وضو پڑھنے والے کو دس نیکیاں ملیں گیں"۔ اب تم خود ہی سوچو کہ سوداگر بن کر زیادہ نفع کی حرص کیوں نہ کی جائے۔

ادب سوم اور شبینہ کی کراہت کا راز:

تلاوت کی مقدار کا بھی لحاظ رکھو

ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ ہر مہینے میں ایک مرتبہ ختم کرو۔

اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تین دن میں ختم کرو کہ مہینہ بھر میں دس ختم ہوں

متوسط درجہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ پورا قرآن ختم کر لیا کرو تین دن سے کم میں کلام مجید ختم کرنا مکروہ ہے کیونکہ سمجھ نہ سکو گے اور بلا سمجھے پڑھنا گستاخی ہے یہ نہ سمجھو کہ جب تلاوت کلام اللہ نافع ہے تو جس قدر بھی تلاوت زیادہ ہو گی اسی

* فرفر پڑھنے کی وجہ سے الفاظ بھی سمجھ نہ آئیں گے اور اس کا بے ادبی ہونا ظاہر ہے باقی اگر کوئی شخص معنی نہ سمجھے اور صرف الفاظ قرآن ہی صحیح اور صاف ادا کرے تو یہ اجر و ثواب سے خالی نہیں

قدر ثواب زیادہ ہوگا یہ تمہارا قیاس غلط ہے اللہ کے بھید کا سمجھنا انبیاء علیہم السلام ہی کا کام ہے پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ تین دن سے کم میں ختم مستحب نہیں ہے تو تم کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع لازم ہے۔ اور اپنی رائے کو دخل دینا کم سمجھی اور جہالت ہے چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ دوا بیمار کو نفع دیتی ہے لیکن اگر طبیب کی بتلائی مقدار سے زیادہ دو گے تو دیکھ لو یہ مریض مر جائے گا یا اچھا ہو جائے گا؟ اسی طرح نماز حالانکہ عبادتوں میں اصل ہے مگر وہ طلوع و غروب اور استوائے آفتاب کے وقت ناجائز اور صبح و عصر کے فرضوں کے بعد مکروہ ہے۔ * جب مرض کی دوا میں جسمانی طبیب کی بات بے چون و چرا مان لی جاتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ روحانی علاج اور روحانی طبیب کی بتلائی ہوئی دوا میں اس کی مقدار کا لحاظ نہ رکھا جائے اور اس کے بڑھانے میں عقل کو دخل دے کر سوال کیا جائے کہ تین دن سے کم میں ختم کرنا کیوں ناجائز ہے۔

تلاوت کلام اللہ کے باطنی آداب

تلاوت قرآن شریف کے باطنی آداب پانچ ہیں۔

اول: جس طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال دل میں ہے اسی طرح اس کے کلام کی بھی عظمت قلب میں ہونی چاہئے مثلاً جب تم اللہ کی گونا گوں مخلوقات یعنی عرش و کرسی، لوح و قلم، آسمان و زمین، حیوان و انسان، جنات و نباتات اور جمادات کے پیدا ہونے کا تصور کرو گے تو ضرور خیال ہو گا کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا وحدہ لاشریک نہایت زبردست اور ایسا مدبر ہے کہ اس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں ہے تمام عالم کی بقا اسی کے فضل و کرم پر موقوف ہے ایسے

* یعنی نفل اور سنت پڑھنا مکروہ ہے۔

شہنشاہ عالی شان کے فرمان واجب الاذعان (جس کی تعمیل ضروری ہو) یعنی قرآن مجید کی کیا عظمت و وقعت ہونی چاہئے؟ یاد رکھو کہ جس طرح اس کے الفاظ کو ہاتھ لگانے کے لئے طہارت اور وضو کی ضرورت ہے اسی طرح اس کے معنی کے دل میں لانے کے لئے قلب کی طہارت اور تمام اخلاق رذیلہ سے پاکی لازم ہے پس جو قلب باطنی گندگی اور نجاست میں آلودہ ہے وہ اس محترم شاہی فرمان کے حقائق کو کیونکر سمجھے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ قرآن شریف کھولتے تو اکثر بے ہوش ہو جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ "یہ میرے پروردگار جل جلالہٗ کا کلام ہے"

کلام الٰہی کے لباس الفاظ میں مستور ہونے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ اس نے اپنے باعظمت کلام ازلی کے انوار و تجلیات کو حروف کے لباس میں چھپا کر تمہارے حوالہ کیا ہے ورنہ اس کی نورانی شعاعوں کا کوئی بشر متحمل نہ ہو سکتا دیکھ لو کہ طور جیسا پہاڑ بھی کلام الٰہی کی تجلیات کا متحمل نہ ہو سکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اگر اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو نہ سنبھال لیتے تو ان میں بھی حرف اور آواز کے لباس سے خالی کلام الٰہی کے سننے کی طاقت نہ تھی۔

تلاوت میں ترتیل اور معنی کا فہم و تدبر

دوم: اگر قرآن شریف کے معنی سمجھ سکتے ہو تو کوئی آیت بھی بلا سمجھے تلاوت نہ کرو کیونکہ ترتیل میں جس کا قرآن شریف میں حکم ہے تدبر یعنی غور و فکر اور سمجھنے اور سوچنے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ

وجہ فرماتے ہیں کہ اس تلاوت سے کیا نفع جس میں سمجھنے سے واسطہ نہ ہو۔ ختم قرآن کی تعداد بڑھانے کا خیال مت کرو کہ چاہے سمجھو یا نہ سمجھو مگر نام ہو جاوے کہ اتنے قرآن شریف ختم کئے یاد رکھو کہ اگر تم سوچ سمجھ کر ایک ہی آیت کو رات بھر پڑھتے جاؤ گے تو یہ پچاس قرآن ختم کرنے سے بہتر ہوگا۔

دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کو بیس مرتبہ دہرایا ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رات ایک ہی آیت کو بار بار پڑھا۔ اور وہ آیت یہ تھی۔ (اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ.) (یا اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو بیشک تو زبردست اور حکمت والا ہے) حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ آیت ''اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ''۔ (کیا گناہوں کے مرتکب ہونے والوں کا گمان یہ ہے کہ ہم ان کو نیکو کاروں کے مساوی بنا دیں گے) کو تمام شب بار بار پڑھتے رہے اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے آیت ''وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ'' (اور علیحدہ ہو جاؤ آج اے مجرمو) کو بار بار پڑھنے میں تمام رات ختم کر دی ایک عارف فرماتے ہیں کہ ہر ہفتہ میں ایک ختم پڑھتا ہوں اور ایک ختم ہر مہینے میں اور ایک ایسا ہے کہ جس کو سال بھر میں ختم کرتا ہوں اور ایک تلاوت ایسی بھی ہے جس کو تین سال سے شروع کر رکھا ہے اور اب تک پورا کلام مجید نہیں ہوا۔ یہ فرق ظاہر ہے کہ فکر و فہم اور غور و تدبر ہی سے ہوتا ہے کیونکہ انسان کا دل ہر وقت یکساں نہیں رہتا اور نہ ہمیشہ مساوی درجہ کے غور و فکر کا عادی ہوتا ہے اس لئے اگر خصوصیت کے ساتھ ایک ختم علیحدہ طور پر تم بھی ایسا شروع کر لو جس

میں سوچ سمجھ کر تلاوت کی جائے اور صرف اسی وقت پڑھا جائے جب کہ قلب فارغ ہونے کی وجہ سے غور وفکر کر سکو اور معنی اچھی طرح سمجھ سکو تو بہت اچھا ہے کیونکہ اس صورت میں تلاوت کے معمول میں بھی فرق نہ آئے گا اور فضیلت کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔

ہر آیت سے اُس کے خاص مفہوم ہی کی معرفت حاصل ہوگی

سوم: اس فہم وتدبر کی حالت مذکورہ میں معرفت الٰہی کی گونا گوں شاخوں سے پھل اور پھول بھی چنتے رہو کیونکہ ہر پھل کے لئے جدا شاخ اور ہر جوہر کے لئے جدا معدن ہے کہ جہاں موتی پیدا ہوتے ہیں وہاں تریاق کا تلاش کرنا فضول ہے اور جہاں مشک وعود دستیاب ہوتا ہے وہاں موتیوں کی جستجو بے فائدہ ہے اسی طرح قرآن شریف کی آیتوں میں جس قسم کا تذکرہ ہو اسی قسم کا عرفان حاصل کرنا چاہیے۔ مثلاً جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات یا افعال کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں سے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کی معرفت حاصل کرو اور جس جگہ راہ مستقیم کی تعلیم مذکور ہو وہاں رحمت وکرم اور فضل و حکمت کی معرفت حاصل کرو اور جہاں کافروں کے ہلاک کرنے کا بیان ہو اس جگہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور غلبہ وقہر کی صفت معلوم کرو اور جن آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے تذکرے ہوں وہاں سے اللہ پاک کے لطف واحسان کا علم حاصل کرو غرض جیسا موقع ویسا عرفان۔

اختیاری وسوسے اور ان کے مراتب

چہارم: قرآن کا مطلب سمجھنے سے جو

امور مانع ہیں ان کو جہاں تک ہو سکے دفع کرو کیونکہ ضعیف الایمان بندوں کے لئے تو خواہشات نفسانی اور وساوس شیطانی (جن کو قصداً دل میں جگہ دی جاتی ہے) حجاب بن جاتی ہیں کہ ان کے نفوس دنیوی تعلقات سے وابستہ اور ان کے قلوب شبہات وشک میں ملوث ہوتے ہیں۔ اور یہی قلب کے وہ پردے ہیں جن کے سبب قرآن پاک کی باریکیاں سمجھ میں نہیں آسکتیں لہٰذا ان کے اٹھانے کی کوشش ہونی چاہئے اور جن لوگوں کا ایمان قوی ہو جاتا ہے کہ اللہ کی محبت ان کے قلب میں پیدا ہونے اور ان کو طاعت میں لذت آنے لگتی ہے ان پر بھی قلبی وساوس اپنا اثر کرتے ہیں مثلاً نماز کی حالت میں ان کا دل اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ ہماری نیت کیسی ہے اور جو خلوص شروع نماز کے وقت تھا وہ اب بھی قائم ہے یا نہیں یا مثلاً حرف کے مخارج سے ادا ہونے میں شبہ پڑتا ہے اور آیت کو اس نیت سے بار بار دہراتے ہیں حالانکہ قلب کے لئے یہ بھی حجاب ہے کیونکہ حروف اور الفاظ کی درستی کے پیچھے پڑ جانا اور مخارج حروف یعنی دانتوں، ہونٹوں، تالو اور حلق کی طرف مشغول ہونا کہ یہ حرف کہاں سے نکلا اور ٹھیک نکلا یا نہیں نکلا؟ ان کا کام (یعنی زیادہ اہتمام کچھ تو ضروری ہے) نہیں جن کو عالم علوی کی سیر وسیاحت اور ملکوتی امور کا مشاہدہ کرنا منظور ہے۔

معرفت کے ساتھ حالت واثر بھی پیدا کرنا چاہیے

پنجم: آیات کلام الٰہی سے صرف تجلیات اور معرفت ہی کے حاصل کرنے پر اکتفا نہ کرو بلکہ اس کے ساتھ حالت اور اثر بھی ظاہر ہونا چاہیے مثلاً اگر ایسی آیت پڑھو جس میں رحمت کا ذکر اور مغفرت کا وعدہ ہو تو جسم پر خوشی اور مسرت کی حالت پیدا ہو جائے اور غیظ وغضب اور عذاب الٰہی

کا تذکرہ ہو تو تمہارا بدن لرز اٹھے اور اللہ تعالیٰ کا نام آوے یا اس کی عظمت وجلال کا ذکر ہو تو جھک جاؤ اور ذلت اختیار کرو کہ گویا جلال خداوندی کے مشاہدے سے نیست ونابود ہوئے جاتے ہو اور اگر کافروں کی اس خرافات کا بیان ہو جو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے ہیں مثلاً مخلوق میں سے کسی کو نعوذ باللہ اللہ کا بیٹا یا بیٹی یا بیوی بتایا ہے تو اس کی نقل سے بھی شرماؤ اور ایسی آیت کی تلاوت میں اپنی آواز کو پست کر دو کہ گویا ان کے الفاظ کا اپنی زبان پر لانا بھی گراں گذرتا ہے غرض جس آیت میں جیسا مضمون ہو اس کے مطابق ایک خاص حالت پیدا اور جسم پر وہی اثر ظاہر ہو جانا چاہیے کہ خوف کے وقت آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں اور شرم کے وقت پیشانی پر پسینہ آجائے اور ہیبت کے وقت رونگٹے کھڑے ہو جائیں کپکپی چھوٹے اور مژدہ بشارت کے وقت آواز و زبان اور اعضا میں انبساط و بشاشت پیدا ہو جائے۔

❊❊❊❊❊

چھٹی اصل

ہر وقت ذکر الٰہی کا بیان

اللہ تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتا ہے "اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ فلاح پاؤ" اور حدیث میں آیا ہے کہ "اللہ کا ذکر جہاد و صدقات اور خیرات سب سے افضل ہے" اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔

ذکر الٰہی کے لئے ایک مغز اور تین پوست ہیں اور مغز تو مقصود بالذات ہے مگر پوست اس لئے مقصود اور محبوب ہیں کہ وہ مغز تک پہنچنے کے ذرائع اور اسباب ہیں۔

پہلا پوست صرف زبان سے ذکر کرنا ہے۔

دوسرا پوست قلب سے ذکر کرنا اور جبراً بہ تکلف اس کا خوگر (عادی) ہونا ہے یاد رکھو کہ قلب کو اپنی حالت پر چھوڑ نا نہ چاہئے کیونکہ اس کو تفکرات اور تخیلات میں پڑنے سے پریشانی ہوتی ہے لہٰذا مناسب ہے کہ اس کی مرغوب شئے یعنی ذکر الٰہی اس کے حوالہ کر دی جائے تاکہ اس کو اطمینان حاصل ہو جائے۔

تیسرا پوست یہ ہے کہ ذکر الٰہی قلب میں جگہ کر لے اور ایسا گڑ جائے کہ اس کا چھڑانا دشوار ہو جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے درجہ میں جس طرح قلب کو ذکر کی عادت ڈالنے میں وقت پیش آئی ہوئی تھی اس تیسرے درجہ میں قلب سے ذکر اللہ کی عادت چھڑانا اس سے زیادہ دشوار ہو۔

فنا اور فناء الفنا کی ماہیت اور تمثیل سے اس کا سمجھنا

چوتھا پوست جو مغز اور مقصود بالذات ہے وہ یہ ہے کہ قلب میں ذکر کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ بلکہ مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ذات رہ جائے کہ نہ قلب کی طرف توجہ رہے نہ ذکر کی جانب التفات اور نہ اپنی خبر ہو نہ کسی دوسرے کی۔ غرض ذات باری میں استغراق ہو جائے اسی حالت کا نام فنا ہے اور اس حالت پر پہنچ کر بندہ کو نہ اپنی ظاہری حس و حرکت کا کوئی علم ہوتا ہے اور نہ باطنی عوارض کا یہاں تک کہ اپنے فنا ہو جانے کا علم بھی باقی نہیں رہتا کیونکہ فنا ہو جانا بھی تو اللہ کے علاوہ دوسری ہی چیز ہے اور غیر اللہ کا خیال میل کچیل اور کدورت ہے پس فنا کا علم بھی اس درجہ میں پہنچ کر کدورت اور بعد ہوا یہی وہ حالت ہے جس میں اپنے وجود کے فنا کے ساتھ خود فنا سے بھی فنائیت ہوتی ہے ایسی محویت سمجھ میں آنی مشکل ہے بلکہ بظاہر ناممکن اور دعویٰ بلا دلیل معلوم ہوگا لیکن اگر تم کو کسی حسین صورت پر عاشق ہونے یا کسی عاشق صادق کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا تو اس حالت کو کبھی دشوار نہ سمجھو گے۔ کیا حسن پرست فریفتہ انسان اپنی معشوقہ کے فکر اور خیال میں ایسے محو مستغرق اور بے خود نہیں ہو جاتے کہ بسا اوقات زبان سے کوئی بات کرتے ہیں اور اس کو خود بھی نہیں سمجھتے۔ پاؤں ڈالتے کہیں ہیں اور پڑتا کہیں ہے اس کے سامنے سے آدمی گذر جاتا ہے حالانکہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر وہ ان کو نظر نہیں آتا۔ دوسرا شخص ان سے بات کرتا ہے مگر یہ سنتے ہی نہیں اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیوں بھائی کیا دیکھا اور کیا سنا تو وہ کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے پس معلوم ہوا کہ ان کو ایسی محویت ہوگئی کہ

اپنی محویت کا بھی ان کو علم نہیں رہا کہ دیوانہ بن گئے اور ایسے دیوانہ بنے کہ اپنی دیوانگی کی بھی خبر نہیں رہی مجنون ہو گئے اور جنوں کی بھی اطلاع نہیں یہ سب اسی معشوق مطلوب کے خیال میں مستغرق ہو جانے کا اثر ہے اس کو بھی جانے دیجیے اس سے بھی آسان طریقے سے فنا کی فنائیت سمجھ میں آسکتی ہے دیکھو تم کو اپنی آبرو اور مال سے محبت ہے۔ پس اگر خدانخواستہ کسی دشمن کی طرف سے تمہارے مال یا آبرو پر حملہ ہو تو اس کے غصہ اور طیش میں جو کچھ تمہاری حالت ہوگی اس پر غور کرو کہ وہ کیسی بے خودی کی حالت ہے ظاہر ہے کہ غیظ وغضب میں نہ تم کو اپنی خبر رہتی ہے اور نہ دوسرے کی اور تم ایسے بے خود ہو جاتے ہو کہ اس وقت اپنی بے خودی کا بھی تمہیں احساس نہیں رہتا۔ پھر بھلا اگر کوئی بندہ اپنے مولا کے خیال میں ایسا محو ہو جائے کہ خود فنا سے فنا اور بے خود ہو جائے تو کیا تعجب ہے؟

سمجھانے کی غرض سے یہ مثالیں ہم نے بیان کی ہیں ورنہ اصل بات تو یہ ہے کہ جس وقت اللہ کے فضل سے اس حالت پر پہنچو گے تو فنائیت اور فناء الفنا کی اصل حقیقت اسی وقت معلوم کر سکو گے۔

******

ساتویں اصل

طلب حلال کا بیان

جہاں کہیں عبادت کا حکم ہوا ہے اس کے ساتھ ہی اکل حلال کا بھی حکم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''پاک چیز کھایا کرو اور نیک کام کیا کرو'' جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''ایمان لانے اور نماز پڑھنے کی فرضیت کے بعد رزق حلال کی تلاش فرض ہے'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں کہ ''اگر تم نمازیں پڑھتے پڑھتے کمان کی طرح جھک جاؤ اور روزے رکھتے رکھتے تانت کی طرح دبلے بھی ہو جاؤ تو بغیر تقویٰ اختیار کئے اور مال حرام سے بچے کچھ بھی قبول نہ ہوگا'' رزق حرام کھا کر عبادت کرنا ایسا بے کار ہے جیسا گوبر پر مکان تعمیر کرنا یاد رکھو کہ رزق حلال کو قلب کی نورانیت میں بڑا اثر ہے لہٰذا مال حرام سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔

تقویٰ کے چار درجے ہیں۔

پہلا درجہ : جن چیزوں یا جس مال کی حرمت پر علمائے دین اور فقہائے شریعت کا فتویٰ ہے ان کا استعمال نہ کرو کیونکہ ان کے استعمال سے آدمی فاسق بن جاتا ہے اور شقاوت (دین میں پختگی) جاتی رہتی ہے یہ تو عام مومنین کا تقویٰ کہلاتا ہے۔

دوسرا درجہ : صلحا کا تقویٰ ہے یعنی مشتبہ چیز سے بھی پرہیز کرنا کیونکہ علمائے شریعت نے ظاہری حالت دیکھ کر اگرچہ مشتبہ کو حلال کہہ دیا ہے مگر چونکہ اس میں حرمت کا احتمال ہے اور اسی وجہ سے وہ شئے مشتبہ کہلاتی ہے لہٰذا صلحا اس

کو بھی استعمال نہیں کرتے۔ دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جس میں شبہ ہو اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں کچھ بھی شبہ نہ ہو۔"

جائز زینت اور مباح لذت سے پرہیز کرنے کا راز

تیسرا درجہ : اتقیاء کا تقویٰ ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "مسلمان جب تک خطرہ والی چیزوں میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے بے خطرہ چیزوں کو بھی ترک نہ کرے گا اس وقت تک اتقیاء کے درجے کو ہرگز نہ پہنچے گا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "حرام کے مرتکب ہو جانے کے اندیشہ سے ہم حلال کے بھی دس حصوں میں سے نو حصے ترک کر دیتے ہیں" اسی بنا پر اللہ کے پرہیزگار بندے جب سو روپیہ کے مستحق ہوتے ہیں تو ایک کم سو لیتے ہیں اور جس وقت دوسرے کا حق دیتے ہیں تو ایک حبہ ✲ زیادہ دیتے ہیں۔ اور جب اپنا حق لیتے ہیں تو ایک حبہ کم لیتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ بیت المال کا مشک ان کے پاس آتا تو اپنی ناک بند کر لیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس کی خوشبو کو سونگھنا بھی تو اس کا استعمال ہی کرنا ہے لہٰذا بیت المال کے مشک کی خوشبو کو میں سونگھنا نہیں چاہتا۔ مزہ دار حلال چیزوں کے کھانے اور جائز زینت اور آراستگی سے پرہیز کرنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ زبان کو مزہ لگنا اچھا نہیں ہے کیونکہ آج حلال کا مزہ پڑا ہے تو کل حرام کی لذت

✲ یہ زیادہ دینا سود نہیں ہے اس لئے کہ شرط قرار نہیں دی گئی تھی بلکہ تبرع اور احسان ہے کہ بلا استحقاق دوسرے کے ساتھ سلوک کیا۔

حاصل کرنے کا شوق ہو جائے گا قرآن شریف میں کافروں کی کثرت مال و متاع اور دنیا داروں کے جاہ و حشم کی جانب نظر کرنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ بھی اسی لئے آئی ہے کہ اس چمک دمک سے ایمان کی شیرینی کم ہو جائے گی اس لئے کہ دنیا کے مال و متاع کی رغبت اور محبت سے قلب میں ایمان کی محبت نہیں رہا کرتی ایک بزرگ کا قول ہے کہ جس کا کپڑا پتلا اس کا ایمان بھی پتلا غرض اتقیاء کے نزدیک وہی مال حلال اور قابل استعمال ہے جس میں نہ بالفعل کسی قسم کا شبہ ہو اور نہ آئندہ کسی آفت کا خطرہ یا احتمال ہو۔

صدیقین کا تقویٰ اور احتیاط کے قصے

چوتھا درجہ صدیقین کا تقویٰ ہے یعنی جس چیز کے کھانے سے عبادات اور طاعت پر قوت حاصل نہ ہو اس سے پرہیز کرنا مثلاً ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انہوں نے دوا پی تو ان کی بیوی نے کہا کہ چند قدم ٹہل لیجئے انہوں نے جواب دیا کہ فضول وعبث حرکت جائز نہیں ہے میں اپنے نفس سے تمام حرکات وسکنات کا محاسبہ (حساب لینا) کیا کرتا ہوں بھلا اس چہل قدمی کو کس حساب میں شمار کروں گا اسی طرح جس شئے کے اپنے نفس تک پہنچنے کے وسائل میں سے کسی ایک سبب کے اندر بھی کچھ معصیت خداوندی کو دخل ہو اس سے بھی پرہیز کرنا اس درجہ میں ضروری ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ جیل خانے میں قید تھے کسی نیک بخت عورت نے ان کو بھوکا پا کر اپنی حلال معاش میں سے کچھ کھانا پکایا اور داروغۂ جیل کے ہاتھ ان تک پہنچایا مگر شیخ نے قبول نہ کیا اور یہ کہہ کر اس کو واپس کر دیا کہ کھانا اگرچہ حلال ہے لیکن طباق نجس ہے طباق سے مراد جیل خانے کے داروغہ کا ہاتھ ہے کہ وہ ظالم ہے اور ظالم کا

ہاتھ پڑنے کی وجہ سے کھانا اس قابل نہ رہا کہ میں اس کو کھالوں حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ شہروں کی ان نہروں کا پانی بھی نہ پیتے تھے جن کو غیر محتاط اور ظلم پسند بادشاہوں نے کھدوایا تھا۔ ایک بزرگ کا غلام کسی فاسق شخص کے گھر سے چراغ روشن کرلایا تو انہوں نے بجھا دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندے کے چراغ سے روشن کیے ہوئے چراغ کی روشنی نفع اٹھانے کے لائق نہیں ہے۔

غرض ''قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ'' کے پورے عامل صرف یہی لوگ تھے کہ۔ ''کہو اللہ اس کے بعد سب کو چھوڑ دو۔'' انہوں نے کبھی ایسی چیز کا استعمال نہیں کیا جو اللہ واسطے نہ تھی یہ درجہ حاصل کرنا تو چونکہ آسان نہیں ہے اس لئے صرف ثقہ (بھروسہ کے) مسلمانوں کا تقویٰ تو ضرور حاصل کرو کہ ان چیزوں کے پاس نہ پھٹکو جن کی حرمت پر علمائے دین کا فتویٰ ہے۔

اس کے ساتھ دو باتوں کا اور بھی خیال رکھو۔

تمام حیلوں کا صحیح مطلب اور ان سے احتیاط کی ضرورت

پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض فقہاء نے مسائل شرعیہ کے متعلق جو حیلے بیان کیے ہیں ان کی جانب التفات نہ کرو مثلاً یہ حیلہ کہ سال ختم ہونے سے پہلے اپنا تمام مال اپنی بیوی کے نام اور بیوی کا سارا مال اپنے نام منتقل کرلیا کہ چونکہ مملوکہ مال سال بھر اپنی ملک میں نہیں رہا اس لئے زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی اس قسم کا حیلہ کبھی مت اختیار کرنا۔ بات یہ ہے کہ فقہائے شریعت کا کام چونکہ دنیوی انتظام و سیاست ہے اس لئے اس حیلہ کی صورت میں زکوٰۃ ساقط ہونے کا فتویٰ دینے سے ان کی مراد یہ ہے کہ دنیا کا منتظم اور حاکم وقت سلطان اسی مسلمان سے زکوٰۃ

کا مطالبہ کرے گا جس کا مال پورے سال بھر تک اس کے قبضۂ مالکانہ میں دیکھ لے گا اور اس حیلہ کرنے والے متمول (مالدار) مسلمان کے پاس سلطانی محصل تحصیل زکوٰۃ کے لئے نہیں آئے گا کیونکہ جتنی بات بندوں کے دیکھنے کے متعلق تھی یعنی مالکانہ قبضہ وہ ختم سال سے قبل بیوی کے نام منتقل ہو جانے کی وجہ سے جاتا رہا مگر تمہیں چونکہ معاملہ اپنے پروردگار سے رکھنا ہے اور وہ دلوں کے حالات سے واقف ہے اس لئے یہ مکروفریب آخرت میں کام نہ آئے گا تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ سے مقصود بخل کی عادت کا دور کرنا ہے اور جب زکوٰۃ تک سے بچنے کے حیلے کرنے لگو گے تو بخل کہاں دور ہوا بلکہ بخل کو تو سر چڑھا کر اپنا امام اور پیشوا بنا لیا کیونکہ اس کا یہاں تک کہنا مانا کہ اس بخل کو نجات دہندہ اور اللہ کے سامنے سرخرو کر دینے والا سمجھ بیٹھے تو اس صورت میں زکوٰۃ کا مقصود بالکل حاصل نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو مصلحت اس میں رکھی تھی اس کی جانب توجہ بھی نہیں کی اور برعکس معاملہ کیا کہ بخل کو دور کرنے کی جگہ اس میں ترقی کی۔

مثلاً مسلمان اپنی بیوی کو اس غرض سے تکلیف میں رکھتے ہیں کہ وہ تنگ آکر اپنا مہر معاف کر دے اور جب وہ بے چاری مصیبت سے گھبرا کر زبان سے معاف کرنے کا لفظ نکال دیتی ہے تو مطمئن ہو جاتے اور اس کو حلال سمجھتے ہیں بھلا ایسا مال شوہر کو کیوں کر حلال ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ" میں خود فرمایا ہے کہ ہاں وہ مہر جو عورتیں برضائے نفس معاف کر دے اور جب وہ بے چاری مصیبت سے گھبرا کر زبان سے معاف کر دیں تمہارے لئے حلال ہے اب تم ہی بتاؤ کہ جس مہر کی معافی برے برتاؤ اور ایذارسانی سے ہوئی ہو کیا وہ بخوشی خاطر سمجھی جائے گی۔

رضائے نفس و رضائے قلب کا لطیف فرق

یاد رکھو کہ رضائے قلب دوسری شئے ہے اور رضائے نفس دوسری چیز ہے مثلاً پچھنے لگوانے۔ تلخ دوا پینی۔ فصد کھلوانی۔ پھوڑے پھنسی میں شگاف لگوانا یہ سب تکلیفیں ایسی ہیں کہ ان کو قلب تو پسند کرتا ہے مگر نفس پسند نہیں کرتا۔ اس لئے کہ نفس تو اسی بات کو پسند کرتا ہے جس میں اس وقت لذت حاصل ہو البتہ قلب اس چیز کو پسند کرتا ہے جس میں اس وقت اگرچہ تکلیف ہو مگر آئندہ نفع کی امید ہو کیونکہ نفس کا یہ کام نہیں ہے کہ بعد میں آنے والی راحت کے خیال سے اس وقت تکلیف کو گوارا کرے پس اگر بیوی نے تکلیف سے تنگ آ کر اور خاوند کی ایذاؤں سے گھبرا کر اپنی آئندہ مصلحت اور باقی ماندہ عمر کی آسائش کے خیال سے دوائے تلخ پی لی یعنی دین مہر کی معافی گوارا بھی کر لی تو اس کا نام رضائے قلب ہوا نہ کہ رضائے نفس اور دین مہر کے حلال ہونے میں اعتبار رضائے نفس کا ہے جیسا کہ اوپر کی آیت سے معلوم ہوا نہ کے رضائے قلب کا بس اگر اس رضا کے حیلہ سے حکومت و سلطنت دنیوی میں کوئی شخص تقاضا کرنے والا نہیں رہا تو کیا اللہ کے سامنے بھی اس کی بدولت سرخرو ہو جاؤ گے؟ بتلاؤ! احکم الحاکمین (سب حاکموں سے بڑا حاکم) کو کیا جواب دو گے جب کہ رضائے قلب اور رضائے نفس سے بحث پیش ہو اور پوچھا جائے کہ ہماری اجازت کے خلاف حیلہ جوئی سے ایک بے کس اور ضعیفہ کا حق کیوں ہضم کیا؟

مجمع میں سوال کرنے کی قباحت اور ظاہری دینداری سے دنیا کمانے کی برائی

اسی طرح کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ کیونکہ

بھیک مانگنا بری بات ہے۔ اور اگر سخت ضرورت کے وقت سوال کرنے کی نوبت آئے تو اس کا ضرور خیال رکھو کہ مجمع میں سوال نہ کرو کیونکہ اکثر ایسی حالت میں دینے والا جو کچھ بھی تم کو دے گا وہ اپنے مجمع میں ذلت ورسوائی اور ہم چشموں میں سبکی کے خیال سے دے گا اور اس کو بخوشی خاطر دینا نہیں کہتے۔ پس ایسا دیا ہوا مال استعمال کے قابل نہیں ہے کیونکہ کسی کے بدن پر مار کر لینا یا کسی کے دل پر شرم اور دباؤ کا کوڑا مار کر لینا دونوں برابر ہیں۔

نیز اپنے دین کو ذریعہ کسب نہ بناؤ مثلاً صلحا فقراء کی سی صورت اس نیت سے بناؤ کہ ہمیں بزرگ سمجھ کر لوگ دیں گے حالانکہ تم بالکل کورے ہو اور تمہارا دل گندگی سے آلودہ ہے یاد رکھو کہ دوسرے کا دیا ہوا مال تمہیں اس وقت حلال ہے جب کہ تمہاری چھپی ہوئی حالت ایسی نہ ہو کہ اگر دینے والا اس سے آگاہ ہو جائے تو ہرگز نہ دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر تم نے صورت بزرگوں کی سی بنائی اور تمہارے دل میں خواہشات نفسانی کا ہجوم ہے اور ظاہر ہے کہ دینے والے نے جو کچھ تم کو دیا ہے وہ صرف تمہاری صورت دیکھ کر دیا ہے کہ اس کو تمہاری باطنی گندگی کی بالکل خبر نہیں ہے تو اگرچہ علمائے شریعت جو ظاہری انتظام کے متکفل (ذمہ دار) ہیں اس مال کو حلال بتلائیں گے۔ مگر صاحب بصیرت (دانا) ضرور حرام کہے گا اور اس کو استعمال میں لانے کی ہرگز اجازت نہ دے گا۔

قلب سے فتویٰ لینے کی ضرورت

دوسری بات جس کا خیال رکھنا ضروری ہے یہ ہے کہ علماء کے فتویٰ پر اکتفاء نہ کیا کرو بلکہ اپنے دل سے بھی پوچھا کرو کہ اس

معاملہ میں دل کیا کہتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''تم اپنے دلوں سے بھی فتوے لیا کرو اگر چہ مفتی فتوے دے چکیں۔'' بات یہ ہے کہ گناہ مسلمان کے دل میں ضرور چبھا کرتا ہے کیونکہ جو چیز ضرر پہنچانے والی ہوگی وہ دل میں کھٹکے بغیر نہ رہے گی۔ پس جو شئے درحقیقت حرام ہوگی یا جو کام فی الواقع گناہ ہوگا اس کو تمہارا دل بے کھٹکے ہرگز قبول نہ کرے گا۔ اور ہر چیز کی اصلیت اس طرح پر دل کے فتوے سے معلوم ہو جایا کرے گی۔

نفس کو تشدد سے بچانا چاہیے

نفس پر زیادہ تشدد بھی نہ کرو مثلاً کہنے لگو کہ ایسا مال کہاں ہے جو مشتبہ بھی نہ ہو اور کسی ظالم یا فاسق کے ہاتھ میں نہ ہو کر آیا ہو؟ اور جب ایسا مال نہیں مل سکتا تو یا تو انسان جوگی بن کر گھاس پات کھانے پر قناعت کرے اور ایسا نہ کر سکے تو بے باک ہو کر جو چاہے کھائے پیئے ایسا خیال کرنا گمراہی ہے بات یہ ہے کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے بین بین (بیچ بیچ) کی چیزیں مشتبہ کہلاتی ہیں مگر تم کو صرف اتنی تکلیف دی گئی ہے کہ جو مال شرعاً حلال ہے اور اس کے حرام اور نجس ہونے کا کوئی ظاہری سبب تم کو معلوم نہیں ہے اس کو حلال سمجھ کر کھاؤ پیو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مشرک آدمی کے مشکیزہ سے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عیسائی عورت کے گھڑے سے وضو کیا اور پیاس ہوتی تو پی بھی لیتے اس سے معلوم ہو گیا کہ خواہ مخواہ وہم کرنا کہ اللہ جانے یہ پانی پاک ہے یا ناپاک جائز نہیں ہے۔

عارض کی تحقیق نہ ہونے پر اصل پر عمل کرنا چاہیے

جب پانی کے ناپاک ہونے کی بظاہر کوئی وجہ تم کو معلوم نہیں ہے تو اس کو پاک ہی سمجھنا چاہیے اسی طرح جو حلال شئے کسی ایسے آدمی کے ہاتھ میں پاؤ جس کا حال تم کو معلوم نہ ہو تو اس کو پاک سمجھو اور مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن (اچھا گمان) رکھو اور یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کے پاس جو کچھ مال ہے حلال اور پاک ہی کمائی کا ہوگا اس کی دعوت بھی قبول کرلیا کرو۔ خصوصاً جب کہ مسلمان صالح اور دیندار ہو۔ ہاں البتہ ظالم بادشاہ یا سود خور یا شراب بیچنے والے شخص کا مال جب تک یہ نہ پوچھ لو کہ کس حلال طریقہ سے کمایا ہے حلال نہ سمجھو پس اگر تحقیق کے بعد معلوم ہو جاوے کہ سود یا ظلم کی کمائی اور شراب کی قیمت نہیں ہے تو اس کا لے لینا بھی حرام نہیں ہے اور اگر کسی کے پاس غالب حصہ حلال آمدنی کا ہے اور کم حصہ حرام کا تو اس کا کھانا بھی حلال ہے البتہ اگر نہ کھاؤ تو تقویٰ ہے حضرت شیخ ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کے کارندہ متعینہ بصرہ نے بذریعہ خط کے ان سے دریافت کیا تھا کہ جو شخص ظالم بادشاہ سے داد و دہش (لین دین) رکھتا ہو مجھے اس سے لین دین کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو شیخ نے لکھا کہ اگر اس شخص کا اس کے علاوہ اور بھی کوئی ذریعہ کسب ہو تو اُس سے معاملہ کرنا جائز ہے ورنہ نا جائز۔

غرض دنیا میں چھ قسم کے آدمی ہیں اور ہر ایک کے ساتھ معاملہ کا جدا حکم ہے۔ جس کو ہم نمبر وار بیان کرتے ہیں۔

مال کی حلت وحرمت کی شناخت

پہلی قسم: وہ آدمی جن کی صورت کسب اور دینداری اور بددینی کا حال کچھ بھی معلوم نہیں ہے ایسے لوگوں کا دیا ہوا مال حلال ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری نہیں ہے البتہ احتیاط کے خیال سے نہ کھایا جائے تو تقویٰ میں داخل ہے۔

دوسری قسم: وہ صلحاء جن کی دینداری کھلی ہوئی اور کمائی کا مشروع طریقہ ظاہر ہے ان کے مال میں شبہ کرنا وسوسہ شیطانی ہے بلکہ اگر ان کو اس کے پرہیز کرنے سے رنج ہو تو ایسا تقویٰ بھی حرام اور معصیت ہے۔

تیسری قسم: وہ لوگ جن کا سارا مال یا نصف سے زیادہ مال ظلماً یا سود یا شراب کی بیع وشراء سے حاصل ہوا ہے ان کا دیا ہوا مال یقیناً حرام ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

چوتھی قسم: وہ لوگ جن کا نصف سے کم مال حرام کے ذریعہ سے کمایا ہوا ہے اور تمہیں معلوم بھی ہے کہ زیادہ مقدار کسب حلال ہی کی ہے مثلاً دو ذریعہ تو حلال کے ہیں ایک یہ کہ وہ کوئی مشروع تجارت کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ ترکہ میں کچھ جائیداد پائے ہوئے ہے جس کی آمدنی اس کو ملتی ہے اور ایک ذریعہ حرام ہے مثلاً کسی ظالم بادشاہ کا نوکر ہے اور تنخواہ لیتا ہے مگر اس ایک ذریعہ کی نسبت ان دو ذریعوں کی آمدنی زیادہ ہے تو چونکہ اس کے پاس زیادہ مال حلال ہے اس لئے کثرت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے دئے ہوئے مال کو حلال ہی سمجھا جائے گا البتہ اس سے پرہیز کرنا تقویٰ میں شمار ہوگا۔

پانچویں قسم: وہ لوگ ہیں جن کے کسب کا ذریعہ اگرچہ معلوم نہیں

ہے۔ مگر ظلم وتعدی کی علامتیں ان پر نمایاں ہیں مثلاً جابر حکام کی سی شکل ولباس اور وضع اختیار کیے ہوئے ہیں تو چونکہ یہ ظاہری حالت یوں بتارہی ہے کہ ان کا مال بھی ظلماً ہی حاصل ہوا ہوگا لہٰذا اس سے احتیاط کرنی چاہیے اور اس کو تفتیش کیے بغیر حلال نہ سمجھو۔

چھٹی قسم: وہ لوگ ہیں جن پر علامت ظلم تو کوئی نمودار نہیں ہے البتہ فسق وفجور (گناہ گاری ڈھکی چھپی فسق اور کھلم کھلا فجور ہے) کے آثار نمایاں ہیں مثلاً ڈاڑھی منڈی ہوئی ہے یا مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں یا فحش بک رہا اور گالیاں دے رہا ہے یا اجنبی عورت کی طرف دیکھ رہا ہے یا اس سے باتیں کر رہا ہے تو اگرچہ یہ فعل سب حرام ہیں مگر مال کے حاصل کرنے میں چونکہ ان کو کچھ دخل نہیں ہے لہٰذا مال کو حرام نہیں سمجھا جائے گا پس اگر تم کو معلوم ہو کہ یہ مال اس نے ترکہ پدری میں پایا ہے یا کسی حلال ذریعہ سے کمایا ہے تو اس کو حلال سمجھو۔ دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک کے پانی کو نجس نہیں سمجھا پس جب مجوسیت (آتش پرستی) اور نصرانیت (عیسائیت) کے سبب پانی مشتبہ یا ناپاک نہیں ہوا تو مسلمان کا مال محض اس کے فسق وفجور کی وجہ سے کیسے ناپاک ہو سکتا ہے البتہ اگر اس کے مال کا حلال ذریعہ کسب بھی تم کو معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس مال کے استعمال میں تامل اور احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔

اس تشریح کے بعد پھر ہم یہی کہتے ہیں کہ اپنے دل سے بھی فتویٰ لے لو اور جس مال سے دل کھٹکے اس کا ہرگز استعمال نہ کرو البتہ یہ ضرور دیکھ لو کہ دل کے فتویٰ پر عمل کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے سے اس شخص کو رنج تو نہ ہوگا۔

جس تفتیش سے مسلمانوں کو ایذاء پہنچے وہ حرام ہے

پس اگر رنج کا اندیشہ ہو تو ایسا تقویٰ کرنا بھی جائز نہیں ہے مثلاً کسی نامعلوم الحال مسلمان نے کوئی چیز ہدیۃً تمہیں دی یا تمہاری دعوت کی اور تم نے تقویٰ کی بناء پر اس کے مال کی تفتیش شروع کردی تو ظاہر ہے کہ یا تو خود اسی سے پوچھو گے یا اس سے خفیہ دوسرے لوگوں سے تحقیق کرو گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر اس سے پوچھا تو اس کو ضرور رنج ہوگا یا اگر دوسروں سے پوچھا اور اس کو خبر ہوگئی تو مسلمان کو رنج پہنچانے کے علاوہ مسلمان کے ساتھ بدگمانی رکھنے اور بعض دفعہ غیبت اور تہمت میں مبتلا ہونے کا بھی اندیشہ ہے اور یہ سب حرام ہیں اور تقویٰ کا چھوڑنا حرام نہیں ہے پس ایسے موقع پر اس مسلمان کا دل خوش کرنا واجب ہے۔

دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا وہ کھانا جو کسی مسلمان نے ان کو صدقہ دیا تھا بے تامل کھا لیا اور صدقہ دینے والے کے مال اور حال کا تجسس نہ فرمایا البتہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے تو شروع شروع میں جو چیز آپ کی نذر کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ضرور پوچھ لیا کہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اور یہ بھی صرف اس وجہ سے کہ صدقہ کا مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال نہ تھا اور اس سوال میں اس کو رنج یا ایذا بھی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ صدقہ اور ہدیہ دونوں کی ایک ہی صورت ہے صرف دینے والے کی نیت اور محل و مصرف کا فرق ہوتا ہے باقی اس سے زیادہ تفتیش نہیں فرمائی کہ کس طرح اور کہاں سے حاصل کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جو مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت

(دعوت) کرتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا تامل قبول فرما لیتے اور کہیں منقول نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا ہو کہ تمہارا مال کس ذریعہ سے حاصل ہوا ہے البتہ شاذ ونادر کسی غالب شبہ کے موقع پر تحقیق حال فرمائی ہے۔

بازار کی چیزوں میں اصل حلت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سفر میں بازار سے تمام ضروریات کی چیزیں کھاتے اور خریدتے تھے حالانکہ یہ بھی جانتے تھے کہ سود اور لوٹ اور مال غنیمت میں خیانت کیے ہوئے مال بھی بازاروں ہی میں فروخت ہوتے ہیں مگر ان توہمات کی طرف کبھی توجہ نہیں فرمائی بلکہ غالب اور کثرت کی بناء پر بازار میں فروخت ہونے والے سارے مال کو تفتیش وتحقیق کے بغیر حلال سمجھا۔ اسی طرح تم بھی بازار کی چیزوں کو حرام نہ سمجھو البتہ اگر ناجائز اور حرام طریقہ سے حاصل کی ہوئی چیزیں کسی شہر یا بازار میں بکثرت فروخت ہونے لگیں تو اس وقت تفتیش وتحقیق حال کے بغیر خریدنا اور استعمال میں لانا بے شک جائز نہیں ہے۔

❊❊❊❊❊

آٹھویں اصل

مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت
اور
ان کے ساتھ نیک برتاؤ کا بیان

تمام مخلوق کے ساتھ حسن معاشرت

تمام مخلوق عمر کی کشتی پر سوار ہو کر دنیا کا سفر ختم کر رہی ہے اور دنیا ایک مسافر خانہ ہے اس لیے آخرت کے مسافروں یعنی مسلمانوں کا اپنی سرائے کے ہم جنس مسافروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا بھی دین کا ایک رکن ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی تین حالتیں ہوتی ہیں کیونکہ یا تو مجرد اور تن تنہا ہوگا اور یا اہل وعیال اور دوست واحباب وغیرہ سے تعلقات رکھتا ہوگا اور یا بین بین (بیچ بیچ) حالت ہوگی کہ تعلق تو ہوگا مگر صرف اقرباء اور رشتہ داروں یا پڑوسیوں سے ہوگا عام مخلوق سے نہ ہوگا پس تینوں حالتوں کے حقوق اور حسن سلوک سے تم کو واقف ہونا چاہیے جن کو ہم جدا جدا بیان کرتے ہیں۔

تجرد کی حالت

پہلی حالت میں چونکہ آدمی کو صرف اپنی ذات سے تعلق ہے اس لئے اپنے نفس کی اصلاح اور اس خدائی لشکر کے حقوق ادا کرنے ضروری ہیں جو اس عالم اصغر (چھوٹا سا جہان) یعنی انسان میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں اور چونکہ اس جگہ ہمیں اختصار مقصود ہے

اس لیے جسم انسان میں خدائی لشکر کے صرف سرداروں کا تذکرہ کرتے ہیں اور متنبہ (ہوشیار) کئے دیتے ہیں کہ ہر مجرد و تنہا مسلمان کو بھی ان کی حفاظت اور نگہداشت ضروری ہے۔

بحالت تجرد اپنی ذات کے متعلق حقوق

جان لو کہ تمہارے اندر ایک خواہش پیدا کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے تم ہر مفید اور پسندیدہ مرغوب شئے کو حاصل کرنے کی سعی کرتے ہو اور ایک غصہ پیدا کیا گیا ہے۔ جس کے ذریعہ سے تم ہر مضر اور مکروہ چیز کو دفع کرنے کی کوشش کرتے ہو اور تیسری چیز عقل پیدا کی گئی ہے اس سے تم اپنے معاملات کا انجام سوچتے اور اپنی رعیت کی حفاظت کرتے ہو پس غصہ کو کتا سمجھو اور خواہش کو گھوڑا اور عقل کو بادشاہ۔ اس کے بعد معلوم کرو کہ یہ تینوں قوتیں تمہاری ماتحت بنائی گئی ہیں۔ کہ ان میں عدل و انصاف کرنا اور اس قدرتی سپاہ سے بدلے کر ابدی (ہمیشہ کی) سعادت حاصل کرنا تمہارا فرض ہے پس اگر تم کتے کو مہذب اور گھوڑے کو شائستہ کر کے بادشاہ عقل کا مطیع و فرماں بردار بنائے رکھو گے اور عدل کا حق ادا کرو گے تو ضرور مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔

تہذیبِ نفس اور اس پر ظلم یا انصاف کی حقیقت

اگر محکوم کو حاکم کی مسند پر بٹھا دیا اور حاکم بادشاہ کو تابعدار غلام بنا دو گے تو انصاف کھو بیٹھو گے اور ظالم کہلاؤ گے کیونکہ کسی شئے کا بے محل رکھنا ہی تو ظلم کہلاتا ہے لہٰذا جب خواہش نفسانی کوئی چیز حاصل کرنا چاہے یا غصہ کسی شئے کو دفع کرنا چاہے تو عقل سے سوچا کرو کہ اس کا انجام کیا ہے؟ اگر انجام اچھا ہو تو عقل کو چاہیے کہ اس کام کے

کرنے کی ان کو اجازت دے دے۔ اور اگر انجام برا دیکھے تو ہرگز اجازت نہ دے بلکہ اپنے ماتحت غلاموں سے اس کو پکڑوائے مثلاً نفس اگر بے جا خواہش کرتا ہے تو غصہ کو اس پر حملہ کرنے کا حکم دے کہ وہ اس بدخواہ نادان خادم کو پابہ زنجیر کردے اور اگر غصہ بھڑکنا اور بے راہ چلنا چاہے تو شہوت کا اس پر حملہ کرا دے کہ وہ اس کو ٹھنڈا کردے اور اس کا خیال پورا نہ ہونے دے اور اگر تم نے اپنی عقل سے دریافت ہی نہیں کیا یا دریافت کیا مگر اس کے حکم کی سماعت واطاعت (سن لینا اور فرماں برداری کرنا) نہ کی بلکہ اس کو خادم وتابعدار غلام بنالیا کہ شہوت وغصہ جو کچھ کرنا چاہیں عقل ان کی ہاں میں ہاں ملاکر ان کا منشا پورا کرنے میں حیلے اور تدبیریں سوچے تو گویا تم نے قدرتی سپاہ میں ادل بدل کر دیا اور جس میں عدل وانصاف رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا ان میں ظالمانہ کارروائی کی۔ پس قیامت کے دن جب تمام اعراض ٭ کو اجسام عطا کیے جائیں گے اور شہوت نفسانی کو گھوڑے کی اور غصہ کو کتے کی صورت مرحمت ہوگی اور عقل شاہانہ لباس پائے گی تو اس وقت یہ راز کھل جائے گا اور تم کہو گے۔ ہائے افسوس ہم نے کیسا ظلم کیا کہ بادشاہ کو کتے اور گھوڑے کے سامنے سربسجود رکھا۔ کاش! شکاری مرد کی طرح اس کتے اور گھوڑے کو بوقت ضرورت کام میں لاتے کہ بے موقع نہ ان کو بھگاتے اور نہ خلاف عقل ان سے کوئی کام لیتے اور نہ عقل کی ماتحتی سے ان کو باہر نکالتے بلکہ ان کو عقل کا ایسا تابعدار بنائے رکھتے کہ جہاں وہ چاہتی وہاں ان سے کام لیتی ورنہ بے کار اپنی جگہ پر

٭ (وہ چیزیں جو کسی کے تابع ہو کر موجود ہوتی ہیں خود بخود نہیں مثلاً رنگ وروپ' اعمال' غصہ' حلم وغیرہ)

پڑے رہتے گویا ہیں ہی نہیں۔

مخلوق کے حقوق کی نگہداشت اور اس کا علاج

دوسری حالت یعنی جب تم کو عام مخلوق سے تعلق ہو تو اس وقت اس کا ضرور لحاظ رکھو کہ مخلوق کو تم سے کسی قسم کی ایذا نہ پہنچے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے اللہ کی مخلوق محفوظ رہے'' اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مخلوق کو نفع پہنچاؤ اور اس سے بھی اعلیٰ درجہ صدیقین کا ہے کہ جن سے ایذا اٹھاؤ ان کے ساتھ سلوک اور احسان کرو کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ ''اے علی (رضی اللہ عنہ)! اگر صدیقین کا درجہ حاصل کرنا چاہو تو جو تم سے قطع تعلق کرنا چاہے تم اس سے تعلق رکھو اور جو تم پر ظلم کرے تم اس کے ساتھ سلوک کرو۔''

مخلوق کے حقوق قائم رکھنے میں درج ذیل بیس باتوں کا لحاظ رکھو جن کی تفصیل یہ ہے

1. جو کچھ اپنے لیے بہتر سمجھو وہی دوسروں کے لیے بہتر سمجھو کیونکہ حدیث میں ایسے شخص کے لیے بشرطیکہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو جائے جہنم سے محفوظ رہنے کی بشارت آئی ہے۔
2. ہر کسی کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ مغرور اور متکبر کو پسند نہیں کرتا۔ پس اگر کوئی دوسرا شخص تمہارے ساتھ تکبر سے پیش آوے تو اس کو برداشت کر جاؤ۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نصیحت فرماتا ہے کہ ''عفو کی خصلت اختیار کرو' بھلائی کی ترغیب دو اور جاہلوں سے پہلو تہی کرو۔''

3 بڑوں کی تعظیم کرو اور چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ''کہ جو نوجوان کسی بوڑھے کی تعظیم اس کے بڑھاپے کی وجہ سے کرے گا تو اس جوان کے بڑھاپے کی حالت میں اللہ تعالیٰ اس کی تعظیم کرنے والا شخص پیدا فرمائے گا۔'' اس حدیث میں اشارۃً درازی عمر کی بھی بشارت آگئی ہے کہ اس کو بوڑھا ہونا نصیب ہوگا۔

4 ہر شخص کے ساتھ خندہ پیشانی (ہنس مکھ) سے پیش آؤ کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کو دوزخ سے بچنے اور اللہ کے محبوب ہونے کی بشارت دیتے ہیں۔

5 دو مسلمانوں میں رنجش ہو جائے تو صلح کرادو۔ شریعت میں ایسے موقع پر تالیف قلوب کی وجہ سے بضرورت جھوٹ بولنے تک کی اجازت آئی ہے اور شرعاً اس کا درجہ نفل نماز اور روزہ سے بھی افضل ہے۔

6 جو لوگ ایک کی دوسرے سے چغلی کھاتے ہیں یا ادھر کی اُدھر لگا کر مسلمانوں میں باہم رنجش پیدا کرتے ہیں ان کی بات ہرگز نہ سنو کیونکہ وہ اپنا دین برباد اور جہنم میں جانے کا سامان کر رہے ہیں۔

7 تمہاری کسی سے اگر رنجش ہو تو تین دن سے زیادہ علیحدگی مت رکھو، کیونکہ اگر تم مسلمان کی خطاء سے درگذر کروگے تو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائیں گے۔

8 سلوک اور احسان کرتے وقت اہل اور نا اہل مت دیکھا کرو کیونکہ اگر کوئی نا اہل بھی ہو تو تم اس کے ساتھ کیوں نا اہل بنتے ہو۔ سلوک کے لیے تو تمہارا اہل ہونا کافی ہے۔

9 لوگوں سے ان کی حالت کے موافق برتاؤ کیا کرو۔ یعنی جاہل میں اس

کمال اور تقویٰ کو مت ڈھونڈو جو علماء میں ہوا کرتا ہے۔ اور عوام کی طبیعتوں میں خواص کی سی سمجھ اور سلیقہ کی توقع مت رکھو کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ الٰہی وہ طریق بتلادے جس سے مخلوق بھی مجھ سے محبت کرے اور آپ بھی راضی رہیں تو حکم ہوا کہ اے داؤد (علیہ السلام)! دنیا داروں سے ان کی حالت کے موافق برتاؤ کرو اور دینداروں سے ان کے حال کے مطابق۔

10 برتاؤ کے وقت لوگوں کے مرتبوں کا بھی لحاظ رکھو یعنی اگر کوئی دنیا دار باعزت آدمی تمہارے پاس آجائے تو اس کی عظمت کرو۔ دیکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دنیادار (یہ جریر ابن عبداللہ تھے) ذی عزت کے لیے چادر مبارک بچھادی اور یوں فرمایا ہے کہ جب کسی قوم کا کوئی بڑا شخص تمہارے پاس آیا کرے تو اس کی عزت کیا کرو۔

11 مسلمانوں کے عیب ہرگز ظاہر نہ کرو کیونکہ پردہ پوشی کرنے والے جنت میں جائیں گے غیبت بھی نہ کرو اور کسی کے عیب کی ٹوہ میں بھی نہ رہو یاد رکھو کہ اگر آج تم کسی مسلمان کی عیب جوئی کرو گے تو کل کو اللہ تعالیٰ تمہارا عیب ظاہر فرما کر رسوا کر دے گا اور جس کو وہ رسوا کرے پھر اس کو امان کہاں؟

12 تہمت کی جگہ سے بھی بچو ورنہ لوگ بدگمان ہوں گے اور تمہاری غیبت کیا کریں گے اور چونکہ ان کی غیبت میں مبتلا ہونے کا سبب تم بنے ہو کہ نہ تہمت کے موقع پر تم جاتے اور نہ ان کو غیبت کا موقع ملتا لہٰذا گناہ تم پر بھی ہوگا اس لیے کہ گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ دروازۂ مکان پر کھڑے ہوئے کچھ باتیں کر رہے تھے کسی شخص کا اس جانب گذر ہوا چونکہ موقع تہمت کا تھا اس لئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً آواز دے کر اس شخص سے فرمایا اے شخص! جس عورت سے میں باتیں کر رہا ہوں یہ میری بیوی صفیہ (رضی اللہ عنہا) ہے اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توبہ ہے کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بھی بدگمانی ہو سکتی ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تعجب ہی کیا ہے شیطان تو بنی آدم کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے ہے یعنی شاید تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرتا اور وہ تمہاری بربادی کا سبب بنتا اس لیے مجھے اطلاع دینی ضروری ہوئی۔

13 مسلمانوں کی حاجت روائی میں کوشش کیا کرو حدیث میں آیا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کسی کو کچھ دینے دلانے میں تاخیر کرتے اور یوں فرماتے تھے کہ میں صرف اس وجہ سے جلدی حکم نہیں دیتا کہ تم کو سفارش کرنے کا موقع مل جائے اور تم زبان سے کلمۃ الخیر نکال کر ثواب حاصل کر لو۔ مسلمانوں کی حاجت روائی میں سعی کرنا بہر حال نافع ہے خواہ تمہاری کوشش سے اس کی حاجت پوری ہو یا نہ ہو۔ حدیث میں اس سعی کا اجر و ثواب سال بھر کے اعتکاف سے زیادہ آیا ہے۔

14 ہر مسلمان سے سلام وعلیک اور مصافحہ میں پیش قدمی کیا کرو حدیث میں آیا ہے کہ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو رحمت خداوندی کے ستر حصوں سے انہتر حصے تو اس کو ملتے ہیں جس نے مصافحہ میں ابتداء کی ہے اور ایک حصہ دوسرے کو۔

15 مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں بھی اس کی مدد کرو یعنی اس کی آبرو یا مال پر اگر دھبہ یا نقصان آئے تو اس کو مٹادو کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جہاں

کسی مسلمان کی آبروریزی ہو رہی ہو تو جو مسلمان ایسے وقت میں اس کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کے وقت اس کی مدد فرمائے گا اور جو مسلمان اس کی کچھ پرواہ نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی اعانت کے موقع پر اس کی کچھ پرواہ نہ کرے گا۔

16 شریر لوگوں سے بھی اس نیت سے مدارات کرلیا کرو کہ اس طرح پر ان کے شر سے محفوظ رہو گے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اچھا آنے دو برا شخص ہے'' جب وہ اندر آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نرمی و ملاطفت کے ساتھ اس سے باتیں کیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بڑی قدر کرتے ہیں جب وہ چلا گیا تو میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ پوچھی تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدتر شخص قیامت کے دن وہ ہے جس کی بدی سے بچنے کے لیے لوگ اس کو چھوڑ دیں نیز حدیث میں آیا ہے کہ جس طریقے سے بھی انسان اپنی آبرو بچائے وہ صدقہ میں شمار ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ہے کہ لوگوں سے ان کے اعمال کے موافق میل جول رکھو۔ البتہ بدکاروں کو دل میں جگہ نہ دو۔

17 زیادہ تر مسکینوں کے پاس اٹھو بیٹھو اور امراء کی صحبت سے پرہیز کرو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ ''بار الہا میری موت و حیات مسکنت ہی کی حالت میں رکھیو اور مسکینوں ہی کی جماعت میں میرا حشر فرمائیو'' حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود اس جاہ و اقتدار کے جب کبھی مسجد

میں کسی مسکین کو بیٹھا دیکھتے تو اس کے پاس بیٹھ جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ مسکین اپنے ہم جنس مسکین کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ یا اللہ! میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں؟ تو حکم ہوا کہ شکستہ دل لوگوں کے پاس۔

18 حتی الامکان انہی کے پاس بیٹھو جن کو دینی فائدہ پہنچا سکو یا جن سے دین کا کچھ نفع حاصل کر سکو اور غفلت والوں سے علیحدہ رہو کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "برے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے نیک بخت ہم نشین بہتر ہے۔" یہ خیال کرو کہ اگر تم ایسے شخص کے پاس آتے جاتے رہو جو ہر دفعہ تمہارے کپڑے کا ایک تار یا ڈاڑھی کا ایک بال نوچ لیا کرے تو ضرور تم کو اندیشہ ہوگا کہ اس طرح پر تو عنقریب کپڑا ختم اور ڈاڑھی ندارد ہو جائے گی اور تم اس کے پاس آمد و رفت ترک کر دو گے پس اسی طرح جس کی صحبت میں حبہ برابر بھی دین کی کمی ہو تو اس سے پرہیز کرو ورنہ تھوڑا تھوڑا ہو کر ایک دن سارا دین برباد ہو جائے گا۔

19 مسلمان بھائی اگر بیمار ہو تو اس کی عیادت کیا کرو اور انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ اور اس کے بعد بھی کبھی کبھی گورستان میں ان کی قبر پر ہو آیا کرو اور ان کے لیے ایصال ثواب اور استغفار و طلب رحمت کرتے رہا کرو۔

20 اگر ان کو چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہو اور اگر وہ تم سے کسی بات میں مشورہ کریں تو نیک صلاح دیا کرو۔

الغرض جو اہتمام اپنے نفس کو نفع پہنچانے اور ضرر سے بچانے کا کر سکتے ہو وہی عام مسلمانوں کے لیے ملحوظ رکھو۔

متعلقین اور اقارب کے حقوق

خاص متعلقین سے برتاؤ میں نسبی (جو نکاح سے ہوں) اور صہری رشتہ دار یعنی بیوی بچے، ماں باپ، اور ہمسایہ، غلام، نوکر، چاکر سب متعلقین میں داخل ہیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "قیامت کے دن سب سے پہلے جن کا مقدمہ پیش ہوگا وہ ہمسایہ ہوں گے"۔ لہٰذا پڑوس کے حقوق کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے کیونکہ ہمسایہ کے پلے ہوئے کتے کے اگر ڈھیلا بھی مارو گے تو ہمسایہ کے ایذا رساں سمجھے جاؤ گے ایک عورت نہایت پارسا تھی مگر اس کے پڑوسی اس سے نالاں رہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوزخی فرمایا ہے۔

پڑوس کے حقوق

ایک مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ جانتے بھی ہو ہمسایہ کے کتنے حقوق ہیں؟ اگر ہمسایہ مدد چاہے تو مدد کرو۔ اور قرض مانگے تو قرض دو اگر تنگ دست ہو جائے تو سلوک کرو اگر بیمار پڑ جائے تو عیادت کرو اور انتقال کر جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ اگر اس کو کوئی خوشی حاصل ہو تو مبارک باد دو اور رنج پہنچے تو تسلی دو۔ اس کی اجازت کے بغیر اپنا مکان اتنا اونچا نہ بناؤ کہ اس کو خاطر خواہ ہوا نہ پہنچ سکے۔ اگر کوئی پھل خرید لاؤ تو اس میں سے بقدر مناسب اس کو بھی دو اور اگر نہ دے سکو تو چپکے سے گھر میں لے آؤ۔ تاکہ دیکھ کر اس کو حرص نہ ہو اس کے بعد مناسب ہے کہ تمہارا بچہ بھی پھل لے کر باہر نہ نکلے کیونکہ ہمسایہ کے بچہ کو حرص ہوگی تو اس کو رنج ہوگا اسی طرح اگر ہانڈی چڑھے تو ایک چمچہ پڑوسی کو بھی پہنچاؤ جانتے ہو کہ پڑوسی کا حق کس قدر ہے بس یہ سمجھ لو

کہ پڑوسی کے حقوق وہی پورے کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو۔

قرابت داری کے حقوق

قرابت داری کے بھی حقوق کا لحاظ رکھو کیونکہ رحم جس کے معنی قرابت کے ہیں رحمن سے مطابقت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص رحم سے میل رکھے گا میں اس سے میل رکھوں گا اور جو اس سے قطع تعلق کرے گا میں اس سے قطع تعلق کروں گا۔ صلہ رحمی (رشتہ داری باقی رکھنا) کرنے والے کی عمر میں برکت ہوتی ہے جنت کی خوشبو جو پانچ سو برس کی مسافت سے آتی ہے وہ قاطع رحم (رشتہ داری کو قطع کرنے والا) کو ہر گز نہ آئے گی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ماں باپ کی خدمت کرنا نماز، روزہ، حج وعمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہے اور ماں کا حق باپ کی بہ نسبت دوچند ہے۔ حدیث میں حکم ہے کہ جو کچھ دینا ہو ساری اولاد کو مساوی دیا کرو۔ (یعنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بقاعدہ وراثت)۔

خادم کے حقوق

غلاموں کے بارہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان کے متعلق اللہ سے ڈرو اور جو کچھ خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ اور جو تم پہنو وہی ان کو بھی پہناؤ تحمل سے زیادہ ان سے کام نہ لو اور یہ سمجھو کہ صاحب قدرت خدا نے ان کو تمہارا غلام بنا دیا ہے اگر وہ چاہتا تو تم کو ان کا غلام بنا دیتا جب کھانا لا کر تمہارے سامنے رکھے تو چونکہ آگ کی تپش اور دھوئیں کی کلونس اسی نے برداشت کی اور تمہیں ان تکلیفوں سے بچایا ہے اس لیے اس کی دلداری کرو اور اس کو شفقت کے ساتھ اپنے پاس بیٹھا کر کھلاؤ یا کم سے کم ایک لقمہ اس کے ہاتھ پر رکھ دو اور پیار کے لہجے میں کہو کہ کھالو ایسا کرنے سے اس کا دل خوش ہو جائے گا اور تمہاری عزت میں فرق نہ آئے گا اگر وہ کوئی

خطا کر بیٹھے تو درگذر کرو اس کو غرور اور حقارت کی نظر سے مت دیکھو۔

بی بی کے حقوق

بی بی کے حقوق چونکہ غلام سے کئی حصے زیادہ ہیں۔ لہذا بی بی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرو اور حسن معاشرت و خوش کلامی سے برتاؤ کرو کیونکہ بیبیوں کے ساتھ نیک برتاؤ رکھنے والوں کے بڑے درجے ہیں دیکھو مقتدائے امت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ کیسی خوش طبعی اور دلجوئی اور محبت و نرمی کا برتاؤ فرماتے تھے۔ حدیثوں میں حسن معاشرت کی بڑی تاکید آئی ہے۔

فصل

دینی دوست بنانے کی فضیلت اور حب فی اللہ کے درجے

انہی اصول میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ اپنے لیے کچھ دینی دوست تجویز کر لو جن سے محض اللہ ہی کے واسطے محبت ہو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آواز دے گا ”کہاں ہیں وہ جو خاص میرے واسطے باہم محبت رکھتے تھے۔ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہیں ہے میں ان کو اپنے سایہ میں لے لوں گا“۔ حدیث میں آیا ہے کہ ”عرش کے گرد نور کے ممبر ہیں جن پر ایک جماعت بیٹھے گی جن کے لباس اور چہرے سرتاپا نور ہوں گے اور وہ لوگ نہ نبی ہیں نہ شہید مگر انبیاء و شہداء ان کی حالت پر رشک ✻ کریں گے“۔ صحابہ رضی

✻ رشک کبھی بڑے کو چھوٹے پر بھی ہوتا ہے جیسے حاکم اعلیٰ کہ معائنۂ تحصیل کے وقت چپڑاسی کی بے فکری اور اپنی ذمہ داری دیکھ کر تحصیل دار کو اس پر رشک ہوتا ہے اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کے فکر میں مشغول ہوں گے اور یہ لوگ ان سے چھوٹے درجہ میں ہونے کی وجہ سے ان فکروں سے آزاد ہوں گے۔

اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے مخلص بندے جو باہم اللہ کے واسطے محبت کرتے اور اللہ کے واسطے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے اٹھتے اور آتے جاتے ہیں۔

یادرکھو کہ ایمان کے بعد اللہ کے واسطے محبت کا مرتبہ ہے

اس میں دو درجے ہیں

حُبّ فی اللہ **پہلا درجہ** : یہ ہے کہ تم کسی شخص سے اس بنا پر محبت کرتے ہو کہ دنیا میں تم کو اس کے ذریعہ سے ایسی چیز حاصل ہے جو آخرت میں مفید ہے مثلاً شاگرد کو اپنے استاد کے ساتھ علم دین حاصل کرنے کی وجہ سے محبت ہے اور مرید کو اپنے مرشد سے راہ طریقت معلوم کرنے کے سبب محبت ہے بلکہ استاد کو اپنے شاگرد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بھی اس بنا پر ہوتی ہے کہ دین کا سلسلہ اس کی وجہ سے مدتوں تک میری طرف منسوب ہو کر جاری رہے گا اور مجھ کو آخرت میں صدقۂ جاریہ کا اجر ملے گا اس طرح اپنے خادم اور محسن کے ساتھ اسی نیت سے محبت ہوتی ہے کہ ان کی خدمت اور احسان کی وجہ سے فارغ البالی حاصل ہوتی ہے اور اطمینان کے ساتھ عبادت وطاعت کا وقت نصیب ہوتا ہے پس یہ سب اللہ ہی کے واسطے محبت ہے کیونکہ کوئی دنیاوی غرض اس محبت سے مقصود نہیں ہے۔ مگر پھر بھی چونکہ خاص اللہ کی ذات مطلوب نہیں ہے اس لیے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی اللہ کے پیارے اور نیک بندے سے بغیر کسی دینی غرض کے صرف اس وجہ سے محبت ہو کہ یہ شخص اپنے محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے کیونکہ معشوق کے کوچہ کا کتا

بھی دوسرے کتوں سے ممتاز ہوتا ہے پھر بھلا کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہو اور اس کے محبوب بندوں سے محبت نہ ہو یاد رکھو کہ رفتہ رفتہ یہ تعلق یہاں تک قوی ہو جاتا ہے کہ اللہ کے محبوب بندوں کے ساتھ اپنے نفس کا سا برتاؤ ہونے لگتا ہے بلکہ اپنے نفس پر بھی ان کو ترجیح ہوتی ہے پس جتنا بھی یہ علاقہ مضبوط ہو گا اسی قدر کمال میں ترقی ہوگی۔

بغض فی اللہ

دوسرا درجہ: ایسا ہی بغض کا حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندوں سے عداوت ہونی چاہیے جن کو یہ درجہ نصیب ہوتا ہے ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ کے نافرمان بندوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ان سے بات کرنا تک چھوڑ دیتے ہیں اور ان کی صورت نظر آتی ہے تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ہے کہ ”خداوندا کسی فاسق شخص کا مجھ پر احسان نہ کرائیو کہ اس کے احسان کی وجہ سے میرے دل میں اس کی محبت آ جائے“۔

حب فی اللہ اور بغض فی اللہ اسی کا نام ہے اور جس مسلمان کو اپنے مولا سے اتنی محبت نہیں جس کا یہ اثر ہو کہ اللہ کے محبوب بندے اس کے محبوب بن جائیں اور اللہ کے دشمنوں کو وہ اپنا دشمن سمجھے تو سمجھنا چاہیے کہ اس شخص کے ایمان میں ضعف ہے اور اس کو اپنے اللہ ہی کے ساتھ محبت نہیں ہے۔

نویں اصل

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

(نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا)

یعنی

وعظ و نصیحت کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''تم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں جو نیکی کی جانب بلائیں اور اچھے کام کا حکم کریں برائیوں سے منع کریں یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

واعظوں کی بے پروائی معصیت ہے

حدیث میں آیا ہے کہ ''جب لوگ معصیت میں مبتلا ہو جائیں اور ان میں ایسے لوگ بھی موجود ہوں جو ان کو معصیت سے روک سکتے ہیں مگر وہ کاہلی کریں اور ان کو معصیت سے منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر عذاب جلد نازل فرمائے گا''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک ایسے قصبہ پر عذاب نازل ہو چکا ہے جس میں اٹھارہ ہزار مسلمان آباد تھے اور ان کے اعمال انبیاء علیہم السلام جیسے تھے ٭ مگر اتنا نقص تھا کہ اللہ کی نافرمانیاں دیکھ کر ان کو غصہ نہ آتا تھا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑے ہوئے تھے لہٰذا

٭ یعنی قریب قریب تھے ورنہ انبیاء تک کسی کا عمل نہیں پہنچ سکتا۔

ہلاک کر دیئے گئے اگر تم کسی جگہ پر کوئی ناجائز کام ہوتا ہوا دیکھو گے اور خاموش بیٹھے رہو گے تو اس گناہ میں تم بھی شریک سمجھے جاؤ گے کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا گناہ کے اندر دونوں برابر ہیں۔

گناہگاروں سے میل رکھنا اور معصیت کے درجہ میں بیٹھنا

اسی طرح ریشمی لباس یا سونے کی انگوٹھی پہننے والے جس قدر گناہ گار ہیں اسی قدر ان کے وہ یار دوست یعنی ان کے پاس بیٹھنے والے مسلمان بھی گناہ گار ہیں جوان کو ریشمی لباس اور طلائی انگشتری پہنے دیکھتے ہیں اور منع نہیں کرتے۔ اسی طرح ایسے مکانوں میں بیٹھنا جس کی دیواروں پر تصویریں ہوں یا ایسی مجلس میں شریک ہونا جہاں کوئی بدعت ہو رہی ہو یا کسی مباحثہ یا مناظرہ کے ایسے جلسے میں جانا جہاں سب وشتم اور لغو مشغلہ ہو سب گناہ ہے پس خوب سمجھ لو کہ ان گناہوں کے موقعوں سے صرف بچنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ جب تک بے تامل نصیحت نہ کرو گے اور گناہوں سے ان کو روک نہ دو گے اس وقت تک عہدہ برآ ہر گز نہ ہو سکو گے۔ یہی سبب ہے کہ گوشہ نشینی بہتر سمجھی گئی ہے اور جتایا گیا ہے کہ کثرت اختلاط (بہت میل جول) سے ضرور معصیت ہوتی ہے کیونکہ مسلمان کیسا ہی متقی کیوں نہ ہو جب تک ملامت کرنے والوں کی ملامت کا خوف دل سے نہ نکال دے اور گناہ ہوتا دیکھے تو اس کو روک نہ دے گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا غرض مداہنت (خوشامد، چرب زبانی) حرام ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے دو حالت میں اس کا وجوب قائم نہیں رہ سکتا۔

علماء کا گناہوں پر سکوت کرنا

پہلی حالت اس کو معلوم ہو کہ میں اس گناہ سے منع کروں گا

تو مجھ کو نظرِ حقارت سے دیکھا جائے گا اور نہ میری بات کی یہ لوگ پرواہ کریں گے اور نہ اس گناہ کو چھوڑیں گے تو ایسی حالت میں نصیحت کرنا واجب نہ رہے گا اور یہ حالت اکثر ان معصیتوں کے متعلق پیش آتی ہے جن کے مرتکب فقہاء و علماء یا ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو دیندار اور متقی سمجھتے ہیں کیونکہ اگر کوئی شخص ان کو نصیحت کرے تو ان کو سخت ناگوار گذرتا ہے اور وہ گناہ چھوٹا نہیں جس کو انہوں نے اختیار کیا ہے۔ ایسے موقع پر بے شک سکوت جائز ہے البتہ زبان سے پھر بھی نصیحت کر دینا مستحب ہے اس کے ساتھ اس کا بھی خیال رکھو کہ ایسی جگہ نصیحت کرنا واجب نہیں رہا مگر تم وہاں سے اٹھ آنا ضرور واجب ہے کیونکہ بیٹھے رہنا اپنا اختیاری فعل ہے اور باختیار خود معصیت کا دیکھنا بھی معصیت ہے پس جہاں دور شراب جاری ہو یا غیبت ہو رہی ہو یا داڑھی منڈے بددین غیر متشرع (خلاف شرع) فاسق فاجر بیٹھے ہوں وہاں ہرگز نہ بیٹھو۔

سخت ایذا کے قوی اندیشہ پر نصیحت چھوڑنا

دوسری حالت یہ ہے کہ ناجائز فعل سے باز رکھنے پر قدرت تو ہو مگر اس کا غالب اندیشہ ہو کہ اگر دست اندازی کی تو ضرور یہ لوگ مجھے ماریں گے۔ مثلاً کسی جگہ شراب کا شیشہ یا ستار وغیرہ یا اور کوئی سامان لہو ولعب رکھا ہوا دیکھو اور ممکن ہے کہ آگے بڑھ کر اس کو توڑ پھوڑ دو مگر غالب گمان یہ ہو کہ ایسا کرنے سے اس کا مالک تم کو ایذا دیئے بغیر باز نہ رہے گا تو اس صورت میں بھی چپ ہو رہنا جائز ہے البتہ ہمت کرنا پھر بھی مستحب ہے کیونکہ ایسے امر خیر میں جو کچھ ایذا پہنچے گی اس کے بھی بڑے اجر ہیں ایسی حالت میں سکوت کا جائز ہونا اس شرط پر ہے کہ بدنی تکلیف یعنی مار پیٹ یا

مالی نقصان یا سبکیت یا آبروریزی یا ایذارسانی کا یقین یا غالب گمان ہو نہ کہ نصیحت کرنے سے ان کو میری محبت نہ رہے گی یا ناگوار گزرے گا اور مجھ کو زبان سے کچھ برا بھلا کہنے لگیں گے یا مجھ کو اپنا دشمن سمجھنے لگیں گے اور آئندہ کوئی تکلیف پہنچانے کی فکر کریں گے یا جو کچھ دیتے ہیں وہ بند کرلیں گے یا آئندہ کوئی دینی مصلحت و بہبودی کی توقع ہے اور نصیحت کرنے سے وہ مصلحت ہاتھ سے جاتی رہے گی تو ایسی موہوم باتوں کی شریعت میں کچھ وقعت نہیں ہے اور نہ ان خیالات سے خلاف شرع امر پر نصیحت کیے بغیر چپ ہو رہنا جائز ہے اس کو خوب سمجھلو۔

فصل

واعظ کے خصائل و اخلاق

اول : واعظ کو حلیم الطبع (بُردبار طبیعت رکھنے والا) نرم مزاج ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اپنی نیک بختی جتانے اور دوسروں پر اعتراض کرنے کی نیت سے وعظ کرنے کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا بلکہ اس سے لوگوں کو صدمہ ہوتا اور برافروختگی (غصہ) بڑھتی ہے اور بجائے معصیت چھوڑنے کے وہ لوگ معصیت پر ضد اور اصرار کرنے لگتے ہیں اور جب ضد بندھ گئی تو پھر نصیحت کرنا اللہ واسطے نہ رہا بلکہ اپنے دل کی جلن نکالنے اور پھپھولے پھوڑنے کی غرض سے ہو گیا لہذا جب وعظ کہو تو نہایت نرمی سے کہو اور نیت رکھو کہ کاش اللہ تعالیٰ کی یہ معصیت چھوٹ جائے اور کوئی دوسرا ہی واعظ اس کو چھڑا دے تو بہت ہے کیونکہ خود معترض اور ناصح بننے کی عزت کا خواستگار ہونا خلوص کے خلاف ہے ایک مرتبہ مامون رشید کو ایک واعظ نے کسی بات کی سختی کے ساتھ نصیحت کی تو مامون رشید نے واعظ

سے کہا ذرا نرمی سے نصیحت کیا کرو دیکھو تم سے بہتر ناصح حضرت کلیم اللہ پیغمبر مجھ سے بدتر بندہ فرعون مصر کی جانب ناصح بنا کر بھیجے گئے تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا وَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا کہ "اے موسیٰ (علیہ والسلام) اور اے ہارون (علیہ والسلام) فرعون سے نرمی کے ساتھ باتیں کرو۔"

حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجئے اس شخص کا یہ کلمہ سن کر لوگ اس کو ڈانٹنے لگے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوڑو اس شخص کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ یہاں آؤ اور جب وہ شخص پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ "میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں بھلا اگر تمہاری ماں سے کوئی شخص زنا کرے تو کیا تم کو ناگوار نہیں گزرے گا" اس نے عرض کیا کیوں نہیں گزرے گا ضرور گزرے گا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم ہی بتاؤ کہ دوسروں کو اپنی ماؤں کے ساتھ ایسا ہونا کیوں کر گوارا ہوگا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تمہاری بیٹی کے ساتھ اگر کوئی ایسا فعل کرے تو کیا تم کو پسند ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر دوسرے اپنی بیٹیوں کے ساتھ اس کو کیوں پسند کریں گے۔ یہاں تک کہ آپ نے بہن اور پھوپھی اور خالہ سب ہی کا نام لے کر دریافت فرمایا اور یوں ہی جواب دیتے رہے کہ پھر دوسرے لوگ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ایسی بے حیائی کیوں پسند کریں گے آخر یہ عورت کہ جس سے زنا کیا جائے کسی کی ماں یا بیٹی یا پھوپھی یا خالہ تو ضرور ہوگی اور جب تمہیں اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کے ساتھ بھی کسی کا زنا

کرنا گوارا نہیں ہے تو دوسرے مسلمانوں کو ان کے کسی رشتہ دار سے تمہارا زنا کرنا کیوں کر گوارا ہونے لگا ہے اس کے بعد دست مبارک اس کے سینے پر رکھا اور دعا کی کہ خداوندا اس کا قلب پاک کردے اور گناہ بخش دے اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ گناہ اس کے نزدیک زنا ہی تھا۔

ایک مرتبہ مجمع میں حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی گئی کہ حضرت سفیان بن عیینہ نے شاہی تحفہ قبول کر لیا۔ شیخ نے سن کر مجمع میں تو صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ نہیں جی سفیان نے اپنا حق لیا ہوگا اور وہ بھی ناتمام مگر خلوت میں سفیان کو پاس بٹھا کر نہایت نرمی سے نصیحت کی اور فرمایا کہ اے ابوعلی ہم اور تم اگر بزرگ نہیں ہیں تو بزرگوں کے محب اور دوست رکھنے والے تو ضرور ہیں مطلب یہ کہ ہم لوگ چونکہ اس زمرہ میں شمار ہوتے ہیں اس لیے تم کو ایسے افعال سے بچنا چاہیے جن کو لوگ حجت پکڑیں اور بزرگوں کے نام پر عیب لگائیں۔

واعظ کو عالم باعمل ہونا چاہیئے مگر امر بالمعروف اس کے بغیر بھی ضروری ہے

دوم: واعظ کو اول اپنی اصلاح کرنی چاہیے کیونکہ نصیحت کا اثر اسی وقت ہوتا ہے جب کہ ناصح خود بھی باعمل ہو ورنہ لوگ ہنستے اور مذاق اڑاتے ہیں ہاں یہ ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ نصیحت کرنے کا جواز یا وجوب عامل ہونے پر موقوف نہیں ہے اگر کوئی عالم خود عامل نہ بھی ہو اس کو نصیحت اور وعظ کا چھوڑ دینا اور گناہوں کو ہوتے ہوئے دیکھ کر سکوت اختیار کرنا جائز نہ ہوگا خوب سمجھ لو کہ یہ خیال بھی

ایک شیطانی وسوسہ ہے کہ جب تک خود پورے عامل نہ بن جائیں اس وقت تک دوسروں کو کیا نصیحت کریں گے اگر ایسا خیال معتبر سمجھا جاوے تو وعظ اور نصیحت کا سلسلہ مفقود اور دروازہ بالکل مسدود ہو جائے گا۔ یاد رکھو کہ امر بالمعروف واجب اور ضروری ہے اور عاصی اور گنہگار شخص کو بھی وعظ کہہ دینا جائز ہے البتہ واعظین پر یہ دوسرا وجوب مستقل ہے کہ اپنے علم پر عمل کریں اور جس کام کی بھی دوسروں کو نصیحت کریں اس پر خود بھی کاربند ہوں پس اگر ایک واجب کو ترک کیا اور خود بھی عامل نہ بنے تو دوسرا واجب ترک کرنا کیوں جائز ہونے لگا کہ دوسروں کو نصیحت بھی نہ کریں۔

*****

دسویں اصل

اتباع سنت کا بیان

چونکہ اصل سعادت یہی ہے کہ تمام حرکات وسکنات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے اس لئے سمجھ لو کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال کی دو قسمیں ہیں۔

اول: عبادات مثلاً نماز روزہ زکوۃ۔ حج وغیرہ۔

دوم: عادات مثلاً کھانا، پینا، سونا، اٹھنا، بیٹھنا وغیرہ۔

> کامل اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ عبادات اور عادات دونوں میں ہو

مسلمانوں پر لازم ہے کہ دونوں قسم کے افعال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا حکم فرمایا ہے وہاں کوئی قید نہیں لگائی بلکہ یوں ارشاد فرمایا ہے کہ پیغمبر جو کچھ بھی تم کو دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز آ جاؤ"۔ شیخ محمد بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عمر صرف اس خیال سے تربوز نہیں کھایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربوز کھانے کا انداز ان کو معلوم نہیں ہوا تھا ایک بزرگ نے ایک مرتبہ موزہ سہواً اول بائیں پاؤں میں پہن لیا تو اس کے کفارے میں جب تک ایک گون گیہوں خیرات نہ کر لئے اس وقت

تک چین سے نہ بیٹھے معلوم ہوا کہ کامل اتباع اور پوری سعادت مندی یہی ہے کہ عادتوں میں بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کیا جائے کیونکہ اس میں بے شمار فائدے ہیں اور ذرا سے تساہل میں ایسی نعمت عظمیٰ کا کھو بیٹھنا بے وقوفی ہے اب ہم اس کا سبب اور یہ بات بیان کرتے ہیں کہ اتباع کامل میں فائدے ہیں سنو! اس کی تین وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ تمہیں معلوم ہے کہ قلب کو اعضاء سے خاص تعلق ہے اور اعضائے بدن کے تمام افعال کا اثر دل کے اندر پہنچتا ہے لہٰذا جب تک اعضاء کی حرکات و سکنات حد اعتدال (درمیانی) پر نہ ہوں گی اس وقت تک قلب کو صلاحیت اور نور کبھی حاصل نہ ہوگا کیونکہ انسان کا قلب آئینہ کی طرح ہے اور آئینہ آفتاب کی روشنی سے اس وقت روشن ہوسکتا ہے جب کہ اس میں تین باتیں موجود ہوں۔

۱۔ یہ کہ صیقل (چمکانا، پالش کرنا، صاف کرنا) کیا جائے۔

۲۔ یہ کہ اس کا جرم (جسم) صاف اور شفاف ہو۔

۳۔ یہ کہ اس میں کجی (ٹیڑھاپن) بالکل نہ ہو۔

اسی طرح جب قلب کے اندر تینوں اوصاف موجود ہوں گے کہ خواہشات نفسانی کے ترک کردینے سے اس کی صیقل ہو جائے گی اور ذکر الٰہی سے اس میں صفائی پیدا ہوگی اور افعال اعضاء کو اعتدال پر رکھنے سے اس میں کجی نہ آنے پائے گی تو اس وقت بے شک اس میں تجلیات باری تعالیٰ کا انعکاس (عکس) ہوگا۔

عادات محمدیہ کے اتباع میں منفعت دینیہ کی حکمتیں اور اسرار

اعتدال کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کو اس کے موقع پر رکھا جائے۔ مثلاً چار سمت میں سے ایک سمت یعنی قبلہ کو اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہے اس لئے تمام نیک کاموں

میں خواہ ذکر الٰہی ہو یا تلاوت قرآن اور وضو ہو یا دعا قبلہ کی جانب منہ کیا جائے اور جو افعال گھنیانے کے قابل ہوں مثلاً قضائے حاجت یعنی بول و براز (پیشاب یا پاخانہ) اور جماع (ہم بستری) میں ستر کھولنا وغیرہ اس وقت اس جانب سے رخ پھیر لیا جائے ایسا کرنا چونکہ سمت قبلہ کی عزت کا قائم رکھنا ہے لہذا یہی اعتدال ہے یا مثلاً اللہ تعالٰی نے داہنی جانب کو بائیں جانب پر شرف بخشا ہے اس لئے تم کو بھی اس کے شرف کا ہر وقت خیال رکھنا چاہیے کہ اگر اچھے کام کرے مثلاً کلام مجید اٹھانا یا روٹی کھانی ہو تو داہنا ہاتھ اور میلے کام مثلاً استنجا کرنا۔ ناک سنکنا یا بضرورت کسی ناپاک چیز کو ہاتھ لگانا ہو تو بایاں ہاتھ آگے بڑھاؤ کپڑا پہنو تو اول دائیں طرف اور جوتا پہنو اول داہنے پاؤں میں پہنو۔ مسجد میں جاؤ تو اول داہنا پاؤں رکھو اور جب باہر نکلو تو اول بایاں پاؤں نکالو الغرض ہر شئے کے مرتبے کا خیال رکھنا عدل اور انصاف کہلاتا ہے اور اس ظاہری اعتدال سے قلب بھی معتدل اور مستوی ہو جائے گا۔

اگر یہ وجہ تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ہے تو تجربہ کر کے دیکھو اور اس کا تو تم نے بھی تجربہ کیا ہوگا کہ جو لوگ سچ بولنے کے خوگر (عادی) ہوتے ہیں ان کے خواب بھی اکثر سچے ہوتے ہیں اور جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں ان کی خوابیں بھی زیادہ تر جھوٹی ہوتی ہیں کیونکہ راست گوئی سے قلب میں اعتدال اور درستی و استقامت آجاتی ہے اور دروغ گوئی سے اس میں کجی پیدا ہو جاتی ہے۔

دیکھو چونکہ شاعر اکثر جھوٹے اور لغو تخیلات کے عادی ہو جاتے ہیں اس لئے ان کے قلب میں کجی پیدا ہو جاتی ہے لہذا جہاں تک ہو سکے قلب میں

جھوٹے خیالات کو جگہ نہ دو ورنہ دل کا اعتدال ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ دوائیں دو قسم کی ہوتی ہیں بعض وہ کہ جن کے اثر و تاثیر میں مناسبت ہے مثلاً شہد چونکہ گرم ہے اس لئے گرم مزاج والوں کو نقصان دیتا ہے اور سرد مزاج والوں کو نفع پہنچاتا ہے ایسی دوائیں تو بہت کم ہیں کیونکہ اکثر دوائیں دوسری قسم میں داخل ہیں یعنی وہ دوائیں کہ جن کی تاثیر کسی مناسبت سے نہیں ہوتی اس کا نام خاصیت ہے اور ظاہر ہے کہ ہر شئے کی خاصیت یا تو الہام سے معلوم ہوتی ہے یا وحی سے یا تجربہ سے مثلاً سقمونیا دست آور ہے اور رگوں سے صفرا کو کھینچ لیتا ہے یا مقناطیس کی یہ خاصیت ہے کہ لوہے کو اپنی جانب کھینچتا ہے یہ دونوں تاثیریں تجربہ ہی سے معلوم ہوئی ہیں۔

اسی طرح اعمال و افعال کی تاثیریں بھی دو ہی طرح کی ہیں یعنی اعمال میں اور ان کی تاثیروں میں تو مناسبت کھلی ہوئی موجود ہے مثلاً نفس کی خواہشوں کا پورا کرنا اور دنیوی لذتوں کے پیچھے پڑ جانا مضر ہے کیونکہ جب مرتے وقت دنیا سے روانگی ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ ایک نہ ایک دن ضرور ہونا ہے تو اس وقت ضرور ان لذتوں کو چھوڑتے ہوئے حسرت ہوگی اور جب کچھ بن نہ پڑے گا تو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا رخصت ہوگا پس لذتوں میں پڑنے اور ان کے نقصان و ضرر میں مناسبت کھلی ہوئی ہے۔

مثلاً ذکر الٰہی مفید ہے کیونکہ ذکر کے سبب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی اور معرفت کی بدولت محبت پیدا ہوگی اور محبت خداوندی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت کی پائدار لذتوں کا شوق پیدا ہوگا لہٰذا دنیا سے جاتے وقت کچھ بھی حسرت نہ ہوگی بلکہ اپنے محبوب سے ملنے کے شوق میں ہنسی خوشی روانہ ہوگا پس

ذکر اللہ اور اس کے ثمرہ واثر میں بھی مناسبت ظاہر ہے۔

البتہ دوسری قسم کے اعمال اور ان کی تاثیر میں کچھ مناسبت معلوم نہیں ہوتی اور یہ وہی خاصیت ہے جو وحی اور نور نبوت کے علاوہ کسی طرح بھی معلوم نہیں ہو سکتی اور اکثر اعمال شریعت چونکہ اسی قسم میں داخل ہیں لہٰذا جب تم دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مباح کاموں میں سے باوجود دونوں پر قدرت ہونے کے ایک کو ترجیح دی ہے مثلاً استنجا دائیں ہاتھ سے بھی کر سکتے تھے مگر پھر بائیں ہاتھ کو ہی اس کام میں لگایا اور سیدھے ہاتھ کو علیحدہ رکھا ہے تو یہ علامت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خاصیت معلوم فرما کر ہی ایسا کیا ہے اور ضرور اس میں کوئی خاص نفع ہے جس کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ تعجب کی بات ہے کہ محمد بن ذکریا طبیب پتھروں اور بوٹیوں کی جو خاصیتیں بتائے وہ تو بلا چون وچرا اور بے سوچے سمجھے صحیح مان لی جائیں اور سید البشر محمد بن عبد اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نور نبوت اور وحی ربانی سے اعمال وافعال کی جو خاصیتیں بیان فرمائیں ان کو نہ مانا جائے اور خلاف عقل بتایا جائے۔ مسلمانو! یقین جانو کہ طبیب روحانی جو کچھ بھی عطا کرے ضرور اس میں نفع ہوگا اگرچہ اس کی مصلحت تمہاری عقل اور علم میں نہ آ سکے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ انسان جانوروں کی طرح آزاد و بے کار نہیں پیدا کیا گیا بلکہ اس کو اشرف المخلوقات اور شریعت کا پابند بنایا گیا ہے اس لئے تم کو مناسب ہے کہ جو کام کرو سنت کے موافق کرو تاکہ نفس محکوم اور مطیع بنا رہے اور فرشتہ خصلت بن جاؤ اور یوں سمجھو کہ بندگی بے چارگی کا نام ہے اس لئے بندہ کو چاہئے کہ جو حرکت بھی کرے وہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت اور

پیغمبر کے حکم سے کرے تاکہ آثار بندگی ہر وقت ظاہر ہوتے رہیں اور ہر دم ریاضت واطاعت کا اجر ملتا رہے۔ پابندی وہ چیز ہے کہ اگر فرضا کوئی شخص اپنا تمام اختیار کسی جانور کے ہاتھ میں دے دے تب بھی یہ شخص اس سے اچھی حالت میں ہوگا جو سراپا اپنی خواہش پر چلتا ہے۔

یہ **فائدہ اخیرہ** حکم شرعی کی ہر وضع سے حاصل ہو سکتا ہے خواہ کسی طرح حکم مقرر ہو جائے کیونکہ اس کا جو مقصود اصلی ہے کہ ایک خاص طرز کی پابندی ہو جو ہر طور پر حاصل رہے تو شرائع مختلفہ کے احکام بدل جانے پر بھی یہ فائدہ خاصہ محفوظ رہا بخلاف اول اور دوسرے فائدہ کے کہ حکمت اور خاصیت ایک متعین چیز ہے اور وہ اختلاف شرائع سے بدل نہیں سکتی پس اگر تم تینوں وجوں پر آگہی حاصل کرلو گے۔ تو تمام حرکات میں اتباع سنت کی ضرورت تم کو واضح ہو جائے گی۔

فصل

عبادات میں اتباع سنت بلا عذر چھوڑنا کفر خفی یا حماقت جلی ہے

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ امور عادیہ (جن کی عادت ہو) میں اتباع سنت کی ترغیب کے لئے بیان کیا ہے اور جن اعمال کو عبادات سے تعلق ہے اور ان کے اجر وثواب بیان کیا گیا ہے۔ ان میں بلا عذر اتباع چھوڑ دیں تو سوائے کفر خفی (پوشیدہ) یا حماقت جلی کے اور کوئی وجہ ہی سمجھ میں نہیں آتی مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''جماعت سے نماز پڑھنے میں تنہا نماز پڑھنے پر ستائیس (۲۷) درجہ فضیلت ہے''۔ اس کے ماننے کے بعد اگر کوئی مسلمان بلا

کسی معقول عذر کے جماعت کی نماز ترک کرے تو اس کا سبب یا تو اس کی حماقت ہے کہ اگر کوئی شخص دو پیسے چھوڑ کر ایک پیسہ لے تو اس کو احمق بتا دے اور خود ستائیس فضیلتیں چھوڑ کر ایک پر اکتفا کرے تو بے وقوف نہ ہوا اور یا نعوذ باللہ یہ خیال ہو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد محض انتظامی مصلحت کی بنا پر ہے تاکہ اس رغبت سے لوگ ایک جگہ جمع ہو جایا کریں کیونکہ ستائیس کے عدد اور جماعت سے نماز پڑھنے میں کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ پس اگر خدا نخواستہ ایسا خیال ہے تو یہ کفر ہے اور کفر بھی ایسا خفی کہ اس کی اطلاع اپنے آپ کو بھی نہیں ہے۔ لوگوں کا ایسا حال ہو گیا ہے کہ اگر کوئی طبیب یا رمال (علم رمل والا جو نجوم جیسا علم ہے) یا نجومی کوئی بات بتائے تو اس کی وجہ خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس کو فوراً تسلیم کر لیں گے لیکن نبی کے قول میں مناسبت ٹٹولتے ہیں بھلا اگر کوئی نجومی یوں کہے کہ ستائیس دن گزرنے پر تم کو ایک مصیبت کا سامنا ہوگا کیونکہ تمہارے طالع اور زحل میں ستائیس درجہ کا بعد ہے اور ہر روز ایک درجہ کم ہوگا اس لئے اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو گھر میں بیٹھے رہو اور باہر نہ نکلو اس کو سن کر بے شک تم گھر کے پیوند ہو جاؤ گے اور سب کاروبار چھوڑ بیٹھو گے اور اگر کوئی سمجھائے بھی کہ ارے میاں ایک درجہ کو اور ایک دن کو مناسبت کیا ہے؟ اور مصیبت اور زحل میں کیا تعلق ہے؟ نیز باہر نہ نکلنے اور مصیبت کے ٹل جانے میں کیا علاقہ ہے یہ سب واہیات باتیں اور نجومی پنڈتوں کے ڈھکوسلے ہیں اسکا خیال ہی مت کرو تو تم اس کا کہنا کبھی نہ مانو گے اور اس کو احمق و بے وقوف اور علم نجوم کا منکر سمجھو گے۔ پھر افسوس صد افسوس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

بتائے ہوئے اعمال میں تمام مناسبتوں کو سمجھنا چاہتے ہو اور اگر نہ سمجھ میں آئیں تو منکر و بداعتقاد بنے جاتے ہو۔ تم ہی بتاؤ کہ کیا یہ کفر اور انکار رسالت نہیں ہے حالانکہ ان عبادات کا مؤثر ہونا تجربہ سے بھی معلوم ہو چکا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ نبی کی دی ہوئی خبروں کی مناسبتیں اور مصلحتیں سب ہی کو معلوم ہو جایا کریں بھلا میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر طبیب کوئی دوا بتائے اور اس کی خاصیت تم سے نہ بیان کرے یا نجومی کسی آئندہ واقعہ پر کوئی حکم لگائے اور اس کی مناسبت تم کو نہ بتائے تو کیا اس کی بات منظور نہیں کرتے مگر افسوس کہ نبی و رسول کوئی روحانی علاج فرمائیں اور اس کی مناسبت اور خاصیت نہ بتائیں تو اس کو منظور نہیں کرتے اس کا سبب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ نجومی اور طبیب چونکہ موجودہ زندگی کے متعلق علاج بتلا رہے ہیں اور اس زندگی کے ساتھ تم کو محبت ہے لہٰذا آنے والی مصیبت یا مرض کے فکر میں اس کی وجہ اور مناسبت پوچھنے کا ہوش نہیں رہتا بلکہ دس برس بعد آنے والی مصیبت کا آج ہی سے فکر و انتظام شروع ہو جاتا ہے حالانکہ وہ محض موہوم اور ایسے لوگوں کی بتائی ہوئی باتیں ہیں جن کا ہزاروں دفعہ جھوٹ تم خود آزما چکے ہو اور جو تکے تکے پر ایسی باتیں بتاتے دربدر مارے مارے پھرتے ہیں اور نبی چونکہ طبیب روحانی ہیں اس لئے قلبی امراض کا علاج اور دائمی صحت کی تدبیر بتاتے ہیں اور اس کی تمہیں مطلق پرواہ نہیں فکر نہیں اندیشہ نہیں بلکہ آنے والی آخرت کی زندگی کا جیسا یقین ہونا چاہئے۔ وہ حاصل ہی نہیں اس لئے اس میں مناسبتیں پوچھتے ہو اللہ تعالی ایسی غفلت سے بچائے جس کی وجہ سے عبادتوں میں بھی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو سکے۔

خاصیت اعمال میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا مناسب ہے

مسلمانوں کی یہی شان ہے کہ جس امر میں بھی کوئی حدیث وارد ہوئی ہو اس میں بے چون وچرا اقتدا کرلیا کریں۔ مثلاً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''اتوار یا جمعرات کو پچھنے لگوانے میں مرض برص کا اندیشہ ہے'' ایک محدث نے اس حدیث کو ضعیف کہہ کر قصداً اتوار کے دن پچھنے لگوائے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برص میں مبتلا ہوگئے چند روز کے بعد ایک شب کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مرض کی شکایت کرنے لگے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جیسا کیا ویسا بھگتو۔ اتوار کے دن پچھنے کیوں لگوائے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کا راوی ضعیف تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حدیث تو میری نقل کرتا تھا''٭ عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطا ہوئی۔ میں توبہ کرتا ہوں یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور صبح کو آنکھ کھلی تو مرض کا نشان بھی نہ رہا۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عصر کے بعد سو جانے سے عقل کے جاتے رہنے کا خوف ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''جس شخص کے ایک جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو جب تک اس کو درست نہ کرالے تو اس وقت تک صرف ایک جوتہ پہن کر ہرگز نہ چلے''۔ اور دوسری حدیث میں

٭ یعنی میری طرف منسوب کرنا درجہ موضوعیت میں نہ تھا اور بیان تھا خاصیت عمل کا حلال اور حرام کا پھر عمل کرنا ہی احتیاط کی بات تھی۔ (مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

ہے کہ ''زچہ کی اول خوراک تر کھجور ہونی چاہیے اور اگر یہ نہ ہو تو خشک چھوہارا ہی سہی'' کیونکہ اگر اس سے بہتر کوئی غذا ہوتی تو اللہ تعالیٰ عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے پیدا ہونے پر بی بی مریم علیہا السلام کو وہی کھلاتا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی تمہارے پاس مٹھائی لائے تو اس میں سے کچھ کھا لیا کرو اور خوشبو لائے تو لگا لیا کرو اسی طرح جو کچھ بھی طبیب روحانی فرما دیا کریں اس میں سے مناسبتیں نہ ٹٹولو بے چون و چرا مان لو کیونکہ ان امور میں بے شمار اسرار اور رموز ہیں جن کی خاصیتیں ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔

*****

خاتمہ

اور

اوراد مذکورہ کی ترتیب

مذکورہ عبادتوں میں بعض عبادتیں جمع ہو سکتی ہیں جیسے نماز روزہ اور تلاوت کلام اللہ کہ تینوں ایک وقت میں پائی جا سکتی ہیں مثلاً روزہ دار شخص نماز میں قرآن شریف پڑھے تو دیکھو ایک ہی وقت میں تینوں عبادتیں حاصل ہو رہی ہیں اور بعض عبادت دوسری عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی مثلاً یہ نہیں ہو سکتا کہ ذکر الٰہی بھی ہو اور تلاوت کلام اللہ بھی ہو یا نماز بھی ہو اور مسلمانوں کے حقوق کی خبر گیری بھی ہو اس لئے مناسب ہے کہ رات دن کے چوبیس گھنٹوں پر ان مختلف عبادتوں کو تقسیم کر لو کیونکہ اوقات کا انضباط (پابند) ہونے سے سہولت بھی ہو جائے گی اور جو عبادت کا مقصود ہے وہ بھی حاصل ہو جائے گا یعنی ذکر الٰہی سے اُنس اور جہان فانی سے بیزاری اور نفرت پیدا ہو جائے گی۔

یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس عالم فانی کے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کرے تا کہ آخرت کی خوبی اس کو حاصل ہو اور چونکہ محبت بغیر معرفت کے ہو نہیں سکتی اس لئے معرفت الٰہی مقدم اور ضروری ہے اور معرفت حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے دھیان اور یاد میں مشغول رہو اور چونکہ جتنی بھی عبادتیں ہیں سب دھیان اور یاد ہی کی غرض سے ہیں۔

عبادتوں کے مختلف اقسام ہونے میں حکمت

اور ان کو مختلف اقسام کا اس لئے بنایا گیا ہے تا کہ ہر وقت ایک طرز کی عبادت میں مشغول رہنے سے دل گھبرا نہ جائے اور نیز اگر ہر وقت ایک ہی عبادت کی جائے گی تو طبیعت اس کی خوگر (عادی) ہو جائے گی اور عادت ہو جانے کی وجہ سے قلبی اثر ان کا جاتا رہے گا۔ اس لئے ہر عبادت کے لئے جدا وقت تجویز کر لینا ہی ضروری ہے البتہ جو لوگ فنا اور مستغرق (غرق) ہو جائیں ان کو ترتیب و تقسیم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس مرتبہ میں پہنچ کر ایک ہی عبادت رہ جاتی ہے اور ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغولی ہوتی ہے مگر یہ درجہ ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص اس کو حاصل کر سکے اس لئے تمہیں اوقات منضبط کرنے کی نہایت ضرورت ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک یہ عبادت اور اس گھنٹہ سے اس گھنٹہ تک یہ عبادت اور دن کو یہ اور رات کو یہ البتہ اگر علم دین پڑھتے پڑھاتے ہو یا کسی جگہ کے حاکم ہو اور رعایا کی حفاظت میں مشغول ہو تو دن بھر اس میں مشغول رہنا دوسری عبادتوں سے بہتر ہے کیونکہ علم دین ہی کی بدولت حکم الٰہی کی تعظیم حاصل ہوتی ہے اور جو نفع اس تعلیم یا مخلوق کی حفاظت و نگہبانی سے لوگوں کو پہنچتا ہے وہ اصل دین ہے۔

عیال دار شخص اور عالم اور حاکم کے لئے عبادت

اسی طرح عیال دار آدمی کو محنت مزدوری کرنا اور حلال معاش سے بال بچوں اور متعلقین کا پیٹ بھرنا بھی عبادت بدنی سے افضل ہے مگر ان حالتوں میں بھی ذکر الٰہی سے علیحدگی مت اختیار کرو بلکہ جس طرح کسی حسینہ معشوقہ کا عاشق اپنے معشوق کے سوا جس کام میں بھی مشغول ہوتا ہے۔ بحالت

مجبوری صرف ہاتھ پاؤں سے مشغول ہوتا ہے اور دل ہر وقت معشوقہ ہی میں پڑا رہتا ہے اسی طرح تم بھی جس کام میں چاہے مشغول رہو اعضائے بدن سے اس کو انجام دو مگر دل کو اللہ تعالیٰ ہی کے خیال میں مصروف رکھو۔

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ سے کسب کرتے اور محنت مزدوری سے مال حاصل کیا کرتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تین چیزیں مرحمت ہوئی ہیں یعنی ہاتھ زبان اور قلب سو ان میں سے ہاتھ تو کسب معاش کے لئے ہے اور زبان مخلوق کے واسطے ہے تا کہ پڑھائیں اور سمجھائیں اور باتیں کریں اور قلب دنیا کے کسی شخص کا بھی نہیں ہے بلکہ صرف اللہ جل شانہٗ کے لئے ہے کہ ہر وقت اس کے حضور میں حاضر رہے۔

اعمال ظاہر کا بیان ختم ہوا عمل کرنے والوں کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ یہی کافی ہے اللہ تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے۔

*****

تبلیغِ دین

دوسری قسم

مذموم اخلاق کی تفصیل

اور

طہارت قلب کا بیان

دوسری قسم

نمبر شمار		فہرست مضامین	صفحہ
پہلی	اصل	کثرت اکل اور حرص طعام کا بیان	83
دوسری	اصل	کثرت کلام کی ہوس اور فضول گوئی کا بیان	89
تیسری	اصل	غصہ کا بیان	107
چوتھی	اصل	حسد کا بیان	111
پانچویں	اصل	بخل اور مال کی محبت کا بیان	116
چھٹی	اصل	رعونت اور شہرت وجاہ کی محبت کا بیان	126
ساتویں	اصل	دنیا کی محبت کا بیان	134
آٹھویں	اصل	نخوت (غرور) وتکبر کا بیان	143
نویں	اصل	خود پسندی کا بیان	154
دسویں	اصل	ریاء کا بیان	158
		خاتمہ	180

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

جس نے اپنا قلب پاک بنالیا

وہی فلاح کو پہنچا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

"طہارت نصف ایمان ہے" کیونکہ ایمان کے دو جزو ہیں یعنی قلب کا ان نجاستوں سے پاک کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور ان خوبیوں سے آراستہ کرنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہیں گویا نجاست سے طہارت (پاک) کرنا ایمان کا ایک جزو ہے اور طاعت سے زینت و آرائش اس کا دوسرا ٹکڑا ہے لہٰذا اول وہ اخلاق ذمیمہ معلوم ہونے چاہئیں جن سے قلب کو پاک رکھنا ضروری ہے سو ان کے اصول بھی دس ہیں جن میں سے ہر ایک کا جدا جدا بیان کیا جاتا ہے۔

پہلی اصل

کثرتِ اکل اور حرصِ طعام کا بیان

(زیادہ کھانا اور لالچ)

زیادہ کھانا اور پیٹ بھرنے کی ہوس بیسیوں گناہوں کی جڑ ہے کیونکہ اس سے جماع کی خواہش بڑھتی ہے اور جب شہوت بڑھتی ہے تو مال حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ شہوتیں مال کے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں اور اس کے بعد طلب جاہ کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ جاہ کے بغیر مال کا حاصل ہونا دشوار ہے اور جب مال و جاہ کی خواہش پیدا ہو گی تو تکبر' ریاء' حسد' کینہ عداوت غرض بہتیری آفتیں جمع ہو جائیں گی اور دین کی تباہی کا پورا سامان اکٹھا ہو جائے گا اس لئے حدیث میں بھوک کی زیادہ فضیلت آئی ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی کے لئے بھرنے کے واسطے پیٹ سے زیادہ کوئی برا برتن نہیں آدمی کو ضرورت کے لیے تو چند لقمے کافی ہیں جن سے زندگی قائم اور کمر مضبوط رہے اور اگر اس سے زیادہ ہی کھانا ضروری ہے تو پیٹ کے تین حصے کر لینے چاہئیں کہ تہائی حصہ کھانے کے لئے ہو اور تہائی حصہ پانی پینے کے لئے ہو اور تہائی حصہ سانس لینے کے لیے خالی چھوڑ دیا جائے۔

تقلیلِ طعام کے فوائد بھوک میں فائدے تو بے شمار ہیں مگر ہم ان میں سے چند بڑے فائدوں کا ذکر کرتے ہیں جن کو اصول کہنا چاہیے اور درحقیقت آخرت کی سعادت کا حاصل ہونا انہیں

پر موقوف ہے۔

اوّل: قلب میں صفائی اور بصیرت میں روشنی حاصل ہوتی ہے کیونکہ پیٹ بھر لینے سے بلادت (سستی اور طبیعت کا کند ہونا) پیدا ہوتی ہے اور قلب کی آنکھیں بند ہوجاتی ہیں اور جب ذکاوت جاتی رہی تو معرفت الٰہی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔

دوم: دل رقیق ہوجاتا ہے اور مناجات میں مزہ آتا ہے کیونکہ جب یہ توبرہ خالی ہوگا تو اپنے مالک کے سامنے سوال والتجا اور دعا کرنے میں لطف آئے گا اور خوف وخشیت (اللہ کا ڈر) وانکسار پیدا ہوگا جو معرفت کے حاصل کرنے کی کنجیاں ہیں۔

سوم: سرکش نفس ذلیل اور مغلوب ہوجاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب دشمن خدا کو شکست ہوئی اور غفلت کا دروازہ بند ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کی جانب توجہ ہوگی اور سعادت کا دروازہ کھل جائے گا یہی وجہ ہے کہ جب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا پیش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہیں فرمائی اور یوں عرض کیا کہ بارِ الٰہا میں چاہتا ہوں کہ "ایک دن پیٹ بھرے تاکہ شکر ادا کروں اور ایک دن فاقہ ہوتا کہ صبر کروں۔"

چہارم: آخرت کی مصیبتوں اور عذاب کی تکلیفوں کا دنیا میں بھی کچھ مزہ چکھنا چاہیئے تاکہ ان کی اذیت سے نفس خبردار ہوکر ڈرے اور ظاہر ہے کہ بھوک سے زیادہ انسان اپنے نفس کو کوئی عذاب نہیں پہنچا سکتا کیونکہ اس میں کسی قسم کے تکلف اور سامان فراہم کرنے کی حاجت نہیں ہے اور جب بھوک کی وجہ سے عذاب الٰہی کا ہر وقت مشاہدہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ کی معصیت کی جانب توجہ بھی نہ ہوگی اور نافرمانی کی جرأت نہ ہوسکے گی۔

پنجم: تمام شہوتیں کمزور ہوجاتی ہیں کہ کسی خواہش کے پورا ہونے کی آرزو

نہیں رہتی اور دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں نے پیٹ بھر کر کھایا ہے تو ضرور کوئی نہ کوئی گناہ مجھ سے صادر ہوا یا کم سے کم گناہ کا قصد تو ہو ہی گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلی بدعت جو ایجاد ہوئی وہ پیٹ بھر کر کھانا ہے''۔ پس جب مسلمانوں کے پیٹ بھرنے لگے تو ان کے نفس ان کو دنیا کی طرف کھینچ لے گئے۔

ششم : زیادہ نیند نہیں آتی اور عبادت گراں نہیں گذرتی کیونکہ پیٹ بھر کے کھانے سے نیند کا غلبہ ہوا کرتا ہے اور نیند سے عمر بھی کم ہوتی ہے کیونکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرنے دیتی حضرت ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے شکم سیر ہو کر کھایا ہے ان میں چھ خصلتیں پیدا ہوئیں

۱ : عبادت کی حلاوت جاتی رہی۔

۲ : حکمت و فراست اور ذکاوت و نور معرفت کا حاصل ہونا دشوار پڑ گیا۔

۳ : مخلوقِ خدا پر شفقت اور ترس کھانے سے محرومی ہوئی کیونکہ سب کو اپنا ہی جیسا پیٹ بھرا ہوا سمجھا۔

۴ : معدہ بھاری ہو گیا۔

۵ : خواہشات نفسانی زیادہ ہو گئیں۔

۶ : یہ حالت ہو گی کہ مسلمان مسجدوں میں آ رہے ہوں گے اور یہ بیت الخلاء جا رہا ہو گا اللہ کے بندے بیت اللہ کا چکر لگائیں گے اور یہ کوڑیوں کا گشت کر رہا ہو گا۔

ہفتم : دنیوی تفکرات کم ہو جائیں گے اور فکر معاش کا بار ہلکا ہو جائے گا کیونکہ جب بھوک کی عادت ہو گئی تو تھوڑی سی دنیا پر قناعت کر سکے گا اور پیٹ

کی خواہش پورا کرنے کو دوسروں سے قرض نہ لے گا' بلکہ اپنے ہی نفس سے قرض مانگ لے گا یعنی اس کو خالی رکھے گا شیخ ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے جب کہا جاتا تھا کہ فلاں چیز گراں ہوگئی تو یوں فرمادیا کرتے تھے کہ "ترک کردو اور اس کی خواہش چھوڑ کر اس کو ارزاں بنادو"۔ اس سے زیادہ سستی چیز کیا ہوسکتی ہے کہ اس کو خریدا ہی نہ جائے۔

مقدار طعام کے مراتب

چونکہ شکم سیری اور زیادہ کھانے کی لوگوں کو عادت پڑی ہوئی ہے اس لئے یک لخت اس کا چھوڑنا دشوار ہے لہذا اپنی خوراک میں روزانہ ایک لقمہ کم کر دیا کرو تو مہینہ بھر میں ایک روٹی کم ہو جائے گی اور کچھ گراں بھی نہ گزرے گا اور جب اس کی عادت ہو جائے تو اب مقدار اور وقت اور جنس کی طرف توجہ کرو کہ رفتہ رفتہ اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاؤ۔

یاد رکھو کہ کھانے کی مقدار کے تین درجے ہیں۔

اعلیٰ درجہ صدیقین کا ہے یعنی بس اتنا کھانا چاہیے کہ جس سے کمی کرنے میں زندگی جاتی رہے یا عقل میں فتور آ جائے اس سے زیادہ کھانا اس مرتبہ میں گویا پیٹ بھر کر کھانا ہے جس کی ممانعت ہے۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی مختار ہے ان کی رائے یہ تھی کہ بھوک کے ضعف کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا شکم سیری کی قوت کے سبب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ روزانہ نصف مد یعنی دو تہائی رطل (ایک رطل چوالیس تولہ یعنی کچھ اوپر آدھ سیر کا ہوتا ہے) پر اکتفا کیا کرو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت تھی کہ ہفتہ بھر میں ایک صاع (ایک

صاع تخمیناً ساڑھے تین سیر انگریزی وزن کا ہوتا ہے) جو سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔

ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ روزانہ ایک مد کی مقدار کھاؤ اگر اس سے زیادہ کھاؤ گے تو پیٹ کے بندے سمجھے جاؤ گے اور چونکہ مقدار خوراک کے بارے میں لوگوں کی طبیعتیں اور حالات مختلف ہوتے ہیں لہٰذا سب کے لیے ایک مقدار معین نہیں ہو سکتی چنانچہ دیکھا جاتا ہے۔ بعض لوگ سیر بھر اناج کھا سکتے ہیں اور بعض آدمیوں سے پاؤ بھر بھی نہیں کھایا جاتا۔ اس لئے قاعدہ کلیہ یاد رکھو کہ جب اشتہائے صادق ہو تو کھانے کی جانب ہاتھ بڑھاؤ اور یہ اشتہا پوری نہ ہونے پائے کہ ہاتھ روک لو اور صادق اشتہا کی علامت یہ ہے کہ جیسی بھی روٹی سامنے آ جائے اس کو سالن اور ترکاری کے بغیر کھانے کی رغبت ہو کیونکہ جب خالص گیہوں کی خواہش ہوئی یا سالن کے بغیر روٹی کھانا گراں گذرا تو معلوم ہوا کہ بھوک کی سچی خواہش نہیں ہے بلکہ طبیعت کو لذت اور ذائقہ کی جانب ایسا میلان ہے جیسا شکم سیر ہونے کے بعد پھل یا میوہ کا ہوا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا نام بھوک نہیں ہے بلکہ تفکہ اور تلذذ (مزہ اور لذت حاصل کرنا) ہے۔

وقت اکل کے مختلف درجات

کھانے کے وقت میں بھی کئی درجے ہیں۔

اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ کم سے کم تین دن بھوکے رہ کر چوتھے دن کھایا کرو دیکھو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پے در پے چھ چھ دن تک بھوکے رہتے تھے اور حضرت ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ سات دن بھوکے رہنے کے عادی تھے اور بعض بزرگوں کے فاقہ کی نوبت چالیس دن تک پہنچی ہے اور یاد رکھو کہ جو شخص چالیس دن تک بھوکا رہے گا اس پر ملکوتی عجائبات اور اسرار میں سے کوئی راز ضرور منکشف ہوگا اور چونکہ یک لخت

اس کا حاصل کرنا بھی دشوار ہے اس لئے آہستہ آہستہ بھوک کی عادت ڈالو۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ دو دن بھوکے رہو اور تیسرے دن کھایا کرو۔

ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ روزانہ صرف ایک دفعہ کھاؤ کیونکہ دونوں وقت کھانے سے بھوک کی کبھی حاجت ہی نہ ہوگی پس جو شخص دو وقتہ کھانے کا عادی ہے اس کو تو بھوک کا مزہ ہی نہیں معلوم ہو سکتا کہ کیسا ہوتا ہے۔

جنس طعام کے مراتب مختلفہ

جنس میں اعلیٰ درجہ گیہوں کی روٹی کا ترکاری کے ساتھ کھانا ہے اور ادنیٰ درجہ جو کی روٹی کو بلا ترکاری کھانا۔ یاد رکھو کہ ترکاری کی عادت اور مداومت بہت بری ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی کہ صاحبزادے کبھی گوشت روٹی کھاؤ اور کبھی روٹی و گھی اور کبھی دودھ روٹی کبھی سرکہ روٹی کبھی زیتون کے ساتھ روٹی کھاؤ اور کبھی نمک کے ساتھ اور کبھی صرف روٹی پر قناعت کیا کرو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی ان لوگوں کے لیے ہے جن کو ترکاری کی ہمیشہ عادت ہے۔

سالکوں کو ترک لذائذ کی ضرورت

جو اہل طریقت اور سالک ہیں ان کو ترکاری کیا معنیٰ ساری ہی مزہ دار چیزوں اور خواہشوں کے پورا کرنے سے منع کیا جاتا ہے بعض بزرگوں نے ایک چیز کی خواہش کو دس دس اور بیس بیس برس روکے رکھا ہے اور پورا نہیں ہونے دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں بدتر لوگ وہ ہیں جن کے بدن عمدہ غذاؤں اور لذیذ طعام سے پرورش پائے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ہمتیں بس طرح طرح کے کھانوں اور قسم قسم کے لباس ہی کی جانب متوجہ ہیں کہ منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں بناتے ہیں اور کام کچھ بھی نہیں کرتے۔

❋❋❋❋❋❋❋

دوسری اصل

کثرتِ کلام کی ہوس
اور
فضول گوئی کا بیان

اس کا قطع کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ یوں تو اعضاء کے تمام کاموں کا اثر قلب پر پڑتا ہے مگر زبان چونکہ قلب کی سفیر ہے اور جو نقش قلب میں کھنچتا اور جس چیز کا تصور دل میں آتا ہے اس کا اظہار زبان ہی کیا کرتی ہے اس لئے اس کی تاثیر قلب پر زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔

فضول کلام کی عادت کا نقصان

یاد رکھو کہ جب زبان جھوٹی ہو جاتی ہے تو دل میں بھی صورت کاذبہ (جھوٹی) کی تصویر کھنچتی اور کجی آ جایا کرتی ہے خصوصاً جب کہ جھوٹ کے ساتھ فضول ولغوگوئی بھی شامل ہو تو اس وقت تو قلب بالکل ہی سیاہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کثرتِ کلام سے قلب مر جاتا ہے اور معرفت الٰہی حاصل کرنے کی قابلیت ہی اس میں نہیں رہتی اس وجہ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کا کفیل (ذمہ دار کہ ان سے گناہ نہ ہو کیونکہ اکثر گناہ انہی سے ہوتا ہے) ہو گیا میں اس کے لیے جنت کا کفیل ہوں"۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ زبان ہی کے کرتوت اکثر لوگوں کو

اوندھے منہ جہنم میں دھکیلیں گے لہٰذا اس کی حفاظت بہت ضروری ہے مسلمان کو چاہیئے کہ اگر زبان ہلائے تو نیک بات کہے اور کلمۃ الخیر (بھلائی کی بات) بولے ورنہ چپ رہے کیونکہ جب زبان زیادہ چلنے لگتی ہے تو لغو گوئی بڑھ جاتی ہے اور جب لغو گوئی بڑھ گئی تو اللہ جانے کس حد تک پہنچے اور کیا کچھ منہ سے بکتا پھرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے منہ میں پتھر رکھ لیتے تھے تا کہ نفس متنبہ (خبردار) رہے اور زبان ضرورت سے زیادہ کلام نہ کرے۔

فصل

زبان کے متعلق گناہوں سے بچنے کے لیے اس آیت پر عمل کرنا کافی ہے لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ جس کا خلاصہ منشا یہ ہے کہ فضول اور بے فائدہ کلام نہ کرو صرف ضروری بات کے اظہار پر اکتفا کرو اسی میں نجات ہے۔

کلامِ عبث کی ماہیت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک نوجوان شہید ہو گیا لڑائی سے فراغت کے بعد شہیدوں کی نعشوں میں اس کی نعش بھی ملی اور دیکھا گیا کہ اس کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا تھوڑی دیر بعد اس کی ماں آئی اور فاقہ کی حالت میں اللہ کے نام پر جان دینے والے شہید بیٹے کے پاس بیٹھ کر اس کے منہ سے مٹی پونچھی اور کہا کہ بیٹا تجھ کو جنت مبارک ہو یہ سن کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا خبر ہے؟ ممکن ہے کہ بے فائدہ کلام کرنے کا عادی ٭ ہو اس سے معلوم ہوا کہ فضول گوئی کی عادت جنت میں جانے سے روکنے والی چیز ہے۔ مسلمان کو وہی بات زبان سے نکالنی چاہیئے جس میں یا کوئی ثواب حاصل

٭ جس سے اس کے مرتبوں میں کمی آ جائے گو شہادت کا ثواب ہے اور حدیث میں اس ثواب کی نفی نہیں اور جنت سے روکنے کا مضمون مترجم صاحب نے بڑھایا ہے اصل عربی میں نہیں ہے۔

ہو اور یا کوئی نقصان رفع ہو اور جس بات کے زبان سے نکالنے میں نہ کوئی ثواب ہوتا ہے نہ کچھ نقصان رفع ہوتا ہے۔ تو وہ عبث اور فضول ہے اور اس سے احتراز کرنے کی ضرورت ہے جتنی دیر فضول گوئی میں مشغول رہتے ہو اگر یہ وقت ذکر الٰہی میں صرف ہو تو نیکیوں کا کتنا بڑا خزانہ جمع ہو جائے پھر بھلا خزانے کو چھوڑنا اور پتھر ڈھیلے جمع کرنا کون سی عقل مندی ہے اور اگر فضول گوئی سے بڑھ کر دروغ گوئی تک نوبت پہنچی اور زبان سے غیبت اور گالیاں اور فحش یعنی ایسی باتیں نکلنے لگیں جس میں نفع تو درکنار الٹا دین کا ضرر اور نقصان ہے تب تو ایسی مثال ہوگی کہ بھرپور خزانہ چھوڑ کر آگ کے الاؤ میں جا گھسے اللہ پناہ میں رکھے۔

ناول اور تاریخ وغیرہ کا مطالعہ

اس حالت سے تمام قصے کہانیاں سفرنامے۔ مختلف ملکوں کی تاریخیں اور باشندگان دنیا کے لباس و خوراک اور طرز معاشرت و تمدن کے تذکرے اور تجارتوں۔ حرفتوں۔ صنعتوں کے حالات سب اسی فضول اور عبث کلام میں داخل ہیں جس میں مشغول ہونا معیوب ہے اور آیت مذکورہ کے منشاء کے بالکل خلاف ہے۔

فصل

زبان کے متعلق بیس آفتیں ہیں اور چونکہ ہر ایک کی جدا جدا تشریح کا یہ موقع نہیں ہے اس لئے مختصر طور پر یہاں صرف ان پانچ گناہوں کو بیان کئے دیتے ہیں جن میں لوگ بکثرت منہمک ہیں اور جن سے زبان گویا نجاستوں کی خوگر ہوگئی ہے۔

پہلی آفت جھوٹ بولنا ہے حدیث میں آیا ہے کہ ”آدمی جھوٹ بولتا

ہے یہاں تک اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

ہنسی مذاق کا جھوٹ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جھوٹ بولنا مسلمانوں کی شان نہیں اور ایمان اور جھوٹ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے یاد رکھو کہ جھوٹ بولنے سے قلب میں کجی آ جاتی ہے اور خواب بھی سچے نظر نہیں آتے۔ مذاق میں بھی دوسروں کے ہنسانے کو جھوٹ نہ بولو اور ہمیشہ جھوٹے خیالات اور خطرات سے قلب کو بچائے رکھو ورنہ قلب میں کجی پیدا ہو جائے گی اور تجربہ اس کا شاہد ہے کہ ایسے آدمیوں کو خواب بھی سچا نظر نہیں آتا ایک مرتبہ کسی عورت نے اپنے صغیر سن بچے کو بلایا اور کہا کہ آؤ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ اگر بلانے سے بچہ آ گیا تو کیا چیز دے گی عورت نے کہا چھوہارے دے دوں گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کچھ دینے کا ارادہ نہ ہوتا اور صرف بہلانے کے لئے ایسا لفظ نکلتا تو یہ بھی زبان کا جھوٹ شمار ہوتا۔

کذب مصلحت آمیز کا جواز اور اس کی حکمت

البتہ ضرورت کے وقت جھوٹ بولنا بھی جائز ہے بشرطیکہ سچ بولنے سے کسی ایسے گناہ یا نقصان کا اندیشہ ہو جو جھوٹ کے گناہ و نقصان سے زیادہ ہے مثلاً دو مسلمانوں میں صلح کرا دینے یا جہاد میں دشمن کو دھوکہ دینے * یا بی بی کو رضامند اور خوش کرنے کے لئے جھوٹ بول دینے کی حدیث میں اجازت آئی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں میں عداوت

* اس سے بد عہدی مراد نہیں کہ وہ تو حرام ہے بلکہ دھوکہ یہ ہے کہ حالت عدم صلح میں ایسی کارروائی کی کہ غنیم کچھ اور سمجھا اور بے فکر ہو گیا اور اس نے اپنا کام نکال لیا۔ (اشرف علی)

اور رنج رہنے سے جو برا نتیجہ پیدا ہوگا وہ جھوٹ کے نقصان سے بڑھا ہوا ہے اس طرح جنگ کے راز پوشیدہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ اگر دشمن کو اطلاع ہوئی اس کو حملے کا موقع ملے گا اور ہزاروں پاک جانیں تلف ہو جائیں گی اس لئے اصل بات کا ظاہر نہ کرنا اور جھوٹی بات بنا دینا افضل ہوا اسی طرح خاوند کے بعض اسرار بی بی سے مخفی رہنے کے قابل ہیں پس اگر راست گوئی کے سبب کوئی خیال اس پر ظاہر ہو گیا اور میاں بی بی میں نا اتفاقی ہوگئی تو جو برا اثر پیدا ہوگا اس میں جھوٹ بولنے کی بہ نسبت زیادہ گناہ ہے۔ پس ایسی صورت میں جھوٹ بولنے کی اجازت ایسی ہے جیسے کوئی شخص دو بلاؤں میں مبتلا ہو جائے تو آسان اور ہلکی معصیت کو ترجیح دے کر اختیار کر لیتا ہے اسکی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے کسی شخص کے بھوکا مر جانے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے مردار بھی حلال ہے اسی طرح اپنا یا اپنے مسلمان بھائی کا مال ظالم کے ہاتھ سے بچانے کو یا کسی کی خفیہ رکھی ہوئی امانت کو محفوظ رکھنے کے لئے دوسروں کے سامنے انکار کر دینا اور جھوٹ بول دینا جائز ہے اور اپنی معصیت کا انکار کر دینا بھی اسی وجہ سے جائز ہے کہ فسق و فجور کا اعلان حرام ہے یا اپنی بیوی سے یہ کہہ دینا کہ میری دوسری بی بی تمہاری سوت مجھے تم سے زیادہ پیاری نہیں ہے یہ سب باتیں اسی بنا پر جائز ہیں کہ اس جھوٹ سے ایک ضرر دفع کیا گیا ہے۔

تحصیل مال و جاہ کے لئے جھوٹ بولنا حرام ہے

البتہ روپیہ کمانے یا عزت و جاہ حاصل کرنے کی غرض سے جھوٹ بولنا ہرگز حلال نہیں ہے کیونکہ اگر مال و جاہ نہ بڑھے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ سچ سے نفع

حاصل نہیں ہوتا اور نفع کا حاصل نہ ہونا نقصان نہیں کہلاتا اس باریکی کو اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور اکثر اس غرض کے لئے جھوٹ بولا کرتے ہیں حالانکہ یہ حرام قطعی ہے اور درحقیقت ان کے دین کی تباہی کا بھی سامان ہے کیونکہ ضرورت اور بے ضرورت میں تمیز نہیں کرتے' افسوس کی بات ہے کہ جاہلوں نے خیالی اور فرضی ضرورتوں کو بھی ضرورت سمجھ لیا ہے حالانکہ شرعی اور واقعی ضرورت جس کا نام ہے وہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جب تک حالتِ اضطرار اور کسی بڑے نقصان کا غالب گمان نہ ہو اس وقت تک مردار کا کھانا حلال نہیں ہے ایسے ہی جھوٹ بولنا جو شرعاً حرام ہے وہ بھی جائز نہیں ہے۔

ضرورت پر بھی توریہ کرنا چاہیئے نہ کہ صریح جھوٹ

اس شدید ضرورت کے موقع پر بھی حتی الامکان تعریض اور توریہ ہی کرنا چاہیئے کہ نفس کو جھوٹ بولنے کی عادت نہ ہو جائے۔ شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ گھر کے اندر کسی ضروری کام میں مشغول ہوتے اور کوئی شخص ان کو باہر بلاتا تو خادمہ سے کہتے تھے یوں کہہ دے کہ ''مسجد میں ڈھونڈو'' اور حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ انگلی سے ایک دائرہ کھینچ کر خادمہ سے فرماتے کہ ''اس دائرہ کے اندر انگلی رکھ کر کہہ دے کہ یہاں نہیں ہیں۔'' اس تعریض سے اپنا مقصد بھی حاصل ہو جاتا تھا اور حقیقت میں جھوٹ بھی نہ ہوتا تھا البتہ صورت جھوٹ کی سی تھی اور یہی تعریض و توریہ کہلاتا ہے اس قسم کی تعریضیں معمولی غرض کے لئے بھی جائز ہیں جب کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

مزاح وخوش طبعی میں توریہ کا استعمال

ایک بڑھیا عورت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح کے طور پر یوں فرمادیا تھا کہ "بڑھیا جنت میں کبھی نہ جائے گی" یہ سن کر بڑھیا رونے لگی کیونکہ جو مطلب ظاہری لفظوں سے سمجھ میں آتا تھا وہ یہی تھا کہ کوئی بڑھیا بھی جنتی نہیں ہے حالانکہ مراد یہ تھی کہ بڑھاپے کی حالت سے جنت میں نہ جائے گی بلکہ جو بڑھیا بھی جنت میں جائے گی وہ جوان بن کر جائے گی یا مثلاً ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لئے اونٹ مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا ٹھہرو ہم تمہیں اونٹ کا بچہ دیں گے یہ سن کر سائل نے عرض کیا کہ بچہ لے کر میں کیا کروں گا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریض کا مطلب سمجھا دیا کہ "میاں بڑا اونٹ بھی تو آخر کسی اونٹ سے ہی پیدا ہوا ہے جس اونٹ سے پیدا ہوا اس کا تو بچہ ہی ہے یا مثلاً ایک شخص سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری آنکھ میں سفیدی ہے" اور ظاہر ہے کہ سب کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے مگر چونکہ بظاہر یہ مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ پتلی میں عیب اور سفیدی کا مرض ہوتا ہے اس لئے سننے والے کو فکر لاحق ہو کر اچھا خاصا مزاح ہو گیا اس قسم کی تعریضیں بی بی بچوں سے خوش طبعی کے طور پر جائز ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص کھانا کھانے کی صلاح کرے اور تمہیں باوجود بھوک ہونے کے کھانا منظور نہ ہو تو یہ ہرگز نہ کہو کہ مجھے بھوک نہیں ہے کیونکہ جھوٹ ہوگا بلکہ تعریض کرلو اور یوں کہہ دو کہ میں اس وقت نہ کھاؤں گا آپ نوش فرمائیے وغیرہ۔

دوسری آفت غیبت کرنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "کیا تم میں سے

کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے'' ٭ غیبت کرنا متوفی مسلمان کا گوشت ہی کھانا ہے پس اس سے لازمی پرہیز کرو حدیث میں آیا ہے کہ ''غیبت زنا سے بھی سخت تر ہے'' رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''شب معراج میں میرا گذر ایسی جماعت پر ہوا جو اپنے منہ اپنے ناخنوں سے نوچ رہے تھے یہ لوگ غیبت کیا کرتے تھے''۔

غیبت کی حقیقت

کسی مسلمان کے پیٹھ پیچھے اس کے متعلق کوئی واقعی بات ایسی ذکر کرنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار گذرے غیبت کہلاتی ہے مثلاً کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا یا کسی کے حسب و نسب میں نقص نکالنا یا کسی کی کسی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس غرض جس شئے سے بھی اس کو تعلق ہو اس کا کوئی عیب ایسا بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار گذرے خواہ زبان سے ظاہر کی جائے یا رمز و کنایہ سے یا ہاتھ سے اور آنکھ کے اشارے سے یا نقل اتاری جائے یہ سب غیبت میں داخل ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر کسی عورت کا ٹھگنا ہونا ہاتھ کے اشارے سے ظاہر کیا اور یوں کہا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''وہ عورت جو اتنی سی ہے'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! تم نے اس کی غیبت کی ہے۔

مولویوں کا انداز غیبت

سب سے بدتر غیبت وہ ہے جس کا رواج مقتداء اور دین دار لوگوں میں ہو رہا ہے کیونکہ وہ غیبتیں کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں ان کی غیبتیں بھی نرالے انداز کی ہوتی ہیں مثلاً مجمع میں کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے اس نے ہم کو

٭ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جیسے مردہ کو تکلیف کا احساس نہیں ہوتا ایسے ہی جس کی غیبت کی جائے اسے بھی نہیں ہوا۔

امیروں کے دروازوں پر جانے سے بچا رکھا ہے ایسی بے حیائی سے اللہ پناہ میں رکھے۔ اس کلمہ سے جو کچھ ان کا مقصود ہے وہ ظاہر ہے کہ امراء کے پاس بیٹھنے والے مولویوں پر طعن کرنا اور ان کو بے حیا کہنا منظور ہے اور ساتھ ہی اپنی صلاحیت تقویٰ جتا رہے ہیں اور ریاء کاری کا گناہ کر رہے ہیں اسی طرح مثلاً کہنے لگے کہ فلاں شخص کی بڑی اچھی حالت ہے اگر اس میں حرصِ دنیا کا شائبہ نہ ہوتا جس میں ہم مولوی مبتلا ہو جاتے ہیں اس فقرہ سے بھی جو کچھ مقصود ہے وہ ذرا سے تامل میں سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اس کا بے صبرا ہونا ظاہر کرتے ہیں اور اپنی طرف حرص کی نسبت اس نیت سے کرتے ہیں کہ سننے والا ان کو متواضع سمجھے' اور یہی غیبت ہے ساتھ ہی ریاء کاری بھی ہے زیادہ تعجب تو اس پر ہوتا ہے یہ حضرات غیبت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو غیبت سے محفوظ اور پارسا سمجھتے ہیں یا مثلاً بول اٹھے سبحان اللہ بڑے تعجب کی بات ہے اور جب اتنا کہنے پر لوگوں نے اس بات کے سننے کے شوق میں ان کی جانب کان لگائے تو کہنے لگے'' کچھ نہیں فلاں شخص کا خیال آ گیا تھا اللہ تعالیٰ ہمارے اور اس کے حال پر رحم فرمائے اور توبہ کی توفیق دے۔'' اس فقرہ کا بھی جو کچھ منشاء ہے وہ عقل مند پر مخفی نہیں ہے کیونکہ ان کا یہ کلمہ ترحم وشفقت یا دعا کی نیت سے نہیں ہوتا جیسا کہ ظاہری الفاظ سے وہم پڑتا ہے اس لئے کہ اگر دعا کرنی مقصود ہوتی تو دل ہی دل میں کیوں نہ کر لیتے سبحان اللہ کہہ کر لوگوں کو متوجہ کرنا اور معصیت کا اشارہ کرنا ہی کیا ضروری تھا؟ یا کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا بھی کوئی شفقت یا خیر خواہی کی بات ہے؟ اسی طرح بعض لوگوں کی عادت ہے کہ غیبت سے منع کرتے ہیں کہتے ہیں کہ بھائی غیبت مت کیا کرو مگر دل ان کا غیبت کو مکروہ نہیں سمجھتا بلکہ اس نصیحت کرنے سے محض اپنی دینداری اور تقویٰ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اسی

طرح کسی مجمع میں غیبت ہوتی ہے تو ناصح اور پارسا بن کر کہنے لگتے ہیں ''میاں غیبت کرنا گناہ ہے اس سے ہم سننے والے بھی گناہ گار ہوتے ہیں یہ لوگ کہنے کو کہہ جاتے ہیں مگر دل ان کا مشتاق رہتا ہے کہ کاش یہ شخص ہماری نصیحت پر عمل نہ کرے جو کچھ کہہ رہا ہے کہے جائے اور ہمیں سنائے جائے بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ غیبت سننے کا انتظار بھی ہے اور پھر یوں بھی سمجھتے ہو کہ ہم منع کر کے گناہ سے سبکدوش ہو گئے۔ یاد رکھو کہ جب تک غیبت کرنے اور سننے کو دل سے برا نہ سمجھو گے تو اس وقت تک غیبت کے گناہ سے ہرگز نہ بچو گے۔ کیونکہ غیبت کرنے والا سننے والا دونوں برابر ہیں اور جس طرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح دل سے غیبت کرنا بھی حرام ہے البتہ چند صورتوں میں خاص لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے جس کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔

مظلوم کو ظالم کی غیبت کرنا جائز ہے

اوّل مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسر اعلیٰ تک پہنچائے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں ہے البتہ ظالم کے عیوب کا ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنہیں اس کو سزا دینے یا مظلوم کے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہ ہو بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے ایک بزرگ کی مجلس میں حجاج بن یوسف کا ذکر آ گیا تھا تو انہوں نے یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انصاف کے دن مظلوموں کا بدلہ حجاج سے لے گا اور حجاج کا بدلہ اس کی غیبت کرنے والوں سے لے گا اس لئے کہ بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جن کو حجاج کے کئے ہوئے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہیں ہے تو ایسے لوگوں کے سامنے حجاج کی غیبت کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔

بدعتی کی غیبت کرنا جائز ہے

دوم: کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلافِ شرع امر کے رفع کرنے میں مدد لینی ہو یا کسی کو اس کے فتنہ سے بچانا ہو تو اس سے بھی ان بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگرچہ ان کی غیبت کرنا ہے مگر جائز ہے۔

فتویٰ کی ضرورت سے کسی کی غیبت کرنا درست ہے

سوم مفتی سے فتویٰ لینے کے لئے استفتاء میں امر واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اس اظہار حال میں کسی کی غیبت ہوتی ہو، دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا خاوند ابوسفیان اتنا بخیل ہے کہ بقدر کفایت بھی مجھ کو خرچ نہیں دیتا اور ظاہر ہے کہ یہ ابوسفیان کی شکایت اور غیبت تھی مگر چونکہ مفتی شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا جا رہا ہے کہ اس صورت میں میرے لیے شریعت کیا حکم دیتی ہے لہٰذا اس غیبت میں کچھ حرج نہیں مگر یاد رکھنا چاہئے کہ اس صورت میں بھی یہ غیبت اسی وقت جائز ہے کہ جب اس وقت اپنا یا کسی مسلمان کا فائدہ مقصود ہو۔

دوسروں کو نقصان سے بچانے کے لئے غیبت کرنا جائز ہے

چہارم اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور تم کو علم ہو کہ اس معاملہ میں ناواقفیت کی وجہ سے اس کا نقصان ہے تو اس کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کا حال بیان کر دینا بھی جائز ہے اسی طرح قاضی کی

عدالت میں کسی گواہ کا کوئی عیب اس نیت سے ظاہر کرنا کہ صاحبِ حق کو اس مقدمہ میں میرے خاموش رہنے سے نقصان نہ پہنچے جائز ہے البتہ صرف اسی شخص سے ذکر کرنا جائز ہے جس کے نقصان کا اندیشہ ہو یا جس پر فیصلہ اور حکم وارد ہو۔

پنجم: اگر کوئی شخص ایسے نام ہی سے مشہور ہو گیا ہو جس میں عیب ظاہر ہوتا ہے مثلاً اعمش (چندھا) اعرج (لنگڑا) تو اس نام سے اس کا پتہ بتلانا غیبت میں داخل نہیں ہے پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلا دو تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔

ششم: اگر کسی شخص میں کوئی عیب ایسا کھلا ہوا پایا جاتا ہے کہ لوگ اس کا یہ عیب ظاہر کرتے ہیں تو اسے ناگوار نہیں گذرتا مثلاً مخنث یا ہیجڑا کہ ان کے اس فعل کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ان کو خیال بھی نہیں ہوتا تو یہ تذکرہ بھی غیبت سے خالی ہے البتہ اگر اس کو ناگوار گذرے تو حرام ہے۔ کیونکہ فاسق کے بھی کسی ایسے گناہ کا ذکر کرنا جو اس کو ناگوار گذرے بلا عذر خاص جائز نہیں ہے۔ (بشرطیکہ کھلم کھلا گناہ نہ کرتا ہو)

فصل

نفس کو غیبت سے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ غیبت کی سزا اور نقصان میں غور کرو حدیث میں آیا ہے کہ آگ جو گھاس میں اثر کرتی ہے غیبت اس سے جلد اور زیادہ اثر مسلمانوں کی نیکیوں میں کرتی ہے یعنی غیبت کرنے سے نیک اعمال جل جاتے ہیں اب ذرا سوچو کہ جب کوئی نیکوکار شخص جس نے دنیا میں مشقتیں اٹھا کر نیکیاں جمع کی تھیں جب قیامت کے دن اپنے نامۂ اعمال کورے دیکھے گا اور اس کو معلوم ہوگا کہ غیبت کی وجہ سے اس کی نیکیاں

اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ دی گئی ہیں جس کی وہ غیبت کیا کرتا تھا تو کس قدر حسرت وافسوس کرے گا۔

مسلمان کو سوچنے کے لئے اپنے ہی نفس کے عیوب بہتیرے ہیں؛

اس لئے مناسب ہے کہ جب فرصت ملے اپنی حالت پر نظر ڈالو اور جو عیب پاؤ اس کے رفع کرنے میں مصروف ہو جاؤ کہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کا موقع ہی نہ آئے اور یوں سمجھو کہ تمہارا ذرا سا عیب جتنا تم کو نقصان پہنچائے گا دوسرے کا بڑا عیب بھی تم کو اس قدر نقصان نہیں پہنچائے گا اور اگر تمہیں اپنا عیب نظر نہ آئے تو یہ خود ایسا عیب ہے جس کے برابر کوئی عیب نہیں کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں ہے پس اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا تو بڑا سخت عیب ہے اس لئے اول اس کا علاج کرو اور اس کے بعد جو عیب نظر آتے جائیں ان کی تدبیر کرتے رہو اور اگر اتفاقاً اس پر بھی کسی شخص کی غیبت ہو جائے تو اللہ سے توبہ جدا کرو اور اس شخص کے پاس جا کر غیبت کی خطا معاف کراؤ اور اگر اس سے نہ مل سکو تو اس کے لئے دعائے مغفرت مانگو اور خیرات کر کے اس کی روح کو ایصال ثواب کرو۔ غرض چونکہ تم نے غیبت کر کے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہے اس لئے جس طرح ممکن ہو اس ظلم کی جلد تلافی کرو۔

تیسری آفت فضول جھگڑا کرنا ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مسلمان باوجود حق پر ہونے کے جھگڑے سے دست بردار ہو جائے تو اس کے لیے جنت میں اعلیٰ محل تیار ہوگا یہ بالکل صحیح ہے کہ بر سر حق ہو کر خاموش ہو بیٹھنا بہت دشوار ہے اور اسی لیے حق پر ہو کر جھگڑے سے علیحدہ ہو جانا ایمان کا کمال شمار کیا گیا ہے۔

جھگڑے اور نزاع کی حقیقت جان لو کسی بات پر اعتراض کرنا اور اس کے لفظ یا معنی میں غلطی اور نقص نکالنا جھگڑا کہلاتا ہے اور اکثر یہ دو وجہ سے ہوتا ہے یعنی یا تو کبر کی بنا پر کہ اپنی بڑائی اور لسانی یا تیز زبانی کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور یا دوسرے شخص کو چپ کرانے اور عاجز بنا دینے کا شوق ہو جاتا ہے اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ جو بات واقعی اور حق ہو تو اس کو تسلیم کرے اور جتنی خلاف واقع یا غلط ہو تو اس پر سکوت اختیار کرے البتہ اگر اس غلطی کے ظاہر کرنے میں کوئی دینی فائدہ ہو تو اس وقت سکوت جائز نہیں ہے مگر پھر بھی اس کا ضرور خیال رکھے کہ جو کچھ بیان کرے وہ نرمی اور سہولت سے بیان کرے تکبر اور سختی کے ساتھ نہ کہے۔

چوتھی آفت مذاق اور دل لگی کرنا اور زیادہ ہنسنا ہنسانا ہے۔ اس سے قلب مردہ ہو جاتا ہے اور ہیبت و وقار جاتا رہتا ہے ایسا شخص لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے اور بسا اوقات دوسروں کو اس کے ساتھ کینہ و عداوت بھی پیدا ہو جاتی ہے نور معرفت میں تاریکی آ جاتی ہے اور تحت الثریٰ (زمین کے نیچے) میں پھینک دیا جاتا ہے۔

شائستہ مزاح جائز ہے البتہ تھوڑے مزاح (ہنسی کی بات) میں کچھ مضائقہ نہیں خصوصاً اگر بیوی بچوں کا دل خوش کرنے کو ہو تو سنت ہے کیونکہ ایسا مزاح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے۔ مگر وہ مزاح درحقیقت واقعی بات تھی کسی قسم کا جھوٹ نہ ہوتا تھا۔ مثلاً ایک بڑھیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورت کوئی نہ جائے گی اس کا مطلب یہ تھا کہ جنت میں جو بھی عورت جائے گی وہ

جوان ہو کر جائے گی یا مثلاً حضرت صہیب رضی اللہ عنہ لڑکے تھے اور انہوں نے لال پال رکھا تھا اتفاق سے لال مر گیا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کہو جی ابو عمیر تمہارا لال کیا ہوا؟" اسی طرح ایک دفعہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ چھوہارا کھا رہے تھے اور ان کی ایک آنکھ دکھتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں صاحب آنکھ تو دکھتی ہے اور چھوہارا کھا رہے ہو۔ انہوں نے مزاحاً جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری طرف سے کھا رہا ہوں یعنی جس طرف کی آنکھ دکھتی ہے اس ڈاڑھ سے نہیں کھاتا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محض دل جوئی اور خوش طبعی کے طور پر دوڑے بھی ہیں غرض ایسے مزاح میں کچھ حرج نہیں ہے البتہ اس کی عادت ڈالنی اچھی نہیں ہے۔

پانچویں آفت مدح کرنا ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا اکثر واعظوں اور دنیا دار مسلمانوں کی عادت ہے کہ مالدار اور صاحب جاہ و حشم لوگوں کی تعریفیں کرتے ان کی شان میں مدحیہ قصیدے لکھتے اور ان کو نذرانے کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ اس میں چار خرابیاں مداح (بہت تعریف کرنے والا) کے حق میں ہیں اور دو برائیاں ممدوح (جس کی تعریف کی جائے) کے حق میں۔

مدّاح کے حق میں مدح سرائی کا نقصان

مدح خواں کی خرابیاں تو یہ ہیں:

اوّل ایسی باتیں بیان کی جاتی ہیں جو واقع کے خلاف ہوتی ہیں اور جن کا ممدوح میں نشان بھی نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ یہ صریح جھوٹ ہے جو کبیرہ گناہ ہے۔

دوم محبت کا لمبا چوڑا اظہار کرتے ہیں حالانکہ دل میں خاک بھی محبت نہیں

ہوتی اور یہ صریح ریاء اور نفاق ہے جو گناہ و حرام ہے۔

سوم اٹکل کے تیر چلائے جاتے ہیں اور جو بات یقینی طور پر معلوم نہیں تخمین و گمان (اٹکل) کی بنا پر ان کو واقعی ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ آپ بڑے متقی ہیں نہایت منصف ہیں حالانکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی کی مدح کرنی ہو تو یوں کہا کرے کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ ایسے ہیں * کیونکہ ظنی باتوں کو واقعی بنانا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

چہارم اگر ظالم اور فاسق کی مدح کی جاتی ہے اور وہ اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے تو فاسق کو خوش کرنے والا مداح بھی فاسق اور نافرمان ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ "فاسق کی تعریف سے اللہ تعالیٰ کا عرش کانپ اٹھتا ہے" حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فاسق کی زندگی و عمر کی زیادتی کی دعا کرنے والا شخص بھی فاسق ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ فسق و فجور قائم اور دنیا میں مدت تک باقی رہے۔ ظالم اور فاسق شخص کی تو مذمت کرنی چاہیئے تاکہ گھبرا کر ظلم و معصیت چھوڑ دے نہ کہ تعریف۔

اور ممدوح کو جو دو نقصان پہنچتے ہیں وہ یہ ہیں۔

مدح سرائی کا ممدوح کو نقصان

اوّل: یہ کہ ممدوح مغرور ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو قابل تعریف سمجھنے لگتا ہے حالانکہ یہ اس کی ہلاکت و تباہی کی جڑ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مجمع میں اپنے دوست کی تعریف کی تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی" مطلب یہ ہے کہ اس کے نفس میں خود پسندی اور بڑائی پیدا کر کے اس کو ہلاک کر دیا۔"

* جب کہے کہ واقع میں میں ایسا سمجھتا ہوں تو جھوٹ ہوگا

دوم اپنی تعریف سن کر پھولتا اور اعمال خیر میں سست پڑ جاتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان بھائی کو کند چھری سے ذبح کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اس کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے کیونکہ قتل سے تو دنیا ہی کی زندگی تلف ہوگی اور ان برے نتیجوں سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے آخرت کی باعظمت زندگی برباد ہو جائے گی البتہ ان مضرتوں کا اندیشہ نہ ہو تو تعریف میں کچھ حرج بھی نہیں ہے۔ بلکہ بعض اوقات مستحب اور باعث اجر ہے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح فرمائی ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمام دنیا کے ایمان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کا ایمان وزنی رہے گا۔ ❊ نیز فرماتے ہیں کہ ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر (رضی اللہ عنہ) بن الخطاب ہوتے''۔ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نبوت و رسالت کی قابلیت کا اظہار فرمایا۔ پس چونکہ صحابہ (رضوان اللہ عنھم) میں خود پسندی اور کوتاہی عمل کا اندیشہ نہ تھا اس لئے ان میں نشاط پیدا کرنے کے لئے یہ مدح مستحب تھی کہ ان کی طاعات میں ترقی کا وسیلہ تھی۔

فصل

مدح سے تکبر پیدا ہونے کا علاج

اگر کسی شخص کی کوئی مدح کرے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے اعمال اور خطرات و وساوس کا دھیان کرے اور سوچے کہ اللہ جانے میرا انجام کس حالت پر ہوتا ہے۔ واقعی یہ خوبیاں جو یہ شخص بیان کر رہا ہے اگر مجھ میں موجود بھی ہیں تو بھی ان کا کیا اعتبار۔ نیز اپنی باطنی بیماریوں اور عیوب پر نظر کرے اور خیال کرے کہ یہ پوشیدہ عیب ایسے ہیں کہ اگر اس مداح کو معلوم ہو

❊ انبیاء کے علاوہ کیونکہ ہر نبی کا ایمان تمام ولیوں سے زیادہ وزنی ہے

جائیں تو میری مدح کبھی نہ کرے غرض مسلمان کو چاہیے کہ اپنی تعریف سن کر خوش نہ ہو بلکہ اس کو دل سے مکروہ سمجھے۔اسی کی جانب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ"مداح کے منہ میں مٹی بھر دو"حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جب مدح ہوتی تھی تو یوں دعا مانگتے تھے کہ بارالہا میرے جو گناہ انہیں معلوم نہیں وہ بخش دیجیے اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس کا مجھ سے مواخذہ نہ کیجیے اور مجھے ان کے گمانوں سے بہتر بنا دیجیے میں جیسا ہوں آپ ہی خوب جانتے ہیں یہ نہیں جانتے۔

*****

تیسری اصل

غصّہ کا بیان

غصہ آگ کا شعلہ ہے اس کا زور توڑنا بھی ضروری ہے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ" کسی شخص کے پچھاڑنے سے آدمی پہلوان نہیں ہوتا بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو پچھاڑ دے۔"

یاد رکھو کہ جس طرح تلخ ایلوے سے میٹھا شہد بگڑ جاتا ہے اسی طرح غصہ سے ایمان بگڑ جاتا ہے غصہ بری بلا ہے یہی مار پیٹ گالی گلوچ اور زبان درازی جیسے کھلے گناہ کرا دیتا ہے اور اسی سے کینہ۔ حسد۔ بدگمانی اور افشائے راز (راز ظاہر کرنا) ہتک عزت (عزت کو رسوا کرنا) کے عزم کی باطنی معصیتیں ہوتی ہیں غصہ کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنے مسلمان بھائی کا خوش کرنا ناگوار گزرتا ہے اور اس کا رنج و تکلیف میں رہنا پسند آتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب تباہ کن معصیتیں ہیں۔

فصل

غصّہ کا علاج

اس کا علاج دو طرح کرنا چاہیئے۔

اوّل: تو ریاضت اور مجاہدہ سے اس کو توڑنا چاہیئے مگر توڑنے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ غصہ کا مادہ ہی نہ رہے اس لئے کہ اگر مادہ ہی جاتا رہے گا تو کفار سے جنگ اور جہاد کیونکر ہوگا اور فساق و فجار اور مبتدعین کی خلاف شرع باتوں پر ناگواری کس طرح ہوگی ناجائز افعال دیکھ کر غصہ آتا تو

ضروری اور شرع کا عین مقصود ہے لہٰذا غصہ کے توڑنے اور ریاضت کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کو مہذب اور عقل وشرع کا تابعدار بنالیا جائے اور ایسا کردیا جائے جیسا کہ شکاری کتا ہوتا ہے کہ جب اس کا مالک اس کو بھگاتا ہے تو وہ بھاگتا ہے اور جب وہ کسی پر حملہ کراتا ہے تو حملہ کرتا ہے ورنہ چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے۔ یہی حالت غصہ کی ہونی چاہیئے اگر شریعت حکم دے اور غصہ کو بھڑکائے تو فوراً بھڑک اٹھے اور اپنا کام کرے ورنہ چپ رہے اور بے حس و حرکت پڑا رہے۔

غصہ کو مہذّب اور مسخر بنانے کی ترکیب

غصہ کو ایسا مہذب بنانے کی تدبیریں یہ ہیں کہ نفس کی باگ روکو۔ حلم و برداشت کی عادت ڈالو۔ اور جب کوئی غصہ پیدا کرنے والا واقعہ پیش آئے تو نفس پر جبر کیا کرو اور غصہ کو بھڑکنے نہ دو۔ پس یہی وہ ریاضت ہے۔ جس سے غصہ مطیع وفرماں بردار بن جائے گا۔

دوم غصہ کے جوش کے وقت ضبط سے کام لو اور اس کو پی جاؤ اور اس کا ایک علاج علمی ہے اور ایک عملی۔

علمی علاج تو یہ ہے کہ غصہ کے وقت سوچو کہ غصہ کیوں آتا ہے ظاہر ہے کہ اس کا سبب حکم خداوندی میں دخیل ہونا اور دست اندازی کرنا ہے کیونکہ غصہ کرنے والے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام میری مرضی کے موافق کیوں نہ ہوا اور ارادۂ خداوندی کے موافق کیوں ہوا؟ اب تم ہی بتاؤ کہ یہ حماقت ہے یا نہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو اپنے ارادہ اور منشاء کے تابع بنانا

چاہتے ہو۔ یاد رکھو کہ خدا کے حکم کے بغیر ذرہ نہیں ہل سکتا پھر تم اس میں دخل دینے والے اور اس کو ناگوار سمجھنے والے کون؟

دوسرے اس بات کا خیال رکھو کہ میرا اس شخص پر کیا حق ہے؟ اور اللہ کا مجھ پر کیا حق ہے؟ اور پھر اللہ کا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ اور تم اس شخص کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہتے ہو؟ ظاہر ہے کہ تم جس شخص پر غصہ کر رہے ہو اس کے مالک نہیں ہو۔ خالق نہیں ہو۔ رزق تم اس کو نہیں دیتے۔ حیات تمہاری دی ہوئی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے تم پر ہر قسم کے حقوق ہیں کہ تم ہر طرح سے اس کے محکوم و مملوک ہو اور احسان مند ہو بایں ہمہ تم اپنے مالک حقیقی کی بیسیوں خطائیں اور نافرمانیاں رات دن کرتے ہو اور باوجود اس احسان و استحقاق کے وہ سب کو برداشت کرتا ہے اگر ایک قصور پر بھی سزا دے تو کہیں تمہارا ٹھکانہ نہ رہے اور تمہارا حالانکہ کسی پر بھی حق نہیں ہے پھر یہ حالت ہے کہ ذرا سی خلاف طبع حرکت پر غصہ سے باہر ہوئے جاتے ہو اور اس کو دنیا سے ناپید کر دینے کے لیے تیار ہو۔ کیا تمہاری اطاعت و رضا مندی اللہ کی عبادت و حکم سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

عملی علاج یہ ہے کہ جب غصہ آئے تو "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھو کیونکہ غصہ شیطانی اثر ہے اور شیطان کے شر سے جب پناہ مانگی جائے گی تو وہ اثر زائل ہو جائے گا نیز اپنی حالت بدل دو۔ یعنی اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ اور اگر اس سے بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو وضو کر لو اور اپنا رخسارہ زمین پر رکھ دو تاکہ تکبر ٹوٹے اور عزت والا عضو جب زمین پر رکھا جائے

تو نفس مرے کیونکہ حدیث میں آیا ہے'' اللہ کے نزدیک سب سے بہتر گھونٹ جو مسلمان پیتا ہے وہ غصہ کا گھونٹ ہے۔''

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ'' جس مسلمان کو اپنے بی بی بچوں یا ایسے لوگوں پر غصہ آئے جن پر اپنا غصہ جاری کر سکتا اور سزا دے سکتا ہے اور وہ اس کو ضبط کر جائے اور تحمل سے کام لے تو اللہ تعالیٰ اس کا قلب امن اور ایمان سے لبریز فرمادے گا''

یاد رکھو کہ تحمل کی بدولت مسلمان شب بیدار۔ روزہ دار۔ عابد و زاہد کا مرتبہ پالیتا ہے۔

*****

چوتھی اصل

حسد کا بیان

حسد کی حقیقت

حسد کے یہ معنی ہیں کہ "کسی شخص کو فارغ البالی یا عیش و آرام میں دیکھ کر کڑھے اور اس کی نعمت کے جاتے رہنے کو پسند کرے" حسد کرنا حرام ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے پر نعمت دیکھ کر حسد کرنے والا گویا میری اس تقسیم سے ناراض ہے جو میں نے اپنے بندوں میں فرمائی ہے ٭ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح سوکھی لکڑیوں کو آگ جلا دیتی ہے" البتہ ایسے شخص پر حسد کرنا جائز ہے جو اللہ کی دی ہوئی نعمت کو ظلم یا معصیت میں خرچ کر رہا ہو مثلاً مال دار ہو اور شراب خوری و زنا کاری میں اڑا رہا ہو لہٰذا ایسے شخص سے مال چھن جانے کی آرزو کرنا گناہ نہیں ہے کیونکہ یہاں درحقیقت مال کی نعمت چھن جانے کی تمنا نہیں ہے بلکہ اس فحش و معصیت کے بند ہو جانے کی آرزو ہے اور اس کی شناخت یہ ہے کہ اگر مثلاً وہ شخص اس معصیت کو چھوڑ دے تو اب اس نعمت کے جاتے رہنے کی آرزو بھی نہ رہے۔

یاد رکھو کہ عموماً حسد کا باعث یا تو نخوت (تکبر) و غرور ہوتا ہے اور یا عداوت و خباثتِ نفس کہ بلاوجہ اللہ کی نعمت میں بخل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے۔

٭ یہ آیت نہیں بلکہ زکریا علیہ السلام کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں۔

غبطہ جائز ہے البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور چاہنا کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی ہی حاصل ہو جائے غبطہ کہلاتا ہے اور غبطہ شرعاً جائز ہے کیونکہ غبطہ میں کسی کی نعمت کا ازالہ (دور کرنا) مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس جیسی نعمت کے اپنے آپ کو حاصل ہو جانے کی تمنا ہوتی ہے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

فصل

حسد قلبی مرض ہے اس کا علاج ایک علمی ہے اور ایک عملی۔

حسد کا علمی علاج علمی علاج تو یہ ہے کہ حاسد کو جاننا چاہیے کہ اس کا حسد اسی کو نقصان پہنچا رہا ہے اس محسود (حسد کیا ہوا) کا جس پر حسد کر رہا ہے کچھ بھی نہیں بگڑتا بلکہ اس کا تو اور نفع ہے کہ حاسد کی نیکیاں مفت میں اس کے ہاتھ آ رہی ہیں برخلاف حاسد کے کہ اس کے دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی۔

دین کا نقصان تو یہ ہے کہ اس کے کیے ہوئے نیک اعمال حبط (ساقط) ہوئے جاتے ہیں نیکیاں چلی جاتی ہیں اور حق تعالیٰ کے غصے کا نشانہ بنا ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وسیع خزانہ کی بے شمار نعمتوں میں بخل کرتا ہے اور چاہتا ہی نہیں کہ دوسرے پر انعام ہو۔

دنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا اور اسی فکر میں گھلتا رہتا ہے کہ کسی طرح فلاں شخص کو ذلت و افلاس نصیب ہو پس جس پر حسد ہے اس کے لئے بھی خوشی کا مقام ہے کہ مجھے رنج پہنچانا چاہتے تھے اور خود ہر وقت کے رنج میں گرفتار ہو گئے لہٰذا اس کے حسد سے اس کی تو مراد پوری ہو گئی اور

حسد کرنے والا بڑے خسارہ میں رہا تم ہی سوچو کہ تمہارے حسد کرنے سے محسود کو کیا نقصان ہوا؟ ظاہر ہے کہ اس کی نعمت میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔ بلکہ اور نفع ہوا کہ تمہاری نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو گئیں کیسا الٹا قصہ ہوا حاسد چاہتا تو یہ تھا کہ محسود دنیا میں تنگ دست ہو جائے اور نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی نعمتیں بحال رہیں اور دین کی نعمت نفع میں ملی اور حاسد نے عذاب آخرت بھی سر رکھا اور اپنی قناعت و آرام کی زندگی کو رخصت کر کے ہر وقت کی خلش اور دنیوی کوفت خریدی یہ تو ایسی صورت ہوگئی کہ دشمن کے ڈھیلا مارنا چاہتا تھا اور وہ اپنے ہی آ لگا۔ کہ جس سے اپنی آنکھ پھوٹ گئی اور طرہ یہ کہ دشمن یعنی شیطان کو بھی ہنسنے کا موقع مل گیا خصوصاً اگر کسی عالم یا متقی پر حسد کیا جائے کہ اس کا علم و تقویٰ زائل ہونے کی تمنا ہو تو یہ حسد سب سے زیادہ برا اور بدتر ہے۔

حسد کا عملی علاج

عملی علاج حسد کا یہ ہے کہ حسد کا مقصود تو یہ ہے کہ تم محسود کی عیب جوئی کرو اور رنج و غم کے گھونٹ رات دن پیو لہٰذا تم نفس پر جبر کرو اور قصداً اس کے منشا کی مخالفت کر کے اس کی ضد پر عمل کرو یعنی محسود کی تعریفیں بیان کرو اور اس کے سامنے تواضع اور اس نعمت پر خوشی و مسرت کا اظہار کرو جو اسے مرحمت ہوئی ہے جب چند روز بہ تکلف ایسا کرو گے تو محسود کے ساتھ تم کو محبت پیدا ہو جائے گی اور جب عداوت جاتی رہے گی تو حسد بھی نہ رہے گا اور اس رنج و غم سے تم کو نجات مل جائے گی جس میں حسد کی وجہ سے تم مبتلا ہو رہے تھے۔

فصل

شائد تم کو یہ شبہ لاحق ہو کہ دوست میں اور دشمن میں فرق ہونا تو

انسان کا طبعی امر ہے اور اپنی اختیاری بات نہیں کہ جس طرح اپنے دوست کو راحت میں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے اسی طرح دشمن کو بھی راحت میں دیکھ کر مسرت ہوا کرے اور جب اختیاری بات نہیں ہے تو انسان اس کا مکلف بھی نہیں ہو سکتا لہٰذا میں کہتا ہوں کہ بے شک اتنی بات صحیح ہے اور اگر اسی حد تک بات رہے تو گناہ بھی نہیں لیکن اس کے ساتھ جتنی بات اختیاری ہے اس سے بچنے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور وہ دو امر ہیں:۔

اوّل: یہ کہ یہ اپنی زبان اور اعضاء اور افعال اختیاریہ میں حسد کا اثر مطلق نہ ہونے دو۔ بلکہ نفس پر جبر کر کے اس کی ضد پر عمل کرو جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

دوم: یہ کہ نفس میں جو حسد کا مادہ موجود ہے جو اللہ کی نعمتوں کو بندوں پر دیکھنی پسند نہیں کرتا اس کو دل سے مکروہ سمجھو اور یہ خیال کرو کہ یہ خواہش دین کو برباد کر دینے والی ہے۔

ان دو باتوں کے بعد اگر طبعی امر باقی رہے یعنی دل بے اختیار چاہے کہ دوست خوش حال رہیں اور دشمن پامال ہوں تو اب اس کا خیال نہ کرو کیونکہ جب اس کے ازالہ پر تم کو قدرت نہیں ہے تو اس پر گناہ بھی نہیں ہوگا مگر دل کی ناگواری ضروری بات ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر محسود کی نعمت کے زائل کرنے پر تم کو قدرت حاصل ہو جائے تو اپنی طبیعت سے تمہاری خواہش یہی ہو کہ کاش اس کی نعمت چھن جائے مگر اپنے ہاتھ پاؤں سے ایسا انتظام نہ کرو یا مثلاً محسود کی نعمت کے قائم رہنے یا بڑھانے میں مدد دے سکتے ہو تو باوجود اس کے ناگوار گذرنے کے اس کو مدد دو اگر ایسی حالت ہو جائے تو سمجھ

لو کہ جہاں تک اختیار اور قابو ہے یہاں تک ہم نے اللہ کے حکم پر عمل کر لیا اور سبکدوش ہو گئے ایسی صورت میں طبعی بات کا دور کرنا اپنے قبضہ میں نہیں ہے اور موجود تو ہے مگر چونکہ اختیاری کاموں نے اس کو چھپا اور دبا لیا ہے اس لئے گویا کالمعدوم (نہ ہونے کی سی) ہو گئی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جن کی نظر عالم دنیا سے اٹھ جاتی ہے تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ دنیا بھی ناپائیدار ہے اور اس کی تمام نعمتیں بھی فنا ہونے والی ہیں پس اگر اپنا دشمن فراخی یا وسعت و آرام ہی میں ہے تو کتنے دن کے لئے۔ اگر اعمال کے سبب مرنے کے بعد دوزخ میں جانے والا ہے تو اس کم نصیب کو اس چند روزہ آرام سے کیا نفع؟ اگر جنتی ہے تو جنت کی نعمتوں کو اس ناپائیدار نعمت سے کیا مناسبت۔ پس حسد کرنا اور دشمن کو دنیا کی کسی خوشی میں دیکھ کر جلنا بہر حال محض بے سود اور عبث ہوا۔ ساری مخلوق اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے اور سارے آدمی اپنے پیارے اللہ کے غلام ہیں پس محبوب کی طرف سے جو انعام ہوں ان کے اثرات ان کے غلاموں پر بھی ظاہر ہونے چاہئیں لہذا جس کسی پر بھی تمہارے قدرت والے محبوب کی عطاؤں کے آثار ظاہر ہوں تمہارے لئے خوش ہونے کا مقام ہے نہ کہ رنج اور حسد کرنے کا۔

*****

پانچویں اصل

بخل اور مال کی محبت کا بیان

بخل بھی ایک بڑا مہلک مرض ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمت میں بخل کرتے ہیں وہ اس کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ ان کے لئے نہایت برا ہے کیونکہ جس میں بخل کریں گے اس کا طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔“ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ”اپنے آپ کو بچاؤ بخل سے کہ اس نے پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا ہے“

پس مسلمان کے شایان شان نہیں کہ بخل کرے اور جہنم میں جاوے اور چونکہ بخل درحقیقت مال کی محبت ہے اور مال کی محبت قلب کو دنیا کی طرف متوجہ کر دیتی ہے جس سے اللہ کی محبت کا علاقہ ضعیف و کمزور ہو جاتا ہے اور بخیل مرتے وقت حسرت بھری نظروں سے اپنا جمع کیا ہوا محبوب مال دیکھتا اور جبراً قہراً آخرت کا سفر کرتا ہے اس لئے اس کو خالق جل جلالہٗ کی ملاقات محبوب نہیں ہوتی اور حدیث میں آیا ہے کہ ”جو شخص مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ملاقات پسند نہ کرے وہ جہنمی ہے“ جس شخص کے پاس مال نہ ہو وہ بخیل تو نہیں ہے مگر یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے قلب میں مال کی محبت ہو اور اس آرزو میں ہو کہ کاش مالدار ہو جائے اسی طرح بعض اہل ثروت سخی ہوتے ہیں مگر چونکہ سخاوت سے ان کو محض اپنی شہرت اور مدح مقصود ہوتی ہے اس لئے ان پر اگرچہ بخل کی تعریف صادق نہیں آتی مگر حب مال کا مضمون ضرور صادق آتا ہے پس بخل کے علاج کے

ساتھ حبِّ مال کا بھی علاج ہو جانا چاہیے یاد رکھو کہ مال کی محبت اللہ کے ذکر سے غافل بنا دیتی ہے یہ مال مسلمانوں کے لیے بڑا فتنہ ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''جب انسان مرتا ہے تو فرشتے پوچھتے ہیں کہ کیا چھوڑا؟ پس اگر زندگی میں مال خرچ کر کے آخرت کا کچھ ذخیرہ جمع کر لیا تھا تو مرتے وقت خوش ہوگا کہ بھیجا ہوا مال وصول کرنے کا وقت آ گیا ورنہ رنجیدہ ہوگا اور اس پر مرنا بہت ناگوار گذرے گا۔ روپیہ کا بندہ تباہ ہو۔ نگوں سار (شرم سے سر جھکائے ہوئے) ہو۔ اس کے کانٹا چبھے تو نکالنے والا نہ ملے''۔ یہ حدیث کا مضمون ہے اب تم ہی سوچو کہ جس کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بددعا دیں اس کا کہاں ٹھکانہ؟

فصل

مال مطلقاً مذموم نہیں ہے اور مذموم کیسے ہو سکتا ہے جب کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے کہ ساری مخلوق جسم کے گھوڑے پر سوار ہو کر سفر آخرت طے کر رہی ہے اور سواری کو اس مسافر خانہ دنیا میں گھاس دانہ کی ضرورت ہے اور وہ مال کے بغیر نہیں مل سکتا کیونکہ جب تک پیٹ نہ بھرے اس وقت تک عبادت نہیں ہو سکتی لہٰذا قوت و حیات قائم رکھنے کی مقدار کے موافق حاصل کرنا ضروری ہوا۔

ضرورت سے زائد مال کے مضر ہونے کی وجوہات

البتہ اس سے زیادہ مال و متاع ہلاکت کا سامان ہے کیونکہ مسافر بقدر ضرورت ہی توشہ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور جہاں بوجھ زیادہ ہوا تو سفر کرنا بھی اس کو مشکل پڑ جاتا ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) مجھ سے ملنا ہو تو اتنی ہی دنیا پر قناعت کرو جتنا مسافر کا توشہ ہوتا ہے کہ جب تک پیوند نہ لگ جایا

کرے اس وقت تک کرتہ نہ اتارا کرو۔ الٰہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلقین کی معاش بقدر کفایت ہی رکھیو اور زیادہ نہ دیجیو ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔"

ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنا تین وجہ سے مضر ہے

اوّل مال کی وجہ سے معصیت پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور قدرت کے ہوتے ہوئے صبر کرنا اور گناہ سے بچنا بہت دشوار ہے۔ اور جب ضرورت سے زیادہ مال ہی نہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ گناہ پورا نہ ہو سکے گا۔

دوم: اگر متمول شخص عابد و زاہد بھی ہو اور مباح ہی لذتوں میں پیسہ خرچ کیا تب بھی اتنا نقصان اس کو ضرور پہنچا کہ اس کے جسم نے چونکہ لذیذ نعمتوں سے پرورش پائی اس لئے لذتوں کا خوگر ہو گیا اور مال کو چونکہ پائیداری نہیں ہے۔ اس لئے اپنی عادتوں کے نباہنے کو مخلوق کا محتاج بنا رہے گا اور کیا عجب ہے کہ ظالموں اور فاسقوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا یا ان کی چاپلوسی کرنی پڑے تاکہ جن لذتوں کا عادی ہو گیا ہے وہ مرتے دم تک حاصل ہوتی رہیں اور جب یہ ہوا تو اب نفاق، جھوٹ، ریاء، عداوت، بغض اور حسد سب ہی ظاہر ہوں گے اس لئے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے" اور جب ضرورت سے زیادہ پیسہ میسر ہی نہ ہو تو مباح چیزوں کا مزہ بھی منہ کو نہ لگے گا۔

سوم وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت ہو جائے گی کیونکہ کاشتکاروں محرروں اور ملازموں کی نگرانی اور شریکوں سے حساب کتاب کرنے اور ترقی کے اسباب فراہم کرنے کی تدبیروں میں ایسی مشغولیت ہوگی کہ اصل سعادت یعنی ذکر الٰہی کا وقت ہی نہ مل سکے گا۔ اول روپیہ کی تحصیل اور وصولیابی پھر اس کی حفاظت و نگہبانی اور پھر اس کا نکالنا اور کسی کام میں لگانا یہ سب دھندے قلب کو

سیاہ کرنے والے ہیں جس سے نور بصیرت جاتا رہتا ہے اور جب ضرورت سے زیادہ مال ہی نہ ہوگا تو یہ تفکرات و خصومات (جھگڑے) بھی پیش نہ آئیں گے۔

فصل

ضرورت کی تحدید اور کفایت کی حقیقت

اب معلوم کرنا چاہیے کہ ضرورت کس چیز کا نام ہے اور بقدر کفایت کس قدر مال کو کہتے ہیں؟ کیونکہ یوں تو ہر شخص کتنا ہی مال دار کیوں نہ ہو جائے یہاں تک کہ اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی مل جائے، تب بھی یہی سمجھتا ہے کہ میری ضرورتوں کو کافی نہیں ہے اس لئے جاننا چاہیے کہ فرضی ضرورتوں کا اعتبار نہیں ہے اور واقعی ضرورت انسان کو صرف پیٹ بھرنے بدن ڈھکنے کی ہے پس اگر زینت و تجمل کا خیال نہ ہو تو سال بھر کے جاڑے گرمی کے لیے دو دینار کافی ہیں جن میں موٹے کپڑے جو گرمی و سردی رفع کر سکیں بآسانی تیار ہو سکتے ہیں اور کھانے میں شکم سیری اور چٹورا پن اگر چھوڑ دیا جائے تو ایک مُد روزانہ کے حساب سے سال بھر میں پانچ سو مُد اناج اور کبھی کبھی معمولی دال ترکاری کے لئے ارزانی کے موسم میں تخمیناً تین دینار کافی ہیں اب حساب لگاؤ کہ کتنے نفر کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے پس محنت مزدوری سے اسی مقدار کے موافق اپنا اور اپنے اہل وعیال کا نفقہ روزانہ حاصل کرو اور خرچ کر ڈالو باقی سارا وقت اللہ کی یاد میں خرچ کرو۔ اور اگر اس سے زیادہ کماؤ گے اور جمع کرو گے تو دنیا دار اور مال دار سمجھے جاؤ گے۔ اور اگر کوئی زمین جائیداد جس کی سالانہ آمدنی مذکورہ مقدار کے موافق ہو جائے اس نیت سے خرید لو کہ روزانہ کسب اور محنت مزدوری سے سبکدوش ہو کر اطمینان کے ساتھ اللہ اللہ کر سکو گے تو فی زمانہ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ جائیداد کا خریدنا

اور زمین و مٹی میں روپیہ لگانا اس وقت ناجائز ہے جب کہ دنیا طلبی کے لئے ہو کہ عزت وجاہ میں ترقی یا زمین دار بننے کی دل میں خواہش ہو اور مذکورہ صورت میں چونکہ دین ہی کا حاصل کرنا مقصود ہے۔ اس لئے یہ اس ممانعت سے خارج ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے ٭ اس کے ساتھ ہی اس کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے کہ طبائع اور ہمتیں مختلف ہوتی ہیں ممکن ہے کہ بعض لوگ مذکورہ قدر کفایت پر قناعت نہ کرسکیں لہٰذا ان کے لئے اس سے دو چند کی بھی اجازت ہے کیونکہ دین میں تنگی نہیں ہے البتہ اس زیادتی میں نیت یہی ہونا چاہیئے کہ چونکہ تخفیف میں مشقت پیش آتی ہے اور عبادت میں اطمینان نہیں ہوتا اس لئے ہم کو باطمینان قلب یادِ حق میں مشغول رہنے کے لئے زائد خرچ کی ضرورت ہے نہ کہ تلذذ اور تنعم (مزہ پانا نعمت میں رہنا) کے لئے بس اس سے زیادہ جو کوئی جمع کرکے رکھے وہ دنیادار ہے اور اس کو مال کی محبت ہے جو اس کا دین برباد کرنے والی ہے۔

یاد رکھو کہ مال جمع کرنے والوں کی غرض مختلف ہوتی ہے یا تو یہ کہ مزے آئیں گے یا لذتیں پائیں گے اور یا یہ کہ موقع اور وقت پر آئندہ صدقات وخیرات کریں گے اور زیادہ دور اندیشی اور اس مصلحت کے لئے جوڑ کر رکھتے ہیں کہ اگر کسی وقت افلاس آ گیا یا محنت مزدوری نہ ہوسکی یا فاقہ کشی کی نوبت آئی تو یہ پسماندہ پونجی کام آئے گی حالانکہ یہ تینوں نیتیں درست نہیں ہیں کیونکہ تلذذ اور تنعم تو اللہ سے غافل بنانے والی ہے اور خیرات کی نیت سے مال جمع کرنے کی بہ نسبت تو بہتر یہ ہے کہ مال ہی پاس نہ ہو۔ اب رہا آئندہ کے لئے مال جمع کرنا جس کا نام دور اندیشی ہے سو وہ تو کوئی چیز ہی نہیں کیونکہ اگر

٭ تم جائیداد نہ حاصل کرو کہ دنیا سے محبت کرنے لگو۔

اور زمین و مٹی میں روپیہ لگانا اس وقت ناجائز ہے جب کہ دنیا طلبی کے لئے ہو کہ عزت وجاہ میں ترقی یا زمین دار بننے کی دل میں خواہش ہو اور مذکورہ صورت میں چونکہ دین ہی کا حاصل کرنا مقصود ہے۔ اس لئے یہ اس ممانعت سے خارج ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے ✽ اس کے ساتھ ہی اس کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے کہ طبائع اور ہمتیں مختلف ہوتی ہیں ممکن ہے کہ بعض لوگ مذکورہ قدر کفایت پر قناعت نہ کر سکیں لہٰذا ان کے لئے اس سے دو چند کی بھی اجازت ہے کیونکہ دین میں تنگی نہیں ہے البتہ اس زیادتی میں نیت یہی ہونا چاہیے کہ چونکہ تخفیف میں مشقت پیش آتی ہے اور عبادت میں اطمینان نہیں ہوتا اس لئے ہم کو باطمینانِ قلب یادِ حق میں مشغول رہنے کے لئے زائد خرچ کی ضرورت ہے نہ کہ تلذذ اور تنعم (مزہ پانا نعمت میں رہنا) کے لئے بس اس سے زیادہ جو کوئی جمع کر کے رکھے وہ دنیا دار ہے اور اس کو مال کی محبت ہے جو اس کا دین برباد کرنے والی ہے۔

یاد رکھو کہ مال جمع کرنے والوں کی غرض مختلف ہوتی ہے یا تو یہ کہ مزے آئیں گے یا لذتیں پائیں گے اور یا یہ کہ موقع اور وقت پر آئندہ صدقات وخیرات کریں گے اور زیادہ دور اندیشی اور اس مصلحت کے لئے جوڑ کر رکھتے ہیں کہ اگر کسی وقت افلاس آ گیا یا محنت مزدوری نہ ہو سکی یا فاقہ کشی کی نوبت آئی تو یہ پسماندہ پونجی کام آئے گی حالانکہ یہ تینوں نیتیں درست نہیں ہیں کیونکہ تلذذ اور تنعم تو اللہ سے غافل بنانے والی ہے اور خیرات کی نیت سے مال جمع کرنے کی بہ نسبت تو بہتر یہ ہے کہ مال ہی پاس نہ ہو۔ اب رہا آئندہ کے لئے مال جمع کرنا جس کا نام دور اندیشی ہے سو وہ تو کوئی چیز ہی نہیں کیونکہ اگر

✽ تم جائیداد نہ حاصل کرو کہ دنیا سے محبت کرنے لگو۔

تقدیر میں فاقہ کشی اور مصیبت لکھی ہے تو وہ اس مال کی بدولت ٹل نہیں سکتی اور نیز جس طرح آفت ناگہانی کی طرف سے اطمینان نہیں اسی طرح اس بات سے بھی ناامیدی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے رزق پہنچائے جہاں گمان بھی نہ جاتا ہو اور بھلا اس بدگمانی کا موقع ہی کیا ہے کہ شائد کسی وقت میں اللہ تعالیٰ رزق بند کرلے اور فاقہ کرائے غلام کو اپنے آقا کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہیئے نہ کہ گمان بد اس کے علاوہ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اس کی ہوس کرنا کہ تمام عمر مالدار یا تندرست ہی رہیں اور کسی وقت بھی کسی قسم کی مصیبت یا رنج ہم کو نہ پہنچے اچھی بات نہیں ہے۔

فراخ دستی و آرام کی زندگی کو بہتر خیال کرلینا عقل مندوں کا کام نہیں ہے اس لئے کہ مصیبتوں اور پریشانیوں کی بدولت بندوں کو بڑے بڑے درجے ملتے ہیں اسی سے قلب کی صیقل (صفائی) ہوتی ہے اسی سے گناہ معاف اور وہ فائدے حاصل ہوتے ہیں جن کا حاصل ہونا آسان نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ پریشانیاں انبیاء علیہم السلام پر آئیں کہ جس کے ساتھ جتنی مناسبت ہوئی اسی نسبت سے اس کو پریشانیاں اور مصیبتیں بھی اٹھانی پڑیں۔

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے پس تم کو جس حال میں بھی رکھے گا تمہارے لئے اسی میں بھلائی ہوگی لہٰذا اپنی طرف سے راحت کو اپنے لئے انتخاب کرنا اور اس ہوس میں آنے والی مصیبت کے لئے ذخیرہ جمع کرنا گویا اپنا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا اور اپنے انتخاب کو انتخاب خداوندی پر ترجیح دینا ہے جو سراسر غلط ہے علاوہ ازیں یہ بھی قابل غور ہے کہ قبل از مرگ واویلا کرنے سے فائدہ کیا اور آئندہ کی دنیوی زندگی یعنی بڑھاپے یا ضعیفی کے

زمانہ کی فکر سے نتیجہ کیا؟ نہ تم اس فکر کے لئے پیدا ہوئے اور نہ تمہارے فکر کرنے سے تمہارا رزق جو مقدر ہو چکا ہے کم یا زیادہ ہو سکتا ہے۔ تم تو آخرت کے مسافر ہو اور اسی کا سامان فراہم کرنے کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہو پس اس کی فکر کرو دنیا کی پرواہ بھی نہ کرو کہ کتنی ملتی ہے اور کیونکر گذر رہی ہے۔

فصل

کفایت کی مقدار کا جو حساب ہم نے بیان کیا ہے وہ چونکہ تخمینی ہے اس لئے لوگوں کی طبیعتوں' حالتوں اور موسم کی ارزانی و گرانی کے اختلاف سے اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے ہمارا مقصود یہ ہے کہ مال کو دوا کی مثل سمجھو کہ بقدر ضرورت تو مفید و نافع ہوا کرتی ہے اور اس میں اور کچھ زیادتی کر دی جائے تو وہ بیماری کو بڑھا دیتی ہے اور اگر اس میں بہت ہی زیادتی کر دی جائے تو جان ہی سے مار دیتی ہے پس جہاں تک ہو سکے اخراجات و مصارف میں کمی کرو کیونکہ اگر تکلیف بھی ہے تو بس چند روز کی ہے کیونکہ زندگی ہی چند روزہ ہے پس یہ تو جس طرح ہوگی گذر ہی جائے گی اور یہ بھی یاد رکھو کھانے کا مزہ بھی بھوک میں ہی معلوم ہوا کرتا ہے بس جتنے یہاں بھوکے رہو گے اسی قدر جنت کی نعمتوں میں مزہ بھی زیادہ آئے گا۔

فصل

بخل کی حد اور حقیقت

بخل کی حد بھی معلوم ہونی چاہئیے کیونکہ اکثر آدمی خود اپنی حالت میں شک کرتے ہیں اور نہیں سمجھ سکتے کہ بخیل ہیں یا سخی؟ اس لئے جاننا چاہیے کہ جہاں مال خرچ کرنے کا شرع حکم دے یا مروت تقاضا کرے وہاں مال خرچ نہ کرنا

بخل ہے پس اگر کوئی شخص اپنے بی بی بچوں کو وہ نفقہ تو برابر دیئے جائے جو قاضی نے مقرر اور اس پر واجب کر دیا ہے مگر اس سے زیادہ ایک لقمہ بھی دینا گوارا نہ ہو تو چونکہ یہ سختی اگرچہ شریعت کے خلاف نہیں لیکن مروت کے خلاف ہے اس لئے بخل میں شمار ہے یا مثلاً تم نے کسی دوکاندار سے کوئی شئے خریدی اور ذرا سے نقص یا عیب کی وجہ سے اس کو واپس کر دیا تو اگرچہ یہ واپسی شرعاً جائز ہے مگر چونکہ خلاف مروت ہے اس لئے بخل کہلائے گا یہاں شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ جب یہ صورتیں مروت کے خلاف ہونے کی وجہ سے بخل میں داخل ہیں تو پھر شریعت نے ان کو جائز کیوں کہہ دیا بات یہ ہے کہ شریعت کا منشاء اس قسم کی بے مروتی کی باتوں کو جائز کہہ دینے میں یہ ہے کہ عام لوگوں کی باہمی نزاع دور کرے اور بخیلوں پر اتنا قلیل بوجھ ڈال کر جس کے وہ متحمل ہو سکیں انتظام دنیوی کو قائم رکھے مگر اس کے ساتھ ہی مروت کا برتاؤ اور جو ضرورتیں اتفاقیہ پیش آ جائیں ان کو پورا کرنا بھی ضروری ہے حدیث میں آیا ہے کہ ''جس مال کے ذریعے سے آدمی اپنی آبرو بچائے وہ بھی صدقہ ہے'' مثلاً کسی مالدار کو اندیشہ ہو کہ یہ شاعر میری ہجو کرے گا اور اگر میں اس کو کچھ دے دوں تو اس کا منہ بند ہو جائے گا اور باوجود اس علم کے اس کو کچھ نہ دے تو وہ شخص بخیل سمجھا جائے گا کیونکہ اس نے اپنی آبرو محفوظ رکھنے کی تدبیر نہ کی اور بدگو کو بدگوئی کا موقع دیا یہ ظاہر ہے کہ مال کی ذات تو مقصود اور محبوب نہیں ہے چنانچہ کوئی اس کو چباتا یا نگلتا نہیں ہے ہاں البتہ چونکہ اس سے ضرورتیں پوری اور منفعتیں حاصل ہوتی ہیں اس لئے مال مرغوب ہے لہٰذا جس جگہ اس کے خرچ کرنے میں فائدہ ہو وہاں خرچ نہ کرنا غلطی کی بات ہے پس جو شخص باوجود ضرورت کے مال خرچ نہ کرے تو سمجھو کہ

اس کی ذات کے ساتھ محبت ہے اس نفع کے ساتھ جو کہ مال سے مقصود ہے اس کو مطلق بحث نہیں۔ کبھی مال کی محبت یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ انسان کو اپنا فائدہ اور نقصان بھی نظر نہیں آتا۔ ایسی حالت بہت خطرناک ہے جس کو جہل مرکب کہنا چاہیئے۔ پس ایسی صورت میں عقل وشرع کے پابند بننے کی طرف زیادہ توجہ کرو اور جس جگہ پر خرچ کرنے کا یہ دونوں حکم کریں وہاں بے دریغ مال خرچ کرو یہ تو بخل کا تذکرہ تھا اب رہی سخاوت تو اس کی تو کوئی حد ہی مقرر نہیں ہے بس اتنا سمجھ لو کہ بخل کی حد سے باہر نکل کر جتنا بھی خرچ کیا جائے وہ سب سخاوت میں داخل ہے۔

فصل

بخل کا علاج علمی بھی ہے اور عملی بھی۔

بخل کا علاج علمی

علمی علاج تو یہ ہے کہ بخل کے نقصانات معلوم کرو کہ آخرت کی تباہی اور دنیا کی بدنامی دونوں اس سے پیدا ہوتی ہیں خوب سمجھ لو کہ مال بخیل کے ساتھ جانے والا نہیں ہے صرف قبر کے گڑھے تک کا دھندا ہے پس دنیا میں انسان کو جو مال دیا گیا ہے تو صرف اس غرض سے دیا گیا ہے کہ وہ اس کو اپنی ضرورتوں میں خرچ کیا کرے سو اگر تم جانور بن کر اس کو اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں خرچ کرو گے تو بڑی ضروری نعمت یعنی آخرت کی لذتوں سے محروم ہو جاؤ گے اور اگر دنیا میں اولاد کے لئے چھوڑ مرو گے تو گویا اولاد کو تو آرام دے جاؤ گے مگر خود خالی ہاتھ چلے جاؤ گے اب تم ہی بتاؤ کہ اس سے زیادہ حماقت کیا ہو سکتی ہے؟ ذرا غور کرو کہ اگر تمہارے پسماندہ بچے صالح اور نیکوکار اٹھیں گے تو اللہ ان کی ضرورتوں کا کفیل

نہ ہوگا؟ پھر تمہارے جمع کرنے سے کیا نفع اور اگر خدانخواستہ وہ بدکار ہوئے تو ظاہر ہے کہ یہ تمہارا جمع کیا ہوا مال اللہ تعالیٰ کی معصیت میں خرچ ہوگا اور اس کا تم پر وبال پڑے گا کہ معصیت کے سبب تم قرار پاؤ گے جوں جوں دوسرے لوگ تمہارے مال سے مزے اڑائیں گے دوں دوں تم پر عذاب بڑھے گا اس قسم کی باتیں سوچنے اور بخل کے نتائج پر غور کرنے سے امید ہے کہ ان شاء اللہ بخل سے نجات مل جائے گی۔

بخل کا علاج عملی

عملی علاج یہ ہے کہ نفس پر جبر کرو اور خرچ کرنے کی بے تکلف عادت ڈالو ضرورتوں کے وقت خرچ کرنے کی خوبی کا تصور باندھ کر اتنا زور ڈالو کہ خرچ کرنے کی رغبت ہونے لگے اور پھر بتدریج بُرے خیالات اور مذموم اخلاق کو دور کرتے رہو یہاں تک کہ بخل کی جڑ کٹ جائے اور اب مال کا خرچ کرنا خالصتاً لوجہ اللہ بن جائے۔ صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو۔

❊❊❊❊❊

چھٹی اصل

رعونت اور شہرت وجاہ
(غروراور شہرت وعظمت)
کی محبّت کا بیان

خمول (گمنامی) و عدم شہرت سے بڑے فائدے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ" دار آخرت کی بھلائیاں انہی کے لئے مخصوص ہیں جو زمین پر رہ کر بڑھنا چڑھنا اور فتنہ فساد کرنا نہیں چاہتے" اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ" بکریوں کے گلے میں دو بھیڑیے آپڑیں تو وہ اتنا نقصان نہ کریں گے جتنا مال وجاہ کی محبت دیندار مسلمان کے دین کا نقصان کرتی ہے۔"

خوب سمجھ لو کہ رعونت اور حب جاہ بری بلا ہے ان سے قلب میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے حقیقت میں وہ لوگ بڑے آرام میں ہیں جن کو کوئی جانتا بھی نہیں، پریشان حال غبار آلودہ کہ نہ لوگ ان کو پاس بٹھانا پسند کرتے ہیں نہ امرا ان کو اپنی کوٹھی میں بنگلوں میں گھسنے کی اجازت دیتے ہیں، اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو کوئی ان کو لڑکی دینا پسند نہیں کرتا، پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور ذلت و مسکنت کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں، انہی میں ایسے بندے ہوتے ہیں کہ اگر کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی خاطر اس کو پورا فرماتا ہے۔

یاد رکھو کہ جہاں انسان کی شہرت ہوئی اور اس کو مسند عزت کی جگہ

بیٹھنا اور لوگوں کے آگے آگے چلنا پسند آیا تو بس تباہی آ گئی اللہ کے بندے اپنے آپ کو بہت چھپاتے ہیں البتہ بلا طلب و بلا خواہش اگر اللہ تعالیٰ ہی ان کو ظاہر فرمادے تو اب ان کو چھپانا مناسب نہیں رہتا دیکھو انبیاء علیہم السلام خلفائے راشدین اور اکثر اولیاء کی دنیا میں شہرت ہوئی ہے مگر چونکہ ان میں سے کسی نے بھی اپنی شہرت کی آرزو یا خواہش نہیں کی بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھی کہ اس نے جس حال میں بھی رکھا اس پر راضی ہو گئے اس لئے نہ تکبر پیدا ہوا اور نہ حبِ جاہ کیونکہ حبِ جاہ اس کا نام ہے کہ اپنی شہرت کی خود خواہش کرے اور ظاہر ہے کہ اس سے رعونت پیدا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

فصل

حبِ جاہ اور حبِ مال کا فرق

حبِ جاہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان لوگوں کے قلوب پر قبضہ کرنا چاہے اور اس کی خواہش کرے کہ ان کے دل میرے مطیع بن جائیں میری تعریف کیا کریں۔ میری حاجت کے پورا کرنے میں لپکیں اور جان تک سے دریغ نہ کریں مال کے ساتھ بھی انسان کو اسی غرض سے محبت ہوتی ہے کہ وہ رفع حاجت کا ذریعہ بنے۔ اور جاہ و شہرت کی خواہش بھی اسی لئے ہوتی ہے کہ کوئی ضرورت بند نہ رہے پس مقصود کے اعتبار سے دونوں ایک ہی نفع کے سبب ہیں۔

مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت زیادہ ہونے کا پہلا سبب

چونکہ حبِ جاہ سے مال بھی حاصل ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اس کو چرا سکتا ہے نہ لوٹ سکتا

ہے اور مال کے ذریعہ سے بسا اوقات جاہ حاصل نہیں ہوتا اور مال میں چوری کا اور لوٹ کا خطرہ بھی رہتا ہے اس لئے حبِ جاہ کا درجہ حُبِ مال سے بڑھا ہوا ہے چونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی کی تعظیم کا اعتقاد لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے تو لامحالہ لوگ اس کی تعریفیں کرتے اور دوسروں کو اس مضمون میں اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں اور جب ان کو اس کی دھن لگ جاتی ہے تو بسا اوقات کامیاب بھی ہو جاتے ہیں پس اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور آخر کار حُبِ جاہ میں بلا تکلف و بلا مشقت کامیابی ہو جاتی ہے برخلاف اس کے مال کے جمع کرنے میں بیسیوں تدبیریں اور حیلے کرنے پڑتے ہیں اور پھر بھی خاطر خواہ مال جمع ہونا مشکل ہوتا ہے اس وجہ سے انسان کو مال کی نسبت جاہ کی محبت و خواہش زیادہ ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فقراء بھی حُبِ جاہ میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔

حُبِّ جاہ کا دوسرا سبب

حُبِّ جاہ کے بکثرت ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہر آدمی کو اپنی بڑائی اور عزت کی بالطبع خواہش ہوتی ہے اور ہر شخص چاہتا ہے کہ میں ایسا بے مثل و یکتائے روزگار * ہوں کہ بس میں ہی میں ہوں حالانکہ یہ حقیقت الٰہیہ ہے اور خداوند تعالیٰ ہی کو شایان ہے کیونکہ یکتائی اسی کی شان ہے اور تمام مخلوق اس واجب الوجود کے نورِ قدرت کا پرتو ہے پس جو انسان حبِ جاہ کے مرض میں گرفتار ہے وہ گویا اللہ عزاسمہٗ کے ہم پلہ ہو جانے کا خواہش مند اور اس کے ساتھ اس نسبت کے قائم رکھنے سے ناراض ہے جو دھوپ کو آفتاب کے ساتھ

* یعنی معبود ہونے کی تو حقیقت یہی ہے کہ ذات اور اوصاف میں یکتا ہو گویا یہ خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے۔

ہوتی ہے گویا اس کا نفس فرعون کی طرح اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ٭ پکار رہا ہے کہ بس اتنا فرق ہے کہ فرعون نے یہ کلمہ زبان سے لوگوں کے سامنے کہہ دیا تھا اور دوسرے لوگ اس کو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں مگر چونکہ شان یکتائی کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی اور اس آرزو میں کامیاب ہونا محال ہے اس لئے انسان کا نفس چاہتا ہے کہ مستقل وجود میں کامیاب نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور ہو کہ ساری مخلوق پر قبضہ ضرور حاصل ہو جائے کہ جس شئے پر جو چاہوں تصرف کروں مگر چونکہ آسمان ستاروں، پہاڑ، سمندر اور دوسری بڑی مخلوقات پر قبضہ ہونا دشوار نظر آیا اس لئے ذرا نیچے اتر کر اس کا متمنی نظر آیا کہ صرف زمین ہی کی مخلوق پر مالکانہ تصرف حاصل ہو جائے یعنی حیوانات مسخر (تابع) ہو جائیں اور معدنیات (کان سے نکلنے والی چیزیں) و نباتات تابع فرمان بن جائیں اور ان علویات آسمانی (آسمان والی چیزیں) اور بڑی مخلوقات ارضی (زمین والی چیزیں) کی جن پر مالکانہ تصرف حاصل ہونا ناممکن ہے پوری واقفیت اور تحقیق تام (پوری) حاصل ہو جائے تاکہ ہاتھ کا قبضہ نہ ہو تو علم ہی کا قبضہ قائم رہے اور دنیا کی آبادی میں سے ذوی العقول مخلوق (عقل والی) یعنی انسان اپنے قلوب کے اعتبار سے میرے مطیع و فرماں بردار بن جائیں کہ میری عظمت و بڑائی کے معتقد ہو کر مجھ کو صاحب کمال سمجھنے لگیں۔ ہاتھ باندھے ہوئے میری تعظیم کریں اور میری شہرت کا آوازہ ان ملکوں تک پہنچ جائے جہاں میں خود نہیں پہنچ سکتا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ.

فصل

انسان ایک دن مرنے والا ہے اور جاہ و شہرت مرنے کے بعد ختم ہو

٭ میں ہی تم سب کا بڑا پروردگار ہوں۔

جائے گی پس اگر یہ ناپائیدار شہرت حاصل بھی ہوئی اور مخلوق میں عزت اور جاہ بھی مل گئی تو کیا ہوا؟ یہ تو کوئی خوبی اور کمال کی بات نہیں کمال تو ایسی چیز کا حاصل کرنا ہے کہ جس میں موت کوئی خلل یا کمی نہ پیدا کرے اور وہ معرفت الٰہی ہے کہ صاحب معرفت شخص دنیا سے انتقال بھی کر جائے تب بھی معرفت کے بے شمار مراتب میں اس کی ترقی رہتی ہے لہٰذا اس رعونت (تکبر) اور طلب شہرت کا علاج کرو اور اس کی محبت دل سے نکالو یوں سمجھو کہ اگر مثلاً تمام دنیا تم کو سجدہ بھی کرنے لگے تو کتنے دن کے لئے آخر ایک دن وہ ہوگا کہ نہ تم باقی رہو گے اور نہ سجدہ کرنے والے باقی رہیں گے تعجب ہے کہ زمانہ تو تمہارے ساتھ یہاں تک بخل کرتا ہے کہ شہر یا قصبہ تو در کنار تمہارے محلہ پر بھی تم کو پورا قبضہ نہیں دیتا اور تم زمانہ کی ہمدردی میں ایسے ڈوبے کہ دائمی نعمت اور جاوید سلطنت چھوڑنے پر راضی ہو گئے کہ دنیا کی اس مکدر و حقیر شہرت اور چند ایسے احمق و ضعیف لوگوں کی تعظیم و تکریم پر نازاں ہو گئے جس کو نہ کسی کی موت و حیات کا اختیار ہے اور نہ کسی کے ضرر اور نفع پر دسترس ہے اور اس کی بدولت اس پائیدار عزت اور عالم ملکوتی کی شہرت کو کھو بیٹھے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی برگزیدہ و پاک مخلوق یعنی فرشتوں میں تمہیں حاصل ہوتی ہے۔

بقدر ضرورت جاہ کی تحصیل جائز ہے

یہ ضرور ہے کہ انسان مال کی طرح بقدر ضرورت جاہ کا بھی محتاج ہے تاکہ اس کی وجہ سے مخلوق کے ظلم و تعدی سے محفوظ اور ظالم حاکموں کی دست برد سے بے خوف ہو کر باطمینانِ قلب عبادت میں مشغول رہ سکے لہٰذا اتنی طلب جاہ میں مضائقہ نہیں ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس

کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ بقدر ضرورت جاہ اپنی عبادتوں میں ریاء اور دکھاوا کر کے نہ حاصل کرے کیونکہ ریاء حرام ہے نیز متقی اور صوفی کی صورت بنا کر بھی مخلوق کو دھوکہ نہ دو کیونکہ اگر درویشانہ یا عالمانہ صورت کی بدولت مخلوق میں عزت حاصل کرو گے تو اللہ کے نزدیک مکار سمجھے جاؤ گے کہ جو مضمون قلب کو حاصل نہ ہو اور محض صورت بنا کر اس کا اظہار کیا جائے وہ دھوکہ اور مکر کہلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دھوکہ حرام ہے بہر حال طلب جاہ بڑی خطرناک چیز ہے کیونکہ اس کی ہوس انسان کو ایک حالت پر قناعت نہیں کرنے دیتی پس اگر سچ پوچھو تو دین انہی لوگوں کا محفوظ ہے جن کا حال اتنا مخفی و پوشیدہ ہے کہ ان کو کوئی جانتا ہی نہیں کہ وہ کس رتبہ کے ہیں۔

فصل

حبِ مدح کی وجوہات

اکثر حب جاہ کا سبب اپنی مدح وثنا کی خواہش ہوا کرتی ہے کیونکہ انسان کو اپنی تعریف و مدح میں لذت آتی ہے اور لذت آنے کی تین وجہ ہیں۔

اوّل چونکہ کمال حق تعالیٰ کی صفت ہے اور ہر شخص کو مرغوب ہے کہ میرے اندر بھی یہ صفت پیدا ہو لہٰذا نفس اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ تعریف کرنے والا میرے کمال سے واقف ہے اور یہی وجہ ہے کہ بے وقوف اور جاہل شخص کی تعریف سے اتنی خوشی نہیں ہوا کرتی جتنی کسی ہوشیار اور عقل مند آدمی کی مدح سے ہوتی ہے۔

دوم تسخیر کی خواہش ہر شخص کو ہے اور اپنی مدح سن کر چونکہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مداح کے قلب پر میرا قبضہ اور اثر ہو گیا ہے لہٰذا نفس کو اس میں مزہ آتا ہے

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی صاحب عزت شخص تعریف کرے تو زیادہ مسرت ہوتی ہے اور کوئی محتاج یا بھیک منگا فقیر مدح کرے تو بالکل خوشی نہیں ہوتی کیونکہ اس کے قلب پر قبضہ کرنا کوئی کمال یا خوبی نہیں سمجھی جاتی۔

سوم یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے آوازۂ شہرت کے بلند ہونے کا ذریعہ پیدا ہو گیا کیونکہ لوگوں کو میری تعریف کرنے کی طرف توجہ ہوئی اور اب یہ آہستہ آہستہ پھیل کر دنیا بھر میں بہت جلد شہرت کرا دے گی۔ لہٰذا مدح سے نفس پھولتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجمع میں تعریف ہونے سے جتنی مسرت ہوتی ہے تنہائی میں مدح ہونے سے اتنی مسرت نہیں ہوتی۔

حُبِّ مدح کا علاج خوب سمجھ لو کہ اس حُبِّ مدح نے لوگوں کو برباد کر دیا اسی کی بدولت ریاء اور طرح طرح کی معصیت میں مبتلا ہو گئے پس اس کا علاج کرنا چاہیئے۔

غور کرو کہ تعریف کرنے والا کس بات کی تعریف کرتا ہے اگر تمہارے مال اور عزت کی تعریف کر رہا ہے تو سمجھو کہ یہ تو کوئی کمال کی چیز نہیں ہے مسرت تو حقیقی کمال یعنی معرفتِ الٰہی کے حصول پر ہونی چاہیئے اور وہمی کمال تو رونے کا مقام ہے نہ کہ مسرت کا اور اگر تمہارے زہد اور اتقاء کی تعریف ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یعنی یا تو یہ کہ در حقیقت تم زاہد اور متقی ہو اور تمہاری تعریف اس بارے میں سچی ہو رہی ہے اور یا محض تمہیں خوش کرنے کے لئے تمہاری جھوٹی تعریفیں کی جا رہی ہیں پس اگر سچی تعریف ہے تو اس کا علاج اس طرح کرو کہ دل میں سوچو اور غور کرو کہ ان باتوں کا اپنے اندر آ جانا اور حق تعالیٰ کا قبول فرما لینا خوشی کی بات ہے نہ کہ دوسروں کا بیان کرنا کیونکہ لوگوں کے

اظہار کو قبولیت اور قرب الٰہی میں کچھ دخل نہیں ہے اور اگر زہد و اتقاء کی تعریف جھوٹی ہو رہی ہے تب تو خوش ہونا کھلی حماقت ہے کیونکہ اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ کوئی شخص تمہاری تعریف کرنے لگے کہ آپ کی آنتوں اور معدہ سے عطر کی خوشبو آ رہی ہے حالانکہ تم واقف ہو کہ اس میں تو نجاست اور فضلہ بھرا ہوا ہے اور پھر اس بے جا مدح اور بے موقع بلکہ صریح جھوٹی تعریف پر خوش ہونے لگو تم ہی بتاؤ کہ اس سے زیادہ بے وقوفی کیا ہوگی۔

اور جاہ و شہرت کا علاج ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اس پر عمل کرنے سے امید ہے کہ حبِّ مدح کی جڑ جاتی رہے گی۔

*****

ساتویں اصل

دنیا کی محبّت کا بیان

دنیا صرف مال وجاہ ہی کی محبت کا نام نہیں بلکہ موت سے پہلے جس حالت میں بھی تم ہو وہ سب دنیا ہے اور دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔

حُبِّ دنیا کی ماہیت

دنیا کے تمام جھگڑوں' بکھیڑوں' اور مخلوقات اور موجودہ چیزوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا نام دنیا کی محبت ہے البتہ علم ومعرفت الٰہی اور نیک کام جن کا ثمرہ مرنے کے بعد ملنے والا ہے ان کا وقوع اگرچہ دنیا میں ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ دنیا سے مستثنیٰ ہیں اور ان کی محبت دنیا کی محبت نہیں ہے بلکہ آخرت کی محبت ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہم نے دنیا کی تمام چیزوں کو زمین کی زینت کا سامان بنایا ہے تا کہ لوگوں کو آزمائیں کہ کون ان پر فریفتہ ہو کر آخرت ضائع کرتا ہے اور کون بقدر ضرورت سفر کا توشہ سمجھ کر اپنی آخرت سنوارتا ہے"۔

ہوائے نفس اشیاء دنیا کی محبت کا نام ہے

یاد رکھو کہ آدمی کو جاہ ومال کے علاوہ زمین کی بھی محبت ہوا کرتی ہے مثلاً مکان بنائے یا کھیتی کرے۔ نباتات (زمین سے اگنے والی چیز) کی بھی ہوتی ہے مثلاً جڑی بوٹی ہو کہ اس کو دواؤں میں استعمال کرے یا ترکاری ودیگر پیداوار یا پھل پھول ہو کہ اس کو کھائے اور مزہ اڑائے اور معدنیات (زمین کی کان سے نکلنے والی دھات) کی بھی محبت ہوتی ہے۔

مثلاً برتن اور اوزار بنائے یا زیور بنوا کر پہنے یا نقد جمع کرے حیوانات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً شکار کرے اور کھائے یا ان پر سواری کرے اور اپنی زینت بڑھائے اور آدمیوں کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً یہ کہ عورتوں کو منکوحہ اور خادمہ بنائے اور یا مردوں کو غلام اور نوکر و خدمت گار بنائے۔

انہی چیزوں کی محبت کا نام ہوائے نفس ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''جس نے اپنے نفس کو خواہش سے روک لیا اس کا ٹھکانہ جنت ہے''۔

تن پروری مسافر آخرت کے لئے مہلک ہے

یاد رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور اسی میں اکثر باطنی امراض مہلکہ مثلاً غرور' نخوت' کینہ' حسد' ریا' تفاخر اور بڑھوتری کی حرص پیدا ہوتی ہے اور جب انسان کو حیات دنیوی کی درستی و آرائش کا شوق پیدا ہوتا ہے تو صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت کے ناپائیدار مشغلوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ آگے پیچھے اور مبداء و معاد (ابتداء و انتہا) کی اس کو کچھ خبر ہی نہیں رہتی اور ظاہر و باطن دونوں دنیا ہی کے ہو رہتے ہیں قلب محبت دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے اور بدن اس کی اصلاح و تدبیر میں مصروف۔ حالانکہ دنیا توشۂ آخرت ہے اور اس سے مقصود یہی ہے کہ مسافرانِ آخرت باآسانی اپنا سفر ختم کر سکیں گے مگر بے وقوف اور احمق لوگوں نے اسی کو مقصود اصلی سمجھ لیا اور طرح طرح کے مشاغل اور قسم قسم کی خواہشوں میں ایسے پڑے کہ آنے والے وقت کو بالکل بھول گئے ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کی نیت سے روانہ ہو اور جنگل میں پہنچ کر سواری گھاس دانہ اور مرکب (سواری) کے موٹا تازہ کرنے کی فکر میں لگ جائے اور

ہمراہیوں سے پیچھے رہ جائے افسوس ہے اس کی اس حالت پر کہ تن تنہا جنگل میں رہ گیا اور قافلہ کوچ کر گیا جس نیت سے چلا تھا یعنی حج وہ بھی ختم ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جنگلی درندوں نے موٹی تازی سواری کو بھی چیر پھاڑ ڈالا اور اس کو بھی اپنے منہ کا نوالہ بنا گئے۔

یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی اور منزل کا پڑاؤ ہے اور تم اپنے جسم خاکی پر سوار ہو کر آخرت کی جانب سفر آخرت کر رہے ہو اس لئے تمہیں چاہیئے کہ اپنی سواری گھاس دانہ بقدر ضرورت اٹھاؤ اور سفری ضرورتوں میں کام آنے والا سامان مہیا کر کے وہ بیج بوؤ جس کو آخرت میں کاٹو۔ اور پھر دائمی زندگی آرام سے گذار سکو اگر اس ماتحت سواری کی پرورش وفربہی میں مشغول ہو جاؤ گے تو قافلہ کوچ کر جائے گا اور تم منزل مقصود تک نہ پہنچ سکو گے۔

مسافرانِ آخرت کی تمثیل اور تقسیم

دنیا میں مخلوق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کشتی پر کچھ آدمی سوار ہوں اور کشتی کسی جزیرے کے کنارے پر آ ٹھہرے اور کشتی کا ملاح سواریوں کو اجازت دے دے کہ جاؤ جزیرے میں اتر کر اپنی ضرورتیں پوری کر آؤ۔ مگر ہوشیاری سے کام لینا جگہ خطرناک ہے اور ابھی سفر دور دراز سر پر ہے غرض سواریاں اتریں اور ادھر اُدھر منتشر ہو کر کئی اقسام پر منقسم ہو گئیں۔

بعض تو ضروری حاجت سے فارغ ہوتے ہی لوٹ پڑے اور فضول وقت گذارنا ان کو اچھا نہ معلوم ہوا پس دیکھا کہ کشتی خالی پڑی ہے لہٰذا اپنی پسند کے موافق ساری کشتی میں اعلیٰ درجہ کی ہوادار اور فراخ جگہ منتخب کر کے وہاں بیٹھ گئے۔

اور بعض جزیرہ کی خوشگوار ہوا کھانے اور خوش الحان پرندوں کی سریلی

آوازوں کے سننے میں لگ گئے، سبز مخملی فرش اور رنگ برنگ کے پھول بوٹوں اور طرح طرح کے پتھروں اور درختوں کی گلکاریوں میں مشغول ہو گئے۔ مگر پھر جلدی ہوش آ گیا اور فوراً کشتی کی جانب واپس ہوئے، یہاں پہنچ کر دیکھا کہ جگہ تنگ رہ گئی ہے اور پُر بہار و پر فضا جگہوں پر ان سے پہلے آ جانے والے لوگ بستر لگا چکے لہٰذا اس تنگ ہی جگہ میں تکلیف کے ساتھ بیٹھ گئے۔

اور چند لوگ اس جزیرہ کی عارضی بہار پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ دریائی خوشنما سیپیوں اور پہاڑی خوبصورت پتھروں کے چھوڑنے کو ان کا دل ہی نہ چاہا پس ان کا بوجھ لاد کر انہوں نے اپنی کمر پر رکھا اور سمندر کے کنارے پر پہنچے کہ کشتی پر سوار ہوں دیکھا کہ کشتی لبریز ہو چکی ہے کہ اس میں نہ اپنے بیٹھنے کی جگہ ہے نہ فضول بوجھ کے رکھنے کا کوئی امکان ہے اب حیران ہیں کہ کیا کریں ادھر تو بوجھ کے پھینکنے کو نفس گوارا نہیں کرتا اور اُدھر اپنے بیٹھنے تک کو جگہ نہیں ملتی غرض قہر درویش بجانِ درویش۔ نہایت دقت کے ساتھ ایک نہایت تنگ جگہ گھس بیٹھے اور کنکروں پتھروں کے بارگراں کو اپنے سر پر لاد لیا اب ان کی حالت کا تم ہی اندازہ کر لو کہ کیا ہوگی کمر الگ دکھے گی گردن جدا ٹوٹے گی اور جس مصیبت و تکلیف کے ساتھ وقت کٹے گا اس کو ان کا ہی دل خوب سمجھے گا۔

اور بعض لوگ جزیرہ کے دل افروز حسن پر ایسے عاشق ہوئے کہ کشتی اور سمندر سب بھول گئے پھول سونگھنے اور پھل کھانے میں مصروف ہو گئے اور خبر نہ رہی کہ کہاں جانا ہے یہاں تک کہ درندوں اور موذی جانوروں کی غذا بنا ہے۔ آخر جب سب کے بعد بادل نخواستہ ساحل پر پہنچے تو کشتی میں نام کو بھی جگہ نظر نہ آئی۔ تھوڑی دیر بعد کشتی لنگر اٹھا کر وہاں سے چل دی اور یہ لوگ کنارہ

پر کھڑے حسرت بھری نظروں سے اپنے ہمراہیوں کو دیکھتے رہ گئے۔ آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرہ کے درندوں نے ان کو پھاڑ ڈالا اور موذی جانوروں نے ان کے نازک اور خوبصورت بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہی حال بعینہ دنیا داروں کا ہے اب تم خود غور کر کے سمجھ لو کہ کن لوگوں پر کون سی مثال چسپاں ہوتی ہے۔

فصل

جو شخص اپنے نفس کی ماہیت سے واقف ہو گیا اور معرفت الٰہی حاصل کر لی اور جس نے دنیا کی حقیقت سمجھ لی وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت کے بغیر آخرت کی جاوید (ہمیشہ کی) نعمتیں ہرگز حاصل نہیں ہو سکتیں؛ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ دنیا کی محبت کا جمع ہونا ایسا ہی ناممکن ہے۔ جس طرح ایک برتن میں آگ اور پانی کا جمع ہونا ناممکن ہے اور جب تک انسان دنیا سے منہ نہ پھیرے گا کہ ان فانی تعلقات کو منقطع کرے اور بقدر ضرورت دنیا پر قناعت کر کے بہ اطمینان ہر لحظہ فکر و ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا نہ ہو گی اگر تمہاری ایسی حالت ہو جائے اور نور بصیرت کے مشاہدے سے یہ اسرار منکشف ہو جائیں تب تو کسی کے سمجھانے اور بتلانے کی حاجت ہی نہیں؛ ورنہ شریعت کے تابع بن کر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی کس قدر مذمت فرمائی ہے تقریباً تہائی قرآن اسی دل فریب سبزہ زار زہر ہلاہل (زہر قاتل) کی برائیوں سے بھرا ہوا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ "جنہوں نے سرکشی کی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ جہنمی ہیں" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "تعجب ہے ان بندوں پر جو عالم بقا کو سچا سمجھیں اور پھر اس ناپائیدار پر فریفتہ ہوں"۔

خوب سمجھ لو کہ جو لوگ دنیا کو مقصود سمجھ کر اسکے کمانے میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ سدا پریشان رہتے ہیں کہ ان کی طلب کبھی ختم نہیں ہوتی اور ان کی فکر کبھی رفع نہیں ہوتی اس کی آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی' اس کا رنج و غم کبھی دور نہیں ہو سکتا۔

دنیا کی حقیقت کوڑی پر نظر آتی ہے

حدیث میں آیا ہے کہ ''رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ایک کوڑے کے ڈھیر پر لا کھڑا کیا جہاں مردوں کی کھوپڑیاں اور نجاست و غلاظت کے ڈھیر اور بوسیدہ ہڈیاں اور پھٹے پرانے کپڑے پڑے ہوئے تھے اور فرمایا کہ دیکھو! ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) یہ ہے دنیا کی حقیقت ایک وقت وہ تھا کہ ان کھوپڑیوں میں بھی تمہاری طرح امیدیں اور آرزوئیں جوش میں ہوتی تھیں اور حرص و ہوس سے لبریز تھیں اور آج کس برے حال میں کوڑے پر پڑی ہیں کہ چند روز میں خاک ہو جائیں گی اور ان کا پتہ و نشان بھی نہ رہے گا اور دیکھو یہ غلاظت اور فضلہ ٭ جو تم کو نظر آ رہا ہے وہ تمہاری غذا ہے۔ جس کے پیٹ کے اندر بھرنے میں حلال و حرام کا بھی امتیاز نہیں ہوتا ایک دن تھا کہ رنگ برنگ کے کھانے بن کر تمہارے پیٹ میں تھا اور آج یہاں کوڑے پر کس گندگی کی حالت میں پڑا ہوا ہے کہ اس کی بو سے لوگ بھاگتے اور گھنیاتے ہیں' دیکھو یہی پرانے چیتھڑے کسی وقت تمہارے چمک دمک والے لباس تھے اور آج ان کو ہوا میں ادھر اُدھر اڑائے پھرتی ہیں اور کوئی پُرسان حال نہیں ہوتا اور دیکھو یہ ہڈیاں کسی دن سواری کے جانور اور مویشی تھے کہ جن پر جانیں دیتے اور قتل و قتال کیا کرتے تھے۔

٭ وہ نجاست جو بعد از غذا معدہ سے خارج ہو۔

اے ابو ہریرہ! (رضی اللہ عنہ) یہ دنیا کی حقیقت ہے جس کا قابلِ عبرت انجام دنیا میں ظاہر ہو گیا پس جس کو رونا ہو روئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایک دن دنیا کی حقیقت منکشف ہوئی انہوں نے دیکھا کہ ایک بدصورت بڑھیا بناؤ سنگھار کئے ہوئے زیور و پوشاک پہنے بنی ٹھنی بیٹھی ہے آپ نے پوچھا کہ اے بڑھیا تو کتنے لوگوں سے نکاح کر چکی ہے بڑھیا نے جواب دیا کہ بے شمار آدمیوں سے آپ نے فرمایا کہ ان شوہروں کا انتقال ہو گیا یا تجھ کو طلاق دے بیٹھے بڑھیا نے جواب دیا کہ طلاق دینے کی ہمت کس کو ہوتی ہے میں نے سب کو مار ڈالا یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے موجودہ شوہروں پر افسوس ہے کہ ان کو گذشتہ شوہروں کی حالت پر عبرت نہیں ہوتی۔

مسلمانو! ہوشیار ہو جاؤ اور سنبھلو دنیا بڑی بے وفا ہے اس سے بچو اس کا جادو ہاروت و ماروت * کے سحر سے زیادہ اور جلد اثر کرتا ہے اگر پرانا نمک جو کی روٹی کے ساتھ کھا کر اور ٹاٹ پہن کر زندگی گذارو گے تب بھی گذر جائے گی مگر آخرت کی فکر کرو کہ وہاں کی رتی برابر نعمت کا نہ ملنا بھی بڑی تکلیف کا سبب ہے۔

فصل

دنیا کی طلب ختم نہ ہوگی

بعض لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا بدن کتنا ہی دنیا میں مصروف رہے مگر ہمارا قلب دنیا سے فارغ اور خالی رہتا ہے یاد رکھو کہ یہ شیطانی

* دو فرشتے ہیں جن پر جادو نازل ہوا

وسوسہ ہے بھلا کوئی شخص دریا میں چلے اور پاؤں نہ بھیگے یہ کیسے ہوسکتا ہے اگر تم کو دنیا کی طلب ہوگی اور ضرورت سے زیادہ دنیا کمانے کی تدبیروں میں لگے رہو گے تو ضروری بات ہے کہ پریشان رہو گے اور دین کو ہاتھ سے کھو بیٹھو گے یہ بھی یاد رکھو کہ دنیا کی طلب کبھی ختم نہ ہوگی اور اس کی حرص ہمیشہ بڑھتی رہے گی کیونکہ دنیا کی مثال سمندر کے کھارے پانی کی سی ہے کہ جتنا پیو گے اسی قدر پیاس زیادہ لگے گی بھلا جو چیز ایک دن تم سے چھوٹ جانے والی ہے اس میں مصروف ہونا اگر اپنے رنج کا سامان کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ چھونے میں نہایت نرم ہے مگر منہ میں قاتل و مہلک زہر لئے ہوئے ہے اس بے وفا کی مفارقت یقینی ہے لہٰذا اس کے ہاتھ آ جانے پر خوش ہونا اور ہاتھ نہ آنے پر رنج و ملال کرنا دونوں فضول ہیں دنیا کے زر و مال کو اپنے اطمینان کا ذریعہ سمجھنا بڑی حماقت ہے جہاں ہمیشہ رہنا نہیں وہاں اطمینان کیسا؟

دنیا مخلوق کا خانۂ ضیافت ہے

دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مہمان نواز نے اپنا مکان آراستہ کیا اور شیشہ و آلات سے سجا کر مہمانوں کو بلایا اور ان کو اس میں بٹھا کر عطر اور خوشبو اور پھولوں سے بھرا ہوا طباق ان کے سامنے رکھ دیا ظاہر ہے کہ صاحبِ مکان کا مطلب اس سے یہ ہے کہ طباق میں رکھے ہوئے پھولوں کو سونگھو اور پاس والوں کے آگے سرکا دو کہ وہ اب اسی طرح نفع اٹھائیں اور بخوشی خاطر برابر والوں کے سامنے کر دیں یہ مطلب نہیں ہے کہ سارے طباق پر تم ہی قبضہ کر بیٹھو بس اگر کوئی شخص آدابِ مجلس سے واقف نہ ہو اور طباق کو اپنا نذرانہ سمجھ کر بغل میں دبائے تو اس کی حماقت پر تمام حضارِ

(حاضرین) مجلس ہنسیں گے اور اس کا مذاق اڑائیں گے اور اس کے بعد یہ نتیجہ ہوگا کہ مالک مکان زبردستی طباق چھین کر دوسروں کے سامنے رکھ دے گا تم ہی سوچو کہ اس وقت اس کو کیسی ندامت ہوگی۔

اسی طرح دنیا اللہ تعالیٰ کی میزبانی کی جگہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ مسافرانِ آخرت آئیں اور بقدر ضرورت اس طرح نفع اٹھائیں جس طرح مستعار چیزوں سے نفع اٹھاتے ہیں اور اپنی حاجتیں رفع کیا کرتے ہیں اس کے بعد بخوشی خاطر اس کو دوسروں کے حوالہ کر کے اپنا راستہ لیں اور آخرت میں آ پہنچیں پس مستعار (اودھار) چیزوں سے دل کا لگانا حقیقت میں چلتے وقت اپنے آپ کو شرمندہ کرنا اور رنجیدہ بنانا ہے۔

*****

آٹھویں فصل

نخوت (غرور) و تکبّر کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تکبر کرنے والے کا بہت برا ٹھکانہ ہے کبریائی خاص میری چادر ہے پس جو شخص بھی اس میں شریک ہونا چاہے گا میں اس کو قتل کر دوں گا"۔

تکبر کی حقیقت اور آثار

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا"۔

جو لوگ باوجود صاحبِ عزت و مال ہونے کے تواضع کرتے ہیں اور عاجزی و انکساری کے ساتھ لوگوں سے ملتے ہیں ان کو مبارک ہو کہ ان کے بڑے درجے ہیں ان کی دنیا میں بھی عزت بڑھتی ہے اور آخرت میں بھی۔

تکبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو صفاتِ کمالیہ میں دوسروں سے زیادہ سمجھے اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق ایسا خیال ہوتا ہے تو نفس پھول جاتا ہے اور پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں مثلاً راستہ میں چلتے وقت دوسروں سے آگے قدم رکھنا مجلس میں صدر مقام یا عزت کی جگہ بیٹھنا دوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھنا یا اگر کوئی سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کرے تو اس پر غصہ ہونا۔ کوئی اگر تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا کوئی اگر نصیحت کرے تو ناک بھویں چڑھانا حق بات معلوم ہونے پر بھی اس کو نہ ماننا اور عوام الناس کو

ایسی نگاہ سے دیکھنا جس طرح گدھوں کو دیکھتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔

چونکہ تکبر بڑی بڑی خباثتوں کا مجموعہ ہے اس لئے جہنم کا پورا ذخیرہ ہے۔

اوّل : کبریائی کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص اور اسی کی شان کو زیبا ہے پس انسان ضعیف البنیان جس کو دوسرے کا اختیار تو درکنار اپنے ہی نفس کا اختیار نہیں اس صفت الٰہی میں ساجھی ہونے کی کس طرح جرأت کرسکتا ہے اور چونکہ متکبر شخص باوجود اس ذلت وضعف کے حق تعالیٰ کی مشارکت چاہتا اور اس صفت کمالیہ میں اس کے ساتھ منازعت (جھگڑا) کرتا ہے اس لئے پرلے درجے کا احمق اور خبیث النفس سمجھا جائے گا۔

دوم : تکبر کے سبب حق بات کے انکار کی نوبت آتی ہے جس سے دینی سعادت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور متکبر اللہ کی مخلوق کو بہ نظرِ حقارت دیکھنے لگتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو بہت ناگوار ہے۔

کسی اطاعت اور کسی معصیت کو معمولی و حقیر نہ سمجھو

کان لگا کر سنو! ایک بزرگ کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کو اپنی طاعت میں چھپا رکھا ہے لہذا کسی عبادت کو کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو حقیر نہ سمجھو کیا خبر ہے کہ اس کی رضامندی اس میں چھپی ہوئی ہو اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ناراضگی اور غصہ کو معصیت میں چھپا دیا ہے پس کسی معصیت کو کیسی ہی ذرا سی کیوں نہ ہو کبھی معمولی نہ سمجھو کیا خبر ہے شائد اسی میں اس کی ناراضگی وغصہ چھپا ہوا ہو اسی طرح اپنی ولایت وقرب کو اپنے بندوں میں مخفی رکھا ہے لہذا کسی بندہ کو کیسا ہی

گناہ گار کیوں نہ ہو بھی حقیر نہ سمجھو کیا خبر ہے کہ شائد یہی بندہ اللہ کا ولی ہو اسی عمل میں اس کی رضامندی ہو جس کا ظہور اس کے انتقال کے وقت دفعتاً ہو جائے۔

سوم: تکبر نفس نفس کوئی پسندیدہ صفت حاصل نہیں کرنے دیتا تکبر کرنے والا شخص تواضع سے محروم رہتا ہے حسد اور غصہ کو دور کرنے پر قادر نہیں ہوتا ریاء کاری کا ترک اور نرمی کا برتاؤ اس کو دشوار ہوتا ہے کسی مسلمان بھائی کی خیر خواہی اس سے ہو نہیں سکتی۔ غرض اپنی عظمت اور بڑائی کے غرہ (غرور) میں مست اور بہمہ صفت موصوف ہونے کے خیال باطل میں ناصح کی نصیحت سے مستغنی اور نفس امارہ کی اصلاح سے بالکل محروم رہتا ہے۔

کبر کا علاج جب تک یہ بدخصلت دفع نہ ہو جائے آئندہ بھی اس کی اصلاح کی توقع نظر نہیں آتی لہٰذا اس کے علاج میں جلدی کرنی چاہیئے۔

اول تو یہی سوچنا چاہیے کہ ہماری حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ابتداء تو نجس اور ناپاک منی کا قطرہ ہے اور انتہاء مردار لوتھڑا اور کیڑے مکوڑوں کی غذا۔ اب رہی متوسط حالت کہ جس کا نام زندگی اور حیات دنیا ہے سو اس کی حالت یہ ہے کہ منوں نجاست پیٹ میں بھری ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ" کہ انسان محض معدوم شئے تھا اور اس قابل ہی نہ تھا کہ ذکر و بیان میں آسکے۔ اس کے بعد مٹی بنا اور پھر نطفہ ہوا پھر مضغۂ گوشت بنا نہ کان تھے نہ آنکھ اور نہ حیات تھی نہ طاقت اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے دیا مگر اس پر بھی بیسیوں امراض کا ہر

وقت نشانہ بنا ہوا ہے بھوک پیاس کا محتاج جدا ہے اور ذرا سی تکلیف میں بے کار ہو کر بیٹھ جاتا ہے کسی شے کا علم چاہتا ہے مگر نہیں ہو سکتا۔ نفع حاصل کرنا چاہتا ہے مگر نقصان ہو جاتا ہے کوئی لحظہ موت سے امن نہیں اللہ جانے کس وقت بیمار ہو جائے کس وقت عقل چھن جائے کس وقت کوئی عضو بے کار ہو جائے اور کس وقت روح پرواز کر جائے پھر انجام کار موت کا شکار اور اس کے بعد تنگ و تاریک گھاٹیوں کا سامنا ہونا ہے۔ حساب کتاب حشر ونشر پیش آنے ہیں۔ جنت دوزخ میں دائمی زندگی کا فیصلہ اور شاہنشاہی فرمان کا صادر ہونا' بھلا تم ہی بتاؤ کہ ایسے گرفتار مصیبت اور ذلیل و ناکارہ غلام کو زبردست قدرت والے جبار و قہار شاہنشاہ کی ہمسری کا خیال کیونکر زیبا ہو سکتا ہے جس شخص کی یہ حالت ہو اگر نجاست اس کے ہاتھ کو لگے تو تین تین مرتبہ دھوئے اور پھر اسی نجاست کو ہر وقت پیٹ میں لئے پھرے اس کو تکبر کرنا کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔

عموماً چار باتوں میں انسان کو تکبر ہوتا ہے علم، تقویٰ، حسب و نسب اور مال و جمال چونکہ ہر ایک کا علاج علیحدہ ہے لہٰذا ہم ہر مضمون کو مفصل جدا جدا بیان کرتے ہیں۔

عالم کے تکبر کے اسباب

اول علم: علماء تکبر سے بہت کم خالی ہوتے ہیں کیونکہ علم کے برابر کسی چیز کی فضیلت نہیں ہے لہٰذا اس کو حاصل کر کے دو خیال پیدا ہو جاتے ہیں

اول: یہ کہ ہمارے برابر اللہ کے یہاں دوسروں کا رتبہ نہیں ہے۔

دوم: یہ کہ لوگوں پر ہماری تعظیم واجب اور ضروری ہے پس اگر لوگ تواضع

کے ساتھ پیش نہ آویں تو ان کو تعجب ہوا کرتا ہے۔

پہلا تکبر دینی تکبر ہے
دوسرا تکبر دنیوی

متکبر کا علم جہلِ مرکب ہے

ہے ایسے عالم کو جاہل کہنا چاہیے کیونکہ علم کا منشا تو یہ تھا کہ انسان اپنے شریر نفس کی حقیقت اور پروردگار جل جلالہٗ کی عظمت کو معلوم کرتا اور سمجھتا کہ خاتمہ کا اعتبار ہے اور اس کا حال کسی کو معلوم نہیں پس جو شخص اپنے آپ کو قابل عظمت سمجھے ہوئے ہو تو گویا وہ اپنی اصلیت سے ناواقف اور خاتمہ کے اندیشہ سے بے خوف ہے اور یہ بڑی معصیت ہے کیونکہ جاہل شخص اگر کسی گناہ کے ارتکاب میں اپنی ناواقفیت کی وجہ سے معذور سمجھا جائے تو کچھ عجب نہیں مگر عالم چونکہ جان بوجھ کر معصیت کر رہا ہے اس لئے وہ معذور نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سب جانتے ہیں کہ قانون دان شخص کا جرم عام لوگوں کے جرم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ پس تعجب ہے کہ عالم ہو کر جاہل بن گیا اور باوجود اس کے اپنی جہالت سے بے خبر ہے اسی کا نام جہلِ مرکب ہے۔

یاد رکھو کہ جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہل سے بھی بدتر ہے کیونکہ حقیقی علم انسان کو جتنا بھی زیادہ حاصل ہو گا اسی قدر اس کا خوف اور خشیت بڑھے گا اللہ تعالیٰ نے تو اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا ہے "کہ اپنے متبع مسلمانوں کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کی زبان پر ہی رہے گا نہ حلق سے نیچے اترے گا اور نہ قلب تک اس کا اثر پہنچے گا۔ لوگوں سے کہیں گے کہ ہم قاری ہیں ہم عالم ہیں ہمارے برابر دوسرا نہیں۔ سن لو یہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہوں گے"۔ سلف صالحین کے حالات دیکھو ایک

مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نماز میں امام بنے اور سلام پھیر کر کہنے لگے کہ صاحبو اپنے لئے کوئی دوسرا امام تلاش کرلو یا علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیا کرو میں امامت کے لائق نہیں ہوں کیونکہ اس وقت میرے نفس میں یہ خطرہ آیا کہ چونکہ میرے برابر ساری جماعت میں کوئی شخص نہ تھا لہٰذا مجھ کو امام تجویز کیا گیا۔

یاد رکھو کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا خاتمہ بخیر ہی ہو جائے اور کیسا ہی جاہل کیوں نہ ہو یہ یقین نہیں ہے کہ اس کا انجام بخیر نہ ہو اور بری حالت میں ہو جب عالم ہو کر اتنا سمجھتے ہو تو پھر تکبر کس بنا پر کرتے ہو کیا علم پر عمل کرنا تم پر فرض نہیں ہے؟ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن عالم لایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا' اس کی آنتیں اس کے گرد اس طرح گھومتی ہوں گی جس طرح چکی کے گرد گدھا گھومتا ہے یا کولھو کا بیل چکر لگاتا ہے لوگ تعجب کے ساتھ پوچھیں گے کہ آپ یہاں کیسے آئے وہ کہے گا کہ میں اپنے علم پر عمل نہ کرتا تھا دوسروں کو نصیحت کیا کرتا تھا مگر اپنی خبر نہ لیتا تھا۔

اللھم احفظنا منه (اے اللہ ہم کو اس سے محفوظ رکھ)

دیکھو اللہ تعالیٰ نے بلعم باعور کو * جو بڑا زبردست عالم تھا اس کتے کی مثل فرمایا ہے جو زبان باہر نکال دے اور علمائے یہود کو گدھا فرمایا ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں' اور یہ اسی لئے کہ وہ شہوت نفسانی میں گرفتار تھے تکبر کرتے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے' دوسرے کو نصیحت کرتے تھے اور خود غافل تھے۔

پس ان واقعات اور احادیث میں خوب غور کرو گے تو تکبر جاتا رہے

* حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ایک عالم

گا اور اگر اسپر بھی نہ جائے تو سمجھو کہ بے فائدہ علوم یعنی منطق و فلسفہ اور مناظرہ وغیرہ کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہنے کا ثمرہ ہے اور یا اپنی خباثت باطنی کا اثر ہے کہ اس کی وجہ سے دوا نفع نہیں دیتی بلکہ الٹا ضرر بڑھاتی ہے پس ان کے اثر کو کم کرنے کی کوشش کرو۔

دوم تقویٰ:

دوسرا تکبر کا سبب تقویٰ اور زُہد ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد بھی اکثر تکبر کرنے لگتا ہے اور بعض کی تو یہاں تک حالت ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو ایذا پہنچانے کو اپنی کرامت سمجھنے لگتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص سے ان کو ایذا پہنچے تو بھلا کر کہتے ہیں کہ دیکھتے رہو اللہ تعالیٰ اس کو کیسی سزا دیتا ہے اس نے ہم پر ظلم تو کیا ہے مگر عنقریب سزا بھی ایسی ملے گی کہ یاد ہی تو رکھے گا اس کے بعد اگر تقدیر سے وہ شخص بیمار پڑ گیا یا مر گیا تو اپنے دعویٰ کا ثبوت بھی پیش کرتے اور خوش ہو کر کہتے ہیں کہ دیکھا اللہ کے فقیر بندوں کو ایذا دینے کا کیسا نتیجہ رہا۔ اس احمق سے کوئی پوچھے کہ کافروں نے انبیاء علیہم السلام کو ہزار ہا ایذائیں پہنچائیں مگر کسی نے بھی انتقام کا فکر نہیں کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایذا دینے والے کفار مشرف بایمان ہو گئے اور دنیا و آخرت کی بہبودی سے دامنوں کو بھر لیا۔ اگر حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے دشمنوں سے انتقام لیتے یا ان کا مرجانا چاہتے تو بھلا اللہ کی مخلوق کیونکر ہدایت پاتی" کیا کوئی عابد ولی کسی نبی سے بڑھ سکتا ہے۔ استغفر اللہ۔ عابد کو ہر شخص کے سامنے تواضع کرنی چاہیئے۔

تقویٰ سے تکبر پیدا ہونے کا علاج

مثلاً کسی عالم گنہگار کو دیکھے تو اس کے سامنے علم

کی وجہ سے جھک جائے اور اس کے گناہ کا خیال نہ کرے کیونکہ علم کی بڑی فضیلت ہے' اور جاہل فاسق کو دیکھے یوں سمجھے کہ کیا خبر ہے شائد اس کی باطنی حالت مجھ سے بدرجہا بہتر ہو اور اس میں کوئی ایسی محمود صفت ہو جو اس کے ظاہری گناہوں کو چھپا لے اور میرے اندر کوئی ایسی خباثت ہو جس کے باعث میری ظاہری عبادتیں بھی حبط (مٹ جائیں) ہو جاویں۔

سو اللہ تعالیٰ تو قلوب دیکھتا ہے صورت کو نہیں دیکھتا اور کسی کے قلب کا حال سوائے علام الغیوب کے دوسرے کو معلوم نہیں۔ پھر تکبر کیسا علاوہ اس کے یہ کہ خود تکبر بھی تو ایک باطنی خباثت ہے پس اپنی حالت کا بدتر ہونا تو خود ظاہر ہو گیا کہ اپنے اندر تکبر موجود ہے اور وہ شخص جو فاسق نظر آرہا ہے تکبر سے خالی ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک فاسق شخص ایک مرتبہ ایک عابد کے پاس اس نیت سے آ بیٹھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم فرما دے گا۔ اس کو پاس بیٹھا دیکھ کر عابد اپنے دل میں کہنے لگا کہ مجھے اس سے نسبت کیا کہاں یہ اور کہاں میں' اس کے بعد اس سے کہا کہ جاؤ دور ہو۔ اسی وقت اس زمانہ کے پیغمبر علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ ان دونوں سے کہدو کہ از سر نو عمل کریں کہ پہلا کیا کرایا برا تھا یا بھلا دونوں کا حبط کر دیا گیا کہ فاسق کے گناہ محو ہو گئے اور عابد کی نیکیاں مٹ گئیں اب آئندہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے اسی طرح ایک گستاخ شخص ایک عابد کی گردن پر سجدہ کی حالت میں آ سوار ہوا عابد نے غصے ہو کر کہا واللہ وقع ہو اللہ تیری کبھی مغفرت نہیں کرے گا اسی وقت الہام ہوا بلکہ اے متکبر تیری مغفرت کبھی نہ ہو گی کیا میری مغفرت

تھے پس پیشاب کے کیڑے اور ناپاک نطفہ کو تو اپنی اصلیت دیکھنی چاہئے نہ کہ آباؤ اجداد کے قابل تعریف اور بہادرانہ کام کہ میرے باپ دادا ایسے بہادر تھے اور دادا ایسے سخی تھے پھر اگر دنیا داروں کے نسب پر تکبر اور فخر کیا جائے تب تو حماقت کا کچھ ٹھکانہ ہی نہیں کیا خبر ہے کہ وہ نسب والے کہاں گئے ممکن ہے کہ جہنم کا کوئلہ بن گئے ہوں اور آرزو کرتے ہوں کہ کاش کتے اور سور پیدا ہوتے تاکہ اس مصیبت سے نجات ملتی پس ان کی حالت تو ایسی اندیشہ ناک اور ان کے صاحبزادے دنیا میں ان کی اولاد ہونے پر ناز کریں اور اگر دین داروں کے نسب پر فخر و ناز ہو کہ ہم ایسے شیخ اور ولی کی اولاد میں ہیں تو اس تکبر میں دوسری حماقت ہے' کیونکہ ان کو جو کچھ عزت اور شرف حاصل ہوا تھا وہ ان کی دینداری اور تواضع کی بدولت ہوا تھا سو جب وہ اپنی دینداری پر خود ہی متکبر نہ تھے تو ان کی اولاد کس عزت و شرافت پر تکبر کرتی اور ان کی ناخلف اولاد قرار پاتی ہے دیندار آباؤ اجداد کا تو یہ حال تھا کہ وہ بعض وقت انجام و خاتمے کے خوف سے لرز اٹھتے اور یہ تمنائیں کیا کرتے تھے کہ کاش گھاس ہوتے کہ کوئی جانور چر لیتا کاش پرندہ ہوتے کہ کوئی شکاری جانور یا انسان کھا لیتا بھلا جن کو علم و عمل دونوں حاصل تھے وہ تو تکبر سے کوسوں بھاگتے تھے اور تم باوجودیکہ دونوں صفتوں سے بے بہرہ ہو کر محض ان کی اولاد ہو کر نسب پر فخر کرتے اور متکبر بنے جاتے ہو۔

چہارم مال و جمال:

چوتھا سبب: مال اور جمال ہے کہ

> مال اور جمال پر تکبر اور اس کا علاج

آدمی اپنے مال یا حسن پر فخر کرتا ہے سو ان چیزوں پر بھی تکبر کرنا حماقت ہے۔

تیرے ہاتھ میں ہے کہ قسم کھا کر پختگی کے ساتھ ہمارے ایک بندہ کو اس سے ناامید بناتا ہے" حضرت عطا سُلمی رحمۃ اللہ علیہ باوجود نہایت درجہ متقی اور عابد وزاہد ہونے کے جب کبھی تیز ہوا چلتی یا بادل گرجتا تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ "مجھ بدنصیب کی وجہ سے لوگوں پر مصیبت نازل ہوتی ہے پس اگر عطا مر جائے تو ان مصیبتوں سے لوگوں کو خلاصی مل جائے" دیکھو اس اخلاص اور کثرت عبادت پر ان کو کس قدر تواضع اور اللہ کا خوف تھا اور اس زمانہ میں تو یہ حالت ہے کہ دو چار ظاہری اعمال پر نازاں ہوتے اور اللہ تعالیٰ پر احسان جتاتے اور اس کی حکومت وسلطنت جبروتی کی باگ اپنے ہاتھ میں لینی چاہتے ہیں کہ کسی کو ماریں کسی کو جلائیں حالانکہ ان عبادتوں میں ریاء وسمعہ (دکھاوا اور شہرت) کا احتمال جدا ہے اور انجام وخاتمہ کا خطرہ الگ۔

سوم حسب ونسب:

تیسرا تکبر کا سبب حسب ونسب ہے کہ اپنے آپ کو شریف اور عالی خاندان سمجھ کر تکبر کرتے ہیں۔

حسب ونسب پر تکبر ہونے کا علاج اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے نسب میں غور کرو کہ وہ کیا چیز ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص کا نسب اس کے باپ کا ناپاک نطفہ اور ذلیل مٹی ہی تو ہے کہ ہر شخص اسی سے پیدا ہوا ہے پس دوسروں کے خصائل اور غیروں یعنی باپ دادا کی خوبیوں پر ناز کرنا کیسی غلطی کی بات ہے اگر آباؤ اجداد کو گویائی مرحمت ہو تو یقیناً وہ بھی کہیں گے کہ صاحبزادے! دوسروں کے محاسن پر فخر کرنے والا تو کون؟ ان کے پیشاب کا کیڑا ہے جنہوں نے قابل فخر کام کئے

بھلا مال جیسی ناپائیدار چیز کہ ڈاکہ پڑ جائے تو سب جاتا رہے۔ اسی طرح جمال جیسی عارضی چیز کہ مہینے بھر بخار آئے تو سارا حسن و جمال خاک میں مل جائے اور چیچک نکل آئے تو صورت کا روپ بدل جائے فخر کے قابل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ حسین صورت اگر اندرونی نجاستوں میں غور کرے تو اپنے ظاہری جمال پر کبھی فخر نہ کرے۔

یاد رکھو کہ جس حسن و جمال کو بناوٹ اور آرائش کی حاجت ہے وہ ہرگز فخر کے قابل نہیں ہے اگر ہر ہفتہ غسل نہ کیا جائے تو دیکھ لو بدن کے رنگ و بو کا کیا حال ہوتا ہے۔ سنک، تھوک، بول و براز جیسی نجاستوں سے سارا بدن بھرا ہوا ہے۔

پھر بھلا نجاست کے ڈھیر اور غلاظت کے کوڑے کو کیا زیبا ہے کہ اپنے آپ کو صاحبِ جمال سمجھے اور اس پر نازاں اور متکبر ہو۔

*****

نویں اصل

خود پسندی کا بیان

خود پسندی کی مذمت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "نفس کو پاک و صاف اور اچھا نہ سمجھا کرو" یہ کافروں کی شان ہے کہ اپنے اعمال اور اپنے آپ کو اچھا سمجھیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ "خود پسندی تباہ کر دیتی ہے" کیونکہ آدمی جب اپنے آپ کو نیکوکار سمجھنے لگتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے اور سعادت اخروی سے محروم ہو جاتا ہے' حضرت بشر بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ نماز پڑھی اور دیر تک پڑھی' اتفاق سے ایک شخص ان کو دیکھ رہا تھا چونکہ خود پسندی کے احتمال کا موقع تھا اس لئے نماز سے فارغ ہو کر فرمانے لگے کہ میاں میری اس حالت سے دھوکہ نہ کھائیو شیطان نے چار ہزار برس اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مگر انجام اس کا جو ہوا وہ سب کو معلوم ہے غرض مسلمان کی شان نہیں ہے کہ اپنی عبادت کو عبادت اور اپنی طاعت کو طاعت سمجھے کیونکہ اول تو قبولیت کا علم نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ عبادت واقع میں عبادت ہوئی یا یوں ہی بے کار گئی دوم یہ کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور خاتمہ کا حال کوئی جانتا ہی نہیں کہ کس حال پر ہوتا ہے۔

ناز اور خود پسندی اور تکبر میں فرق

خود پسندی بھی تکبر کی ایک شاخ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ تکبر میں دوسرے لوگوں سے اپنے نفس کو بڑا سمجھا جاتا ہے' اور خود پسندی میں دوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے نفس کو اپنے خیال میں کامل سمجھ لینا اور

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا حق خیال کرنا یعنی ان کو اللہ کا فضل و کرم نہ سمجھنا اور ان کے زوال سے بے خوف ہو جانا خود پسندی اور عجب کہلاتا ہے۔

ناز کی علامت

اگر یہاں تک نوبت پہنچ جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے آپ کو ذی مرتبہ اور باوقعت سمجھنے لگے تو یہ ناز کہلاتا ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی دعا کے قبول نہ ہونے سے تعجب اور اپنے موذی دشمن کو سزا و عذاب نہ ملنے سے حیرت ہوتی ہے کہ ہم جیسوں کی دعا قبول نہ ہو اور ہمارے دشمن پامال نہ ہوں۔

تنبیہ : یاد رکھو کہ اپنی عبادت پر نازاں ہونا اور اپنے آپ کو مقبول خدا اور کسی قابل سمجھنا بڑی حماقت ہے البتہ اگر اللہ کی نعمت پر خوش ہو اور اس کے چھن جانے کا بھی خوف دل میں رکھو اور اتنا ہی سمجھو کہ یہ نعمت حق تعالیٰ نے فلاں علم کے سبب مجھ کو مرحمت فرمادی ہے اور وہ مالک و مختار ہے جس وقت چاہے اس کو مجھ سے لے لے تو خود پسندی نہیں ہے، کیونکہ خود پسند شخص نعمت کا منعم حقیقی کی جانب منسوب کرنا بھول جاتا ہے اور جملہ نعمتوں کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔

غیر اختیاری خوبی پر ناز ہونے کا علاج

خود پسندی بڑی جہالت ہے لہٰذا اس کا علاج کرنا چاہیے پس اگر غیر اختیاری خوبیوں مثلاً قوت و زور یا حسن و جمال پر عجب ہو تب تو یوں سوچو کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے میں میرا دخل ہی کیا ہے کہ ناز کروں اللہ تعالیٰ کا محض فضل و احسان ہے کہ اس نے بلا استحقاق یہ خوبیاں مجھ کو عطا فرمادیں علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ یہ سب خوبیاں معرض زوال میں ہیں کہ ذرا سی بیماری اور ضعف لاحق ہوا تو سب جاتی رہیں گی پس دوسرے کے ناپائیدار عطیہ پر عجب کیسا اور اگر عمل و علم یا زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت یعنی

اختیاری افعال پر ناز ہو تو اس میں غور کرو کہ یہ کمالات اور محاسن کیونکر حاصل ہوئے اگر اللہ تعالیٰ ذہن رسا اور طاقت وہمت، دماغ وبینائی، ہاتھ پاؤں، قصد وارادہ مرحمت نہ فرماتا تو کوئی کمال کیونکر حاصل ہوتا۔ اسی کا حکم تھا کہ کوئی مانع پیش نہیں آیا ورنہ میں مجبور تھا کہ خود کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔

یہ ضرور مسلم ہے کہ انسان کو اختیار وارادہ دیا گیا ہے جس سے اچھے یا برے کام کرتا ہے مگر اختیار وارادہ کی عطا بھی تو اسی اللہ کی ہے اور پھر تمام اسباب کا مہیا کر دینا اور کامیابی دینا غرض ابتداء سے لے کر انتہاء تک سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے پس ایسی حالت میں ناز کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اگر خزانہ کی کنجی بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اور وہ خزانہ کھول کر تمہارے سپرد کر دے اور تم اس میں سے جواہرات اپنی خواہش کے مطابق اپنی گود میں بھر لو اور پھر ناز کرنے لگو کہ میں نے اتنا روپیہ حاصل کیا تو ظاہر بات ہے کہ احمق سمجھے جاؤ گے کیونکہ اگرچہ جواہرات کے سمیٹنے والے تم تھے مگر خزانہ تو شاہی تھا اور کنجی تو بادشاہ ہی کے ہاتھ میں تھی اسی نے تم پر احسان کیا اسی نے کنجی عطا فرمائی اور اسی کی اجازت سے تم خزانہ کی کوٹھڑی میں داخل ہوئے پھر اتنی بے اختیاری پر تم کو اپنے فعل پر ناز اور خود پسندی کیونکر درست ہو سکتی ہے۔

﴿ عبادات وغیرہ اختیاری خوبیوں پر نازاں ہونے کا علاج ﴾

تعجب تو اس بات پر آتا ہے کہ عاقل وسمجھ دار اور پڑھے لکھے ہوشیار لوگ اس موقع پر جاہل بن جاتے ہیں اور اپنی عقل وعلم پر ناز کرنے لگتے ہیں کہ اگر کسی جاہل وبے وقوف کو تونگر پاتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟

ہم تو عالم وعاقل ہو کر مال سے محروم رہیں اور یہ جاہل ونادان ہو کر

مال دار و متمول بن جائے بھلا کوئی پوچھے علم و عقل تم کو نصیب ہوا اور جاہل اس نعمت سے محروم رہا ایسا کیوں ہوا؟ کیا ایک نعمت کو دوسری نعمت کا سبب سمجھ کر اس پر استحقاق جتاتے ہو اگر علم اور مال دونوں چیزیں تم کو ہی دے دی جاتیں اور جاہل فقیر دونوں سے محروم کر دیا جاتا تو یہ بات درحقیقت زیادہ تعجب کی تھی کہ مخلوق میں ایک کو تو سب کچھ مل گیا اور دوسرے کو کچھ بھی نہ ملا۔ بھلا کوئی بادشاہ تم کو گھوڑا مرحمت فرمادے اور دوسرے شخص کو غلام دیوے تو کیا یوں کہنے کی تم کو ہمت ہے کہ واہ صاحب اس کو غلام کیوں دیا گیا اس کے پاس گھوڑا تو ہے ہی نہیں اور میں چونکہ گھوڑا رکھتا ہوں لہٰذا غلام بھی مجھ ہی کو ملنا چاہیے تھا۔ ایسا خیال کرنا بڑی بے وقوفی اور جہالت کی بات ہے' عقل مندی کی بات یہی ہے کہ عطائے خداوندی پر شکر ادا کرو اور سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ابتداءً بلا استحقاق مجھ پر کرم فرمایا اور عقل و علم جیسی نعمت بخشی جس کے مقابلہ پر مال کی کوئی حقیقت ہی نہیں اور پھر شکر گذاری و عبادت کی توفیق مرحمت فرمائی' اور دوسروں کو اس سے محروم رکھا حالانکہ یہ محرومی بھی کسی جرم سابق کی سزا یا قصور کا بدلہ نہیں ہے' پس جب ایسا خیال کرو گے تو خوف الٰہی پیدا ہوگا اور سمجھو گے کہ جس نے بلا استحقاق انعام فرمایا ہے وہ اگر بلا قصور اس نعمت کو چھین بھی لے تو کوئی چون و چرا نہیں کر سکتا اور کیا خبر ہے کہ یہ نعمت مکر اور استدراج (ڈھیل) ہو اور وبال جان اور عذاب کا سبب بن جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہو گئے اور پھولے نہ سمائے تو یکایک ان کو پکڑ لیا جب یہ خیالات ذہن نشین ہوں گے' خشیت اور خوف تم سے کسی وقت بھی دور نہ ہوگا اور کسی نعمت پر نازاں اور خوش نہ ہو گے پس عجب سے بآسانی نجات مل جائے گی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

دسویں اصل

ریاء کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''کہ افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں''۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اعمال میں اخلاص پیدا کرے اور ریاء ونمود سے اپنے اعمال اور طاعتوں کو بچائے کیونکہ ریاء شرک اصغر ہے۔

ریاء ونمود کا صلہ یعنی شہرتِ دنیا میں پورا ہو گا

حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کو جزا و سزا دے گا اور انعامات عطا فرمائے گا تو ریاءکاروں کو حکم دے گا کہ انہی کے پاس جاؤ جن کے دکھانے کو نمازیں پڑھتے اور عبادتیں کیا کرتے تھے۔ اپنی عبادتوں کا ثواب اور طاعت کا صلہ بھی انہی سے لو دیکھو کیا دیتے ہیں۔

دوسری طویل حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن احکم الحاکمین کی شاہنشاہی عدالت میں غازی' عالم اور سخی کی پیشی ہوگی اور تینوں اپنے جہاد فی سبیل اللہ۔ تعلیم وتعلم اور مشغلۂ علم ودین اور اپنی خیرات وصدقات کا اظہار کریں گے حکم ہوگا کہ یہ سب اعمال تم نے چونکہ محض دکھاوے اور نام کے لئے کئے تھے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص غازی ہے فلاں شخص بڑا عالم ہے فلاں شخص بڑا سخی ہے سو یہ باتیں حاصل ہوگئیں کہ دنیا میں تم کو شہرت حاصل ہوئی اور لوگوں نے تم کو غازی اور سخی کہہ کر پکارا پھر جس مقصود کے لئے اعمال کئے تھے

جب وہ حاصل ہو چکا تو اب کیا استحقاق رہا اور یہاں کیا چاہتے ہو لہذا جاؤ جہنم میں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس عمل میں ذرہ برابر بھی ریا ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائے گا۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بگوش ہوش سنو اور عبرت پکڑو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھے تو اس کو چاہیے کہ اپنے سر اور ڈاڑھی اور ہونٹوں کو تیل سے چکنا کر لیا کرے تاکہ لوگ اس کو روزہ دار نہ سمجھیں اور خیرات کیا کرے تو اس طرح کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو اور نماز پڑھے تو پردہ ڈال لیا کرے تاکہ کوئی دیکھے نہیں۔

اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جو اپنا سر جھکائے بیٹھا تھا تنبیہ کے طور پر یوں فرمایا تھا کہ ''میاں گردن اٹھاؤ خشوع قلب سے ہوا کرتا ہے نہ کہ گردن سے۔''

ریاء کی ماہیت اور شرک ہونا

ریاء کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعہ سے وقعت اور منزلت کا خواہاں ہو اور یہ عبادت کے مقصود کے بالکل خلاف ہے کیونکہ عبادت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے اور اب چونکہ اس مقصود میں دوسرا شریک ہو گیا کہ رضائے خلق وحصولِ منزلت مقصود ہے لہذا اس کا نام شرک اصغر ہے۔

ریاء کی صورتیں

یاد رکھو کہ ریاء چھ طرح سے ہوا کرتا ہے۔

اوّل بدن کے ذریعہ سے مثلاً شکستگی وضعف اور

غنودگی اور پلکوں کا جھپکانا ظاہر کیا جاوے تاکہ روزہ دار اور شب بیدار خیال کریں یا مثلاً غمگین صورت بنائے تاکہ لوگ سمجھیں کہ ان کو آخرت کی بڑی فکر ہے یا مثلاً پراگندہ حال رہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ دین میں اس قدر مشغول ہیں کہ بال سنوارنے کی بھی فرصت نہیں اور نہ خط بنوانے کا موقع ملتا ہے۔ یا مثلاً آواز پست اور آہستہ نکالے تاکہ لوگ سمجھیں کہ ریاضت ومجاہدہ کرتے کرتے اتنا ضعف ہوگیا ہے کہ آواز تک نہیں نکلتی۔

دوم: ہیئت کے ذریعہ سے مثلاً رفتار میں نرمی اور ضعف ظاہر کرنا یا سر جھکانا۔ مونچھوں کا منڈوالینا۔ سجدہ کے نشان کا باقی رکھنا آنکھ کا بھینچنا اور ایسی صورت بنانا جس سے لوگ سمجھیں کہ حالت وجد میں ہیں' یا مکاشفہ میں مشغول ہیں اور فکر کے اندر مستغرق اور محو ہیں۔

سوم: شکل وشباہت ولباس میں مثلاً صوف اور موٹے جھوٹے کپڑے پہننا پنڈلی تک پائنچہ چڑھانا۔ کپڑوں کا بوسیدہ اور میلا کچیلا رہنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ صوفی صاحب ہیں' حالانکہ تصوف سے اتنے کورے ہیں کہ اس کی حقیقت و ماہیت بھی نہیں جانتے' یا چوغہ یا ڈھیلی آستینوں کا جبہ پہننا تاکہ لوگ عالم سمجھیں یا عمامہ پر رومال باندھے رکھنا اور جرابیں پہنے رکھنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس درجہ متقی ہیں کہ راستے کے غبار تک سے پرہیز کرتے ہیں کہ اللہ جانے کس کی ملکیت ہوگی۔ پھر ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

دینداروں میں نمود ووقعت کی طلب

بعض تو وہ لوگ ہیں جو صوفیوں اور دینداروں کے دلوں میں قدر ومنزلت کے طالب ہوتے ہیں' اور ہمیشہ اسی نیت سے میلے کچیلے پرانے کپڑے پہنتے اور اس حالت میں رہتے ہیں کہ اگر کوئی نیا کپڑا

جس کا پہننا شرعاً مباح ہو اور سلف نے بھی ایسا لباس پہنا اور استعمال کیا ہو ان کو دیا جائے کہ اس کو پہن لیجئے تو ان کو ایسا ناگوار گذرتا ہے جیسے کسی نے ذبح کر دیا اور وجہ اس کی یہی ہے کہ اس سے ان کا مطلب فوت ہوا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگ صاف ستھرا کپڑا اپنے دیکھیں گے تو ان کی وہ قدر نہ کریں گے جو میلے کپڑوں میں کرتے تھے بلکہ یوں کہیں گے کہ اب صوفی صاحب کے زہد میں کمی آ گئی اور تصوف کا رنگ بدل چلا۔

امراء میں نمود و عزت کی طلب

بعض لوگ امیروں اور تاجروں میں وقعت پیدا کرنے کے خواہش مند ہوتے اور سوچتے ہیں کہ اگر پرانے پھٹے کپڑے پہنے تب تو امراء کی نظروں میں وقعت نہ ہو گی بلکہ ان کو ہمارے پاس بیٹھنے سے بھی نفرت ہو گی اور اگر لباس فاخرہ پہنا تو لوگ زاہد اور صوفی نہ سمجھیں گے لہٰذا ایک نئی صورت اختیار کرتے ہیں کہ بیش قیمت باریک کپڑوں کو گیروا یا آسمانی رنگ کا رنگوا لیتے ہیں اگر ان کی قیمت دیکھئے تو شاہانہ لباس کے برابر ہے اور رنگ و روپ ملاحظہ کیجئے تو درویشانہ صوفیانہ ہے اس طرح پر اپنا مطلب حاصل کرتے اور ریاءکار بنتے ہیں چنانچہ اگر ان کو پھٹے کپڑے پہننے کو دیئے جائیں اور کہا جائے کہ ان کو پہن لیجئے تو سخت ناگوار گذرتا ہے۔ کیونکہ ایسے کپڑوں کا پہننا امیروں کی نظروں سے گر جانے کا سبب ہے۔

اور اگر پشمینہ یا بانات یا کوئی دوسرا بیش قیمت کپڑا جو شرعاً مباح اور جائز ہو انہیں پہنائیے تو وہ بھی موت سے زائد ہے کیونکہ اس کو پہن کر لوگوں میں زاہد و صوفی نہ سمجھے جاویں گے اور گویا درویشوں کی جماعت سے خارج ہو جاویں گے اس سے معلوم ہو گیا کہ ان کا لباس ریاءکاری کا لباس ہے اللہ پناہ

میں رکھے۔

چہارم: گفتگو اور زبان سے ریاء کیا جاوے جیسا کہ تم نے بعض دنیادار واعظوں کو دیکھا ہوگا کہ زبانیں موڑ موڑ کر مقفّٰی و مسجع عبارتیں بنا بنا کر سلف صالحین کی نقل اتارتے اور محض دکھاوے کی غرض سے کبھی آواز کا لہجہ پتلا بناتے ہیں اور کبھی غمگین کہ دل پر اثر خاک بھی نہیں مگر بناوٹ اور تصنع یوں بتا رہا ہے کہ بڑے عالم اور صوفی ہیں کہ بالکل سلف کا نمونہ ہیں۔ اسی طرح مثلاً حفظِ حدیث اور مشائخ و علمائے زمانہ سے ملاقات کا دعویٰ اور اظہار کرنا کہ فلاں بزرگ کی ہم نے زیارت کی اور فلاں شیخ سے ملے یا مثلاً کسی حدیث کے متعلق صحیح یا ضعیف ہونے کا جلدی سے حکم لگا دینا تاکہ لوگ محقق اور محدث سمجھیں۔ یا بدکاری و معصیت کے تذکرے پر زبان سے آہ اور ہائے افسوس کے کلمے نکالنا یا خلافِ شرع باتوں سے نفرت ظاہر کرنا اور کڑھنا حالانکہ ان کے دل میں رنج یا نفرت کا اثر نام کو بھی نہیں ہوتا بلکہ سب کچھ محض اس غرض سے ہوتا ہے کہ لوگ ان کو پارسا اور اللہ والا متبعِ شریعت سمجھیں۔

افعال اور اعمال میں ریاء

پنجم: عمل میں ریاء مثلاً قیام زیادہ کرنا رکوع و سجدہ میں دیر تک رہنا سر جھکانا۔ کسی طرف توجہ نہ کرنا۔ پلکوں کو جھکائے رکھنا وغیرہ تاکہ لوگ ان کو عابد و زاہد اور باعفت و پارسا سمجھیں حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ ان کے دل ان خوبیوں سے بالکل کورے اور خالی ہیں اور اسکی شناخت یہ ہے کہ جب اکیلے نماز پڑھتے ہیں تو تھوڑا سا چھوڑ دیتے ہیں اور اگر کسی کو معلوم کرلیں کہ وہ ان کی نماز کو دیکھ رہا ہے تو فوراً سکینت (آہستگی) و وقار کے ساتھ نماز کو ٹھہرا ٹھہرا کر پڑھنے لگتے ہیں۔ تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ ان کی نماز خشوع اور خضوع

(عاجزی و انکساری) سے بھری ہوئی ہے تم ہی بتاؤ کہ یہ ریا نہیں تو اور کیا ہے؟

ششم: اپنے شاگردوں اور مریدوں کی کثرت کا اور مشائخ کا بکثرت تذکرہ کرنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ ان کی بڑے بڑے مشائخ سے ملاقات ہوئی ہے اور بعض لوگ اس کے خواہاں ہوتے اور تدبیر کرتے ہیں کہ کسی طرح سلاطین و امراء و علماء و صلحاء ان کی زیارت کرنے کو آنے لگیں تاکہ ان کی شہرت ہو جائے۔ کہ فلاں ایسے بزرگ ہیں کہ ان کی خدمت میں ایسے ایسے بڑے لوگ حاضر ہوتے ہیں اور بادشاہ و عالم سب ہی ان کے آستانہ بوسی (چوکھٹ چومنا) کو اپنی عزت سمجھتے ہیں یاد رکھو کہ یہ سب دین میں ریاء کاری ہے اور ریاء حرام اور کبیرہ گناہ ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

فصل

ریاء کے حرام ہونے کی وجہ دو ہیں

ریاء کے حرام ہونے کی وجہ

اول: تو یہ کہ اس میں لوگوں کو دھوکہ دے کر اپنا معتقد بنانا لازم آ رہا ہے اور دھوکہ دینا حرام ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی کو ایسی طرح روپیہ دے کہ دیکھنے والے یوں سمجھیں کہ اس کو ہبہ کر رہا ہے حالانکہ وہ ہبہ نہیں کرتا بلکہ اسکو قرض دیتا ہے تو چونکہ اس میں بھی دھوکا لازم آ رہا ہے اس لئے یہ بھی معصیت ہے چہ جائیکہ بناوٹ اور تصنع کی صورت بنا کر لوگوں کے خیالات میں اس بات کا ڈالنا کہ یہ نیکوکار اور قابل تعظیم ہیں اور اس طرح پر لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنا سو اس کے دھوکا ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے پھر ایسے مکار شخص کو فاسق کیونکر نہ کہا جائے۔

دوم: ریاء کاری اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے حضور میں خادم بن کر کھڑا ہو اور اس کھڑے ہونے سے اس کی غرض اپنے آپ کو شاہی خدمت گار اور ذلیل ومحتاج غلام ظاہر کرنے کی نہ ہو بلکہ بادشاہ کے غلاموں میں سے کسی کو تکنا یا کسی کنیز کو گھورنا مقصود ہو تو ظاہر ہے کہ وہ بادشاہ کے دربار کا گستاخ سمجھا جائے گا اور بے ادبی کا مجرم قرار پائے گا اسی طرح جب عبادت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہ ہوئی بلکہ اس کے بندوں کی رضا مطلوب ہوئی کہ وہ نیکوکار سمجھیں اور اس کے معتقد ہوں تو گویا بندوں کو اللہ کی بہ نسبت اپنے نفع اور نقصان پر زیادہ قادر سمجھا اور دل میں بندوں کی یہاں تک عظمت بٹھالی کہ عبادت بھی انہی کے نذر گذار دی۔

ریاء کی کیفیت میں کمی بیشی پر گناہ کی کمی وزیادتی

ریاء کو شرک اصغر کہا گیا ہے پھر اس غرض اور نیت میں جتنا فساد زیادہ ہوگا اسی قدر گناہ بھی زیادہ ہوگا۔ کیونکہ بعض ریاء کاروں کا مقصود تو صرف یہی ہوتا ہے کہ لوگ ہماری عزت کیا کریں اور ہمیں مقتداء سمجھیں۔

بعض کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ لوگ ہم کو دیندار سمجھ کر ہمارے پاس امانتیں رکھیں، ہم کو اپنی اوقاف کا متولی بنائیں یا یتیموں کے مال ہماری سپردگی میں دیں پس ان کو اپنے قبضے میں لاکر اڑانے کھانے کا موقع ملے ظاہر ہے کہ اس کا گناہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

بعض کا منشاء ہوتا ہے کہ ہم کو نیک بخت سمجھ کر عورتیں اور لڑکے ہمارے پاس آنے لگیں اور اس ٹٹی کی اوٹ میں شکار کھیلنے یعنی زنا ولواطت

کرنے کا بخوبی موقع ملے یا ان ضعیف دل عورتوں بچوں سے مال ہمارے ہاتھ آئے اور اس فسق وفجور اور لہو ولعب میں خرچ کر سکیں۔ظاہر بات ہے کہ اس کا گناہ پہلی دونوں صورتوں سے زیادہ ہے کیونکہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو معصیت کا آلہ اور جبّار وقہّار پروردگار کی مخالفت کا وسیلہ بنالیا ہے۔(العیاذ باللہ)

فصل

عبادت کے فرق سے ریاء کی کمی بیشی

اسی طرح جن عبادتوں میں ریاء ہوتا ہے وہ بھی مختلف درجے کی ہیں کہ ان میں بعض کا گناہ بعض سے بڑھا ہوا ہے۔

پہلا درجہ: اصل ایمان میں ریاء جیسے منافق کہ اس کے دل میں ایمان تو نام کو بھی نہیں مگر اس نے صورت مسلمانوں کی سی بنا رکھی ہے تا کہ لوگ کافر سمجھ کر اس کے جان و مال کو حلال نہ سمجھیں یا مثلاً ملحد و مرتد جس کا ایمان جاتا رہا مگر وہ کسی مصلحت یا لحاظ سے اپنے آپ کو مسلمان ہی ظاہر کر رہا ہے اس ریاء کا گناہ بہت سخت ہے چنانچہ کلام مجید میں مذکور ہے کہ ''منافق جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے۔''

دوسرا درجہ: اصل عبادتوں میں ریاء کرنے کا ہے مثلاً لوگوں کے سامنے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور اگر تنہا ہوں کہ کوئی شخص پاس نہ ہو تو نہ نماز ہے نہ زکوٰۃ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت یہ محض لوگوں کو دکھانے کی تھی مگر اللہ تعالیٰ تو دلوں کے حالات سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ عبادت کس نیت سے ہو رہی ہے لہٰذا اس کا درجہ اگر چہ پہلے درجہ سے کم ہے مگر تاہم سخت

اور شرک اصغر ہے۔

تیسرا درجہ: جو سب میں ادنیٰ ہے یہ ہے کہ فرائض عبادتوں میں تو ریاء نہ ہو مگر مستحب اور نوافل عبادتیں لوگوں کے دکھلانے کو کی جائیں مثلاً اگر لوگ موجود ہوں تو نفلیں زیادہ پڑھے اور فرضوں کو بھی سنبھال کر ادا کرے جب عرفہ (۹ ذی الحجہ) اور عاشورہ (۱۰ محرم) کا دن آئے تو اس کا روزہ بھی ضرور رکھے اگر زکوٰۃ کا وقت ہو تو لوگوں کی موجودگی میں اس مد کے اندر عمدہ نفیس مال نکالے اور اگر سفر وغیرہ کی حالت یا خلوت وعلیحدگی کا وقت ہو تو نہ نماز ٹھیک طرح ادا ہو نہ وہ نفل نمازیں قائم رہیں اور نہ نوافل روزے رکھے جائیں، فرض نماز بھی پڑھے تو کوے کی سی ٹھونگیں گویا از سر یاد ہے، اسی طرح زکوٰۃ تو ضرور دیتا ہے مگر سر کے اوپر سے محض بوجھ اتارنے کے لئے ردی مال سے زکوٰۃ دیتا ہے پس اس کا گناہ ایمان اور فرائض میں ریاء کرنے کے گناہ سے کم ہے مگر یہ بھی حرام اور دین کی بربادی کے لئے کافی ہے۔

ریاء کے قصد میں تفاوت کی وجہ سے سزا میں کمی بیشی

یہ بھی یاد رکھو کہ ریاء کے قصد میں تفاوت کی وجہ سے بھی گناہ کے اندر بھی کمی بیشی ہو جاتی ہے، مثلاً ایک صورت تو یہ ہے کہ عبادت سے مقصود محض دکھاوا ہو کہ عبادت کا قصد ہی نہ ہو مثلاً بلا وضو لوگوں کے دکھانے کو نماز پڑھنا یا لوگوں کے دکھاوے کو روزہ رکھنا کہ خلوت میں گئے اور افطار کر لیا پس اس کا گناہ تو نہایت ہی سخت ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ عبادت بھی مقصود ہو اور اس کے ساتھ ہی اس میں ریاء کی بھی آمیزش ہو سو اس کے تین درجے ہیں

پہلا درجہ: تو یہ ہے کہ مقصود محض عبادت ہے جس کی شناخت یہ ہے کہ

اگر تنہا ہوتا تب بھی نماز پڑھتا۔ جیسے لوگوں کی موجودگی میں پڑھ رہا ہے مگر چونکہ دوسرے نے نماز پڑھتے ہوئے اس کو دیکھا ہے اس لئے طبیعت اس کی خوش ہو گئی اور نماز پڑھنا اس کو گراں معلوم نہ ہوا پس اگر اتنی ہی بات ہے تب تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عبادت کو قبول فرمالے اور اس پر ثواب بھی مرحمت فرمادے باقی یہ دوسری بات ہے کہ اس ریاء کی سزا بھی دے یا اس کی وجہ سے عبادت کے اجر و ثواب میں کمی فرمادے۔

دوسرا درجہ: یہ ہے کہ عبادت کا قصد مغلوب اور دکھاوے کا خیال غالب ہو یعنی یہ حالت ہے کہ جتنی عبادت لوگوں کی موجودگی میں کرتا ہے تنہائی اور خلوت کی حالت میں اتنی عبادت ہرگز نہیں ہوسکتی پس یہ عبادت جس کی ریاء کاری کی یہ حالت ہو کسی طرح بھی قبول ہونے کے قابل نہیں ہے کیونکہ اس میں عبادت کا بھی اگرچہ ذرا سا قصد اور ارادہ شامل ہے مگر وہ اتنا مغلوب ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے لہٰذا اس کو صریح ریاء کاری سمجھا جائے گا اور ایسی عبادت پر سخت عذاب کا اندیشہ ہے۔

تیسرا درجہ: یہ ہے کہ عبادت اور ریاء دونوں مساوی اور برابر ہیں مثلاً عبادت سے جس قدر طاعت خداوندی مقصود ہو اسی قدر لوگوں کو دکھلانا بھی مقصود ہو یہ ایسی حالت ہے جس میں نفع اور نقصان چونکہ برابر ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس پر نہ عذاب ہو اور نہ ثواب ملے مگر چونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جملہ شرکاء میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز میری ذات ہے" لہٰذا کچھ عجب نہیں کہ اس صورت میں بھی نقصان کو نفع پر ترجیح دے کر عبادت کو باطل کہا جاوے پس غیب کی خبر تو اللہ کو ہے کہ ایسے شخص سے کیا معاملہ ہوگا مگر بظاہر بہر

حال یہ حالت گناہ سے خالی معلوم نہیں ہوتی۔

فصل

ریائے جلی وخفی اور اخفیٰ اور اشد خفاء

ریاء کبھی تو جلی ظاہر ہوتی ہے مثلاً یہ حالت کہ تنہائی میں ایسی عبادت نہیں ہوتی جیسی لوگوں کے سامنے ہوتی ہے اور کبھی خفی اور پوشیدہ ہوتی ہے مثلاً کوئی شخص تہجد پڑھتا تو ہمیشہ ہے مگر جب کوئی مہمان آجاتا ہے تو اس کے سامنے تہجد کے لئے اس کا نشاط اور مسرت زیادہ ہو جاتی ہے پس یہ بھی ریاء ہے مگر پہلے کی نسبت اس میں خفا (پوشیدگی) ہے اور اس سے زیادہ مخفی (پوشیدہ) وہ ریاء ہے کہ کسی کے موجود ہونے سے نشاط میں بھی زیادتی نہ ہو مگر اثنائے عبادت میں یا عبادت سے فارغ ہونے کے بعد اگر کوئی شخص اس عبادت پر مطلع ہو جائے تو اس کے دل میں ایک قسم کی فرحت اور خوشی پیدا ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دل کے اندر ریاء اس طرح چھپا ہوا ہے جیسے راکھ کے اندر آگ چھپی ہوتی ہے کہ دوسروں کے مطلع ہونے پر اسی لئے تو سرور پیدا ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ خفی ریاء (زیادہ پوشیدہ) یہ ہے کہ اطلاع سے بھی خوشی نہ ہو لیکن اس کا آرزومند رہے کہ کاش لوگ میری تعریف کریں سلام اور مصافحہ میں ابتداء کریں اور معاملات میں میری رعایت کریں اور اگر کوئی شخص ان کے ساتھ کچھ برائی کر بیٹھتا ہے تو اس کو تعجب ہوتا ہے یاد رکھو کہ یہ بھی ریاء ہے کیونکہ ان خیالات اور آرزوں سے معلوم ہوا کہ لوگوں پر اپنی طاعت وعبادت کا احسان رکھنا چاہتا ہے اور اگرچہ لوگوں سے اس نے اپنے ریاء کو چھپا رکھا ہے مگر اس کا اتنا اثر ضرور ظاہر ہے کہ توقیر اور احترام کی خواہش ہے اس قسم کی ریاء بھی جن سے صدیقین ہی خالی ہوتے ہیں گناہ میں داخل ہیں

اور اعمال کے حبط (ساقط) ہو جانے کا اندیشہ ضرور ہے۔ البتہ اگر اس عبادت پر لوگوں کے مطلع ہو جانے سے خوشی اس بنا پر ہوئی ہو کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے نیک عمل اور فعلِ جمیل (عمدہ کام) ہی کا اظہار فرمایا اور ہماری کسی معصیت یا فعلِ قبیح (برا کام) پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیا محض اپنے فضل سے شانِ ستاری کا ظہور فرمایا، اگرچہ میں تو طاعت ہو یا معصیت دونوں میں سے کسی کا اظہار بھی نہیں چاہتا تھا مگر خیر الحمد للہ لوگ مطلع ہوئے تو فعلِ جمیل ہی پر ہوئے فعلِ قبیح (برا کام) پر نہ ہوئے۔

مثلاً اس وجہ سے خوشی ہو کہ اس عبادت پر لوگوں کے مطلع ہونے سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی مجھ سے اچھا ہی معاملہ فرمائے گا۔ کیونکہ دنیا میں ستاری فرمانا علامت ہے کہ آخرت میں بھی رسوائی سے بچائے گا یا اس وجہ سے خوشی ہو کہ اس اطلاع کے سبب دوسروں کو بھی ہمت ہوگی اور میرا یہ فعل دوسروں کی عبادت کا سبب بن جائے گا تو اس قسم کی خوشی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اور اسکی علامت یہ ہے کہ دوسرے شخص کی عبادت پر بھی کوئی مطلع ہو جائے تو اس اطلاع سے بھی اس کو اتنی ہی خوشی ہوتی ہو جتنی اپنی عبادت پر دوسروں کے مطلع ہونے سے ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی کی عبادت دیکھ کر لوگوں کا اس عبادت میں رغبت و ہمت کرنا اپنی عبادت ہو یا دوسرے کی دونوں صورت میں حاصل ہے۔ بس اگر مطلع ہونے والے کی اس عبادت میں رغبت و ہمت کرنے کا سوال اسی خوشی کا سبب ہوا ہوگا تو اپنا نفس اور غیر دونوں اس خوشی میں ضرور مساوی ہوں گے۔

چونکہ ریاء کا مادہ نظر سے پوشیدہ ہوتا اور لوگوں کے دلوں پر چھپے

چپکے حملہ کر کے برا اثر ڈالا کرتا ہے لہٰذا متقدمین نے اس میں بہت ہی کچھ احتیاط ملحوظ رکھی اور اپنی عبادتوں کو لوگوں کی نظروں سے بے حد مخفی رکھا ہے۔

گمنامی کا دینی فائدہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "قیامت کے دن امراء سے خطاب ہوگا کہ کیوں صاحبو! کیا ہم نے تمہارے لئے ارزانی نہیں رکھی تھی کیا تم کو لوگ سلام میں ابتداء نہیں کرتے تھے کیا تمہاری ضرورتیں دوسروں کی بہ نسبت جلد رفع نہیں ہوتی تھیں پس چونکہ تم اپنے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں لے چکے ہو لہٰذا یہاں تمہارے لئے کچھ نہیں رہا۔

پس اے مسلمانو! اگر خلاصی چاہتے ہو تو لوگوں کو چوپاؤں * اور بچوں کی طرح لاعقل سمجھو کہ ان کا موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوں ان کا جاننا اور نہ جاننا ان کی واقفیت اور ناواقفیت غرض کوئی بھی قابل اعتبار نہ رہے پس چونکہ اللہ ہی کا جاننا کافی ہے لہٰذا اپنی عبادت اسی کو دکھلاؤ کیونکہ وہی جزا دے سکتا ہے اور وہی عبادت کا قدردان ہے باقی اس کے سوا تو دنیا اور دین میں کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی کو کچھ بھی دے سکے اگر ایسا کرو گے تو اپنی عبادتوں سے ضرور نفع پاؤ گے ورنہ سخت ضرورت کے دن یعنی میدان حشر میں خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔

فصل

شائد تمہارا یہ خیال ہو کہ اس قسم کے خفی ریاء سے تو بچنا محال ہے البتہ جلی ریاء

* اس صورت میں چونکہ ایک قسم کی تحقیر ہے اس لئے میرے نزدیک سب کو فرشتے سمجھے۔ کیونکہ فرشتوں سے انسان ریا نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے کوئی کام نہیں پڑتا اس لئے ان سے طالب توقیر و تعظیم نہیں ہوتا۔ (مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

سے آدمی بچ سکتا ہے پھر نہ معلوم کون سی عبادت صحیح ہے اور کون سی فاسد لہٰذا ہم اس کی بھی تشریح کیے دیتے ہیں عبادت میں ریاء تین قسم کی ہوتی ہے۔

پہلی قسم: شروع عبادت میں ریاء

اوّل ہی سے ہو مثلاً نماز کا پڑھنا اول سے لے کر آخر تک سارا محض لوگوں کے دکھانے اور نمازی کہلانے کو ہو یہ صورت تو نماز کے لئے مفسد ہے کہ ایسی نماز ہی صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس میں عبادت کی نیت ہی نہ ہوئی اور بلا نیت کے کوئی عبادت معتبر نہیں ہے اور اگر کوئی شخص نماز تو جلوت ہو یا خلوت دونوں صورتوں میں پڑھتا ہے مگر اوّل وقت میں پڑھنا ریاء کی نیت سے ہوتا ہے تو اس صورت میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرض ادا ہو جائے گا البتہ اوّل وقت کی فضیلت حاصل نہ ہوگی اس لئے کہ اس میں ریاء موجود ہے اب رہی یہ بات کہ ریاء کا قصد عبادت میں شامل ہوا سو اس کا گناہ جدا ہوگا۔

دوسری قسم: اثنائے عبادت میں ریاء

اثنائے عبادت اور تکمیلِ طاعت میں ریاء ہو۔ مثلاً نماز پڑھنے میں کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آ گئی یا کوئی تماشہ ہونے لگا تو دل للچایا کہ نماز توڑ کر ادھر متوجہ ہوئے۔ پس اگر ایسی حالت ہے کہ تنہائی کا موقع ہوتا اور کسی کا لحاظ مانع نہ ہوتا تو ضرور نماز کو توڑ دیتا مگر چونکہ آدمی بیٹھے ہوئے ہیں اس لئے ان کی شرم اور اس خیال سے کہ دیکھنے والے یوں کہیں گے کہ دیکھو فضول مشغلہ کے لئے میاں نے اپنی نماز توڑ دی۔ نماز کو نہ توڑے اور بادلِ نخواستہ پڑھے جائے تو اس نماز کو بھی باطل کہیں گے۔ کیونکہ عبادت میں اوّل سے لے کر آخر تک نیت کا قائم رہنا ضروری ہے اور جب درمیان میں ریاء کی وجہ سے نیت عبادت جاتی رہی تو نماز بھی جاتی رہی۔

یا مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف دیکھتا ہوا پا کر اس خیال سے کہ میری عبادت پر یہ لوگ مطلع ہو گئے ہیں اس کی طبیعت کو اس قدر خوشی ہوئی کہ عبادت کی اصل نیت بالکل مغلوب ہو گئی اور نماز کا کوئی رکن ایسی حالت میں ادا ہوا جس میں لوگوں کی آگاہی کے سرور کو زیادہ دخل تھا، تو غالب ہے کہ یہ نماز بھی صحیح نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس میں اگرچہ نیت منقطع نہیں ہوئی مگر تاہم ایسی مغلوب ہو گئی ہے کہ اس کا عدم اور وجود برابر ہے، پس اس نماز کو بھی باطل کہا جائے گا ہاں اگر ایسی معمولی خوشی ہو کہ وہ نیت پر غالب نہ آئے اور عبادت کا محرک اور اصل باعث رضائے حق اور حکم خداوندی ہی رہے تو یہ نماز تو صحیح ہی ہو جائے گی مگر قصدِ ریاء کا گناہ ضرور ہوگا۔

تیسری قسم: عبادت کے بعد ریاء کا حکم

یہ ہے کہ عبادت سے فارغ ہو جانے کے بعد ریاء ہو مثلاً لوگوں کے اس عبادت پر آگاہ ہو جانے سے اس کو مسرت ہو یا لوگوں سے خود ہی اس کا اظہار فخر کے انداز پر کرتا پھرے تو اس کو عبادت کے صحت اور فساد سے کوئی علاقہ نہیں اس لئے کہ جس وقت ریاء ہوا ہے اس وقت عبادت ختم ہو چکی تھی۔ البتہ اس مسرت اور اظہار کا گناہ ہوگا اور پھر عبادت کا اظہار صراحتہً یا کنایۃً یا تعریضاً جس طرح اور جس حیثیت سے ہوگا اس سے ریاء کے جلی اور خفی ہونے کا اندازہ خود ہو سکے گا کہ صراحتہً اظہار ہے تو ریاء بھی جلی ہے اور اظہار اشارۃً ہے تو ریاء بھی خفی ہے۔

فصل

ریاء کے سبب اوّل یعنی حُبِّ مدح کا علاج

ریاء بڑا مہلک مرض ہے اس کا علاج پوری

مستعدی کے ساتھ ہونا چاہیے یاد رکھو کہ ریاء کا سبب اکثر یا تو حُبِّ مدح اور اپنی تعریف کی خواہش ہے یا مال دنیا کی حرص وطمع اور یا مذمت کا خوف واندیشہ۔

مثلاً کوئی شخص میدانِ جنگ میں اس غرض سے بہادری دکھائے کہ لوگ اس کو شجاع کہیں یا اس نیت سے عبادت کرے کہ لوگ اس کو عبادت گذار و پرہیز گار کہیں تو یہ حُبِّ مدح ہے اور اس کا علاج وہی ہے جو حُبِّ مدح کے علاج میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ یہ شہرت اور دنیا کی نیک نامی محض فرضی اور وہمی ناقابل اعتبار کمال ہے آج مرے کل دوسرا دن تعریف کرنے والے اور ان کی تعریفیں اور سپاسنامے یہیں رہ جائیں گے اور کسی سے کچھ بھی نفع حاصل نہ ہوگا۔ حقیقی کمال وہ ہے جو مرنے کے بعد بھی ساتھ رہے یعنی معرفتِ الٰہی کہ اس کو کبھی فنا ہی نہیں۔

اس کے علاوہ ریاء میں خصوصیت کے ساتھ یہ خیال کرنا بھی اس مرض کے لئے مفید ہے کہ یہی بہادری اور یہی عبادت جو آج مجھ کو لوگوں کی زبان سے شجاع اور عابد کہلا رہی ہے کل کو قیامت کے دن حشر کے میدان میں ساری مخلوق کے سامنے مجھ کو رسوا اور ذلیل کرائے گی کہ میرا نام فاجر و مکّار اور ریاء کار پکارا جائے گا اس پر طرہ یہ کہ میرا کیا کرایا سب بے کار ہو جائے گا اور وہ اعمال جن کو بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ جمع کیا تھا ضبط ہو جائیں گے پس لوگوں کی خوشنودی اور دنیا کی اس ناپائیدار مدح کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ کا غصہ اور محشر کی رسوائی اور ذلت خریدنا کس قدر عقل کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں یہاں دنیا میں جن کی رضامندی چاہتے ہو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم سے ان کو ناراض بھی کر دے اور مدح کے بدلے یہی لوگ ہماری الٹی مذمتیں کرنے لگیں کیونکہ قلوب اور زبانیں تو سب اس کے قبضہ میں ہیں پس چند

روزہ موہوم و محتمل تعریف کو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی پر جو کہ اصل سعادت ہے کیونکر ترجیح ہو سکتی ہے۔

سبب دوم یعنی خوفِ مذمّت کا علاج

اسی طرح مذمت کا خوف ریاء کا باعث ہو تو یہ بات ذہن نشین کرنا چاہیے کہ اگر میں عند اللہ پسندیدہ ہوں تب لوگوں کی مذمت مجھ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی پھر ڈروں تو کیوں ڈروں؟ خصوصاً جب کہ یہ بات یقینی ہے کہ مخلوق کی اس مذمت کے موہوم اندیشہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ناراض رکھنا دنیا میں بھی ذلیل اور رسوا کر دیتا ہے بھلا اگر یہ باطنی ریاء لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مجھے لوگوں کی مذمت سے ڈر معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے میں نیکوکاروں کی سی صورت بناتا اور پرہیزگار بنا پھرتا ہوں تو پھر اس خوف سے کچھ بھی نفع نہ ہوگا اور جس بات کا اندیشہ ہے وہ سامنے آجائے گی کہ مکاری کھلنے کی وجہ سے مذمتیں ہونے لگیں اور اگر اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لئے طاعت کروں تو جن لوگوں کی مذمّت کا مجھے خوف ہے وہ بھی میرے دوست بن جائیں گے اور خداوند تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہو جائے گی۔

سبب سوم حرص و طمع کا علاج

ریاء کا تیسرا سبب حرص و طمع ہے پس اگر یہ وجہ ہو تو خیال کرنا چاہیے کہ جس چیز کی طمع ہے اس کا حاصل ہو جانا ایک موہوم بات ہے اور اس ریاء کی بدولت اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا ہاتھ سے جاتا رہنا یقینی ہے پھر بھلا کسی نفع کی موہوم امید پر اللہ کے غصے کو سر پر لینا کون پسند کرتا ہے؟ چونکہ اللہ تعالیٰ مقلب القلوب (دلوں کے پلٹ دینے والا) ہے اس لئے یاد رکھو کہ ریاء کاری سے جس

دنیوی مطالب کے لئے عبادت کر رہے ہیں وہ بھی نہ حاصل ہو سکے گا بلکہ مخلوق کے سامنے طمع کرنے میں ذلت اور رسوائی جدا اٹھاؤ گے ان کے احسان مند الگ ہو گے کہ ہمیشہ گردن نیچی رہے گی اور اگر بے طمع ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری تمام ضرورتوں کا کفیل ہو جائے گا اور پھر اخلاص کی بدولت جو کچھ دائمی لذیذ نعمتیں تم کو آخرت میں ملیں گی وہ اس کے علاوہ ہوں گی غرض ان یقینی اور سچی باتوں کو ذہن نشین کر لو گے تو ریاء کا نام ونشان بھی نہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ اخلاص کی توفیق بخش دے گا۔

فصل

عبادت کو مخفی رکھنے کے منافع

اس کے بعد غالباً تمہیں یہ فکر ہو گی کہ ریاء سے نفرت تو بے شک پیدا ہو گئی مگر بعض عبادتوں میں مخلوق کے مطلع ہونے پر یکایک جو ریاء پیدا ہو جاتا ہے اس کا علاج معلوم نہیں ہوا۔ لہٰذا اس کی تدبیر بھی بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے خلوت میں بیٹھ کر تنہائی کی حالت میں عبادت کیا کرو اور اپنی عبادت کو ایسا چھپایا کرو کہ جیسا اپنے عیوب اور معصیتوں کو چھپایا کرتے ہو دیکھو حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کسی شخص نے ایک مرتبہ دنیا اور دنیاداروں کی مذمت بیان کی تو شیخ نے جواب دیا کہ "ہمارے حلقہ میں آج سے مت بیٹھا کرو، کیونکہ تم اس کے اہل نہیں ہو، اس لئے کہ جو کام تمہیں چھپانا چاہیئے تھا اس کو تم نے مجمع میں ظاہر کر دیا ہے"۔

یاد رکھو کہ عبادت کا اخفاء شروع میں ذرا دشوار معلوم ہو گا مگر چند روز ایسا کرو گے تو اس کی عادت پڑ جائے گی بلکہ خلوت کی عبادت و

مناجات میں لذت آنے لگے گی بایں ہمہ اس کا لحاظ رکھو کہ جس وقت بھی اپنی عبادت پر لوگوں کی اطلاع سے دل میں مسرت پیدا ہو تو فوراً پہلی باتوں کو یاد کرو اور سوچو کہ کمزور مخلوق کا میری عبادت پر مطلع ہو جانا میرے لئے ذرہ برابر بھی نافع نہیں ہے لہٰذا اس بے نفع بات پر میرا خوش ہونا فضول اور اللہ تعالیٰ کے غصے کا نشانہ بن جانا بڑی خطرناک حالت ہے۔

پس جس وقت یہ خیال کرو گے تو وہ مسرت کراہت سے بدل جائے گی اور جب کراہت کا پلہ بھاری ہوگا تو عبادت اسی اخلاص کی طرف لوٹ جائے گی جو کہ مقصود ہے۔

ظہورِ طاعات جن پر مسرت اختیاری نہیں

اور چونکہ اس سے زیادہ مضمون کے تم مکلف بھی نہیں ہو اس لئے اگر اس پر بھی قلب میں مسرت کا اثر باقی رہے تو یہ طبعی بات ہے۔ جس کا فکر و خیال کرنا فضول ہے کیونکہ یہ اختیاری نہیں ہے اور جو بات اختیاری نہیں ہوتی اس پر مواخذہ بھی نہیں ہوا کرتا۔

الغرض تمہارا کام صرف اس قدر ہے کہ اپنی عبادت کو بالقصد ظاہر اور لوگوں میں شائع اور مشہور کرتے نہ پھرو اور اگر بطور خود لوگوں کو اس کی اطلاع ہو جائے اور اس پر تم کو مسرت لاحق ہو تو اس کو مٹانے کی کوشش کرو کہ جس طرح ممکن ہو کراہت سے بدل لو تاکہ اس مسرت کا کسی عمل پر کوئی اثر نہ پیدا ہو اس کے بعد جو کچھ حالت رہے اب اس کا دور کرنا چونکہ تمہاری قدرت سے باہر ہے لہٰذا اس کا مطلق فکر نہ کرو۔

فصل

اظہارِ عبادت بعض جگہ مفید ہے

اس نیت سے عبادت کے ظاہر کر دینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ کہ لوگوں کو رغبت ہوگی اور وہ بھی میری طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگیں گے مگر ہاں نیت کا صاف اور خالص ہونا ضروری ہے اگر نفسِ امارہ اس حیلہ سے تمہارا شکار کرنا چاہے یا اس سے کسی چھپی ہوئی خواہش کے بڑھنے کا اندیشہ ہو تو ہرگز اس کی جرأت نہ کرنا بلکہ عبادت کے مخفی ہی رکھنے کے پابند بنے رہنا اور اس کی علامت یہ ہے کہ عبادت کا اظہار تمہارے دل کی خواہش پر قائم رہے کہ اگر دوسرے لوگ اس بوجھ کو اٹھالیں اور کسی دوسرے ہی کی عبادت دیکھ کر لوگوں کو رغبت پیدا ہو جائے تو بہت اچھا ہے لہٰذا دل کو ٹٹول لیا کرو کہ اس میں کیا خواہش ہے کیونکہ اگر یہ خواہش ہوئی کہ میری ہی عبادت دوسرے لوگوں کی رغبت کا ذریعہ بنے اور میں مقتدا بنوں اور مخلوق میری مقتدی * ہو تو بس یہی ریاء اور طلبِ شہرت وحبِ جاہ ہے کیونکہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ اخلاص جاتا رہا اسی بنا پر اپنے گناہوں کا چھپانا اور ظاہر نہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس نیت سے ہو کہ لوگ فاسق نہ کہیں۔

گناہ کے مخفی رہنے پر خوشی گناہ نہیں ہے

گناہوں کے مخفی رہنے پر خوش اور آشکارا ہونے پر رنجیدہ ہونے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی موافقت کے باعث ہو کہ وہ معصیت کے چھپانے کو پسند اور اظہار کو ناپسند فرماتا ہے یا اپنے اوپر سے ایذا رفع کرنے کے سبب سے ہو کہ معصیت

* پیروی کرنے والی اور جس کی پیروی کی جائے وہ مقتدا۔

کے فاش ہونے پر لوگوں کو میری مذمت اور برائیاں کرنے کا موقع ملے گا اور اس سے میرے دل پر صدمہ ہوگا اور یہ صدمہ اختیاری نہیں ہے بلکہ طبیعت کا اقتضا ہے اور یا اللہ تعالیٰ کی شان ستاری ظاہر ہونے پر خوش ہونے کی وجہ سے ہو بہر حال کسی نیت سے بھی کیوں نہ ہو گناہوں کے مخفی رہنے پر خوش ہونا حرام نہیں ہے البتہ عبادت پر اس نیت سے خوش ہونا کہ لوگ تعریف کریں گے اور متقی و عابد سمجھیں گے بیشک حرام ہے کیونکہ یہ خوش ہونا گویا عبادت کی اجرت لینا اور مخلوق کی مدح کو اپنی طاعت کا معاوضہ بنانا ہے اور یہ ناجائز ہے اس مضمون کو دوسرے طریقہ سے یوں سمجھو کہ معصیت کے ظاہر ہونے میں عموماً حیا اور شرم آتی ہے اور حیا چونکہ ریاء نہیں ہے اس لئے اس غرض سے معصیت کا چھپانا اور اس پر خوش ہونا بھی حرام نہیں ہے برخلاف عبادت کے اس کے ظاہر ہونے پر خوش ہونے کی وجہ بجز اس کے عبادت کا معاوضہ موہوم اور دنیائے دنی (کمینی دنیا) کا فائدہ قرار دیا ہے اور کوئی معقول وجہ نہیں ہے لہٰذا حرام ہے ہاں ریاء کے خوف سے طاعت اور عبادت کا چھوڑنا بھی مناسب نہیں ہے بلکہ عبادت کو کرتے رہو اور اگر اس میں ریاء پیدا ہو تو اس کے دور کرنے کی کوشش رکھو البتہ اگر ایسے کام جن کو مخلوق سے تعلق ہو مثلاً نماز میں امام بنانا یا مقدمات میں قاضی یا پنچ قرار پانا یا قضاء یا وعظ گوئی اگر ان امور میں ریاء کا غالب اندیشہ ہو کہ نفس ضرور شرارت کرے گا اور نیت میں اخلاص بالکل قائم نہ رہے گا تو بے شک ان کاموں سے بھاگنا چاہئے کیونکہ سلف کا یہی طرز تھا اور ضرور اسی میں بہتری ہے۔

ریاء کے اندیشہ سے معمولات ترک نہ کرنے چاہئیں

اب رہے نماز ۔ روزہ اور صدقات وغیرہ کے اعمال سو ریاء کے اندیشہ سے ان کو ترک کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر بالکل ہی اخلاص نہ ہو اور اول سے آخر تک رضائے اللہ تعالیٰ اور عبادت خداوندی کی قطعی نیت نہ ہو اپنی جیسی محتاج مخلوق کے دکھلانے کو یہ کام کیے جائیں تو اس وقت ان کا کرنا بھی حرام اور چھوڑ دینا اولیٰ ہے اور اگر کسی نیک کام کے تم عادی و پابند ہو اور اتفاق سے لوگ جمع ہو جاویں تو اس وقت ریاء کے احتمال کی وجہ سے اپنے معمول کو ترک مت کرو بلکہ عادت کے موافق اپنا کام کرو اور ریاء کو جہاں تک ہو سکے دفع کرو کہ پاس نہ آنے پائے۔

*****

خاتمہ حسن خلق

اور اس میں

نفس کے دھوکے کا بیان

> سارے ہی اخلاقِ ذمیمہ سے صاف ہونا حسنِ خلق کہا جا سکتا ہے

اخلاقِ مذمومہ جن سے نفس کا تزکیہ کرنا ضروری ہے یوں تو بہت ہیں مگر اصول یہی دس ہیں جن کو بالتفصیل ہم ذکر کر چکے ہیں اور ان میں باہم ایسا تعلق ہے کہ ایک کے ساتھ دوسرا اور دوسرے کے ساتھ تیسرا لگا ہوا ہے اس لئے جب تک سب ہی سے نجات نہ ملے گی اس وقت تک نفس قابو میں نہ آئے گا اور ایک کی اصلاح کرنا اور دوسرے سے بے پروا رہنا کچھ مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ جو شخص دس بیماریوں میں گرفتار ہو وہ تندرست اسی وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کی دسوں بیماریاں جاتی رہیں: جس طرح کوئی خوبصورت آدمی حسین اسی وقت کہلا سکتا ہے جب کہ ہاتھ پاؤں آنکھ کان' غرض سارے اعضاء مناسب اور خوبصورت ہوں: اسی طرح انسان کو حسنِ خلق اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ اس کی تمام باطنی حالتیں قابل تعریف اور پسندیدہ ہوں؛ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "مسلمان وہی ہے جس کا خلق کامل ہو اور مومنین میں افضل وہی ہے جس کا خلق سب سے بہتر ہو"۔ بس اسی عقیدے کا نام دین ہے' اور اسی کی تکمیل کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے۔

حسنِ خلق کی تحقیق اور تحدید اور ثمرات ونتائج میں محققین کے اقوال مختلف ہیں مگر ہم اختصار کے طور پر اس کی تحقیق کرتے ہیں۔

حسنِ خُلق کی ماہیت وثمرات

جاننا چاہیے کہ خَلق اور خُلق یعنی خ کے فتحہ اور ضمہ یعنی زبر اور پیش کے ساتھ جدا جدا دو لفظ ہیں خَلق سے مراد صورتِ ظاہری ہے اور خُلق سے مراد صورتِ باطنی ہے کیونکہ انسان جس طرح جسم سے ترتیب دیا گیا ہے اور ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان وغیرہ اعضاء اس کو مرحمت ہوئے ہیں جن کو قوتِ بصارت یعنی چہرہ کی آنکھیں ادراک کر سکتی ہیں اسی طرح انسان روح اور نفس سے ترکیب دیا گیا ہے اور اس کا ادراک بصیرت یعنی دل کی آنکھیں کرتی ہیں یہ ترکیب ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور ان دونوں ترکیبوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جدا جدا صورت اور قسم قسم کی شکلوں پر پیدا فرمایا ہے کہ کوئی صورت اور سیرت حسین اور اچھی ہے اور کوئی صورت و سیرت بری اور بھونڈی ہے ظاہری شکل و ہیئت کو صورت کہتے ہیں اور باطنی شکل و ہیئت کو سیرت کہتے ہیں ہاں سیرت کا مرتبہ صورت سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ " وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ " آیۂ کریمہ میں روح کو اپنا کہہ کر ذکر فرمایا ہے اور " قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ " میں اس کا اظہار فرمایا کہ روح امرِ ربانی ہے اور جسم کی طرح سفلی اور خاکی نہیں ہے کیونکہ جسم کی نسبت مٹی کی جانب فرمائی اور " اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ " (بے شک میں نے پیدا کیا آدم کو مٹی سے) ارشاد ہوا ہے۔

سیرت کے بھی چار اعضاء ہیں

اس مقام پر روح اور نفس سے ہماری مراد ایک ہی شئے ہے

یعنی وہ شئے جو اللہ تعالیٰ کے الہام والقاء سے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اشیاء کی معرفت اور ادراک حاصل کرتی ہے۔ بہر حال ثابت ہوا کہ زیادہ قابلِ لحاظ امرِ ربانی یعنی سیرت انسانی ہی ہے کہ جب تک اس باطنی ترکیب کی شکل وہیئت میں حُسن موجود نہ ہوگا اس وقت تک انسان کو خوب سیرت نہیں کہا جا سکتا۔

چونکہ اس صورت کے اعضاء یعنی ہاتھ پاؤں کی سیرت کو بھی اللہ تعالیٰ نے باطنی اعضاء مرحمت فرمائے ہیں جن کا نام قوتِ علم۔ قوتِ غضب۔ قوتِ شہوت اور قوتِ عدل ہے لہٰذا جب تک یہ چاروں اعضاء سڈول اور مناسب حدِ اعتدال تک نہ ہوں گے اس وقت تک سیرت کو حسین نہ کہا جائے گا۔ ان باطنی اعضاء میں جو بھی کمی بیشی اور افراط وتفریط ہوگی اُس کی مثال ایسی ہو گی جیسے کسی کی ظاہری شکل ہو اور صورت جسمیہ میں افراط وتفریط (کمی زیادتی) ہو کہ پاؤں مثلاً گز بھر ہوں اور ہاتھ تین گز کے یا ایک ہاتھ مثلاً آدھ گز کا ہو اور دوسرا ہاتھ گز بھر کا ظاہر ہے کہ ایسے آدمی کو خوبصورت نہیں کہا جائے گا پس اسی طرح اگر کسی کی قوتِ غضبیہ مثلاً حدِ اعتدال سے کم ہے اور قوتِ شہوانیہ مناسب اعتدال سے بڑھی ہوئی ہے تو اس کو خوب سیرت نہیں کہہ سکتے۔

اب ہم چاروں اعضائے مذکورہ کا اعتدال وتناسب اور حسن بیان کرتے ہیں۔

قوتِ علمیہ کا حُسن

اوّل: قوتِ علم اس کا اعتدال اور حُسن تو یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعہ سے اقوال کے اندر سچ اور جھوٹ میں امتیاز اور اعتقادات کے متعلق حق اور باطل میں تفریق کر سکے اور اعمال میں حُسن اور قبیح یعنی اچھا اور بُرا پہچان سکے پس جس وقت یہ

صلاحیت پیدا ہو جائے گی تو اس وقت حکمت کا وہ ثمرہ پیدا ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے کہ "جس کو حکمت نصیب ہوئی اس کو خیرِ کثیر عطا ہوئی" اور در حقیقت تمام فضیلتوں کی جڑ اور اصل یہی ہے۔

قوتِ غضبیہ اور شہوانیہ کا حُسن

دوم و سوم قوت غضب وقوت شہوت ان کا اعتدال اور حُسن یہ ہے کہ دونوں قوتیں حکمت اور شریعت کے اشارے پر چلنے لگیں اور مہذب و مطیع شکاری کتے کی طرح شریعت کی فرماں بردار بن جائیں کہ جس طرف بھی ان کو شریعت چلائے بلا عذر و بے تامل اسی جانب لپکیں اور شکار پر حملہ کریں اور جس وقت وہ ان کو روکنا چاہے تو فوراً ٹھہر جائیں اور چپ ہو کر اپنی جگہ بیٹھ جائیں۔

قوتِ عدل کا حُسن

چہارم: قوتِ عدل اس کا اعتدال یہ ہے کہ قوتِ غضبیہ اور شہوت دونوں کی باگ اپنے ہاتھ میں لے اور ان کو دین اور عقل کے اشارے کے ماتحت بنائے رکھے گویا عقل تو حاکم ہے اور یہ قوتِ عدل اس کی پیش کار ہے کہ جدھر حاکم کا اشارہ پاتی ہے فوراً اسی جانب جھک جاتی ہے اور اسی کے موافق احکام جاری کر دیتی ہے اور قوتِ غضبیہ اور شہوانیہ گویا شکاری مرد کے مہذب کتے اور فرماں بردار گھوڑے کی طرح ہیں کہ ان میں حاکم کا حکم اور ناصح کی نصیحت کا نفاذ (جاری ہونا) اور اجرا ہوتا ہے پس جس وقت یہ حالت قابل اطمینان اور لائق تعریف ہو جائے گی اس وقت انسان حَسَنُ الخُلق (اچھی عادت والا ہونا) اور خوب سیرت کہلائے گا اور ان کی بدولت انسان کے تمام اخلاق وعادات درُست ہو جائیں گے۔

قوتِ غضبیہ کے اعتدال اور کمی بیشی کے نتائج

قوت غضبیہ کے اعتدال کا نام شجاعت ہے اور یہی عنداللہ پسندیدہ ہے۔ کیونکہ اس میں زیادتی ہوگی تو اس کا نام تہوّر (بے باکی سے تباہ کرنا) ہے اور اگر کمی ہوگی تو بزدلی کہلائے گی اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حالتیں ناپسندیدہ ہیں۔

حالتِ اعتدال یعنی شجاعت سے لطف و کرم، دلیری وجودت، بردباری واستقلال، نرمی وملاطفت (نرم برتاؤ) اور غصے کے ضبط کا مادہ اور ہر کام میں دور اندیشی و وقار پیدا ہوتا ہے اور اس میں زیادتی ہوتی ہے تو ناعاقبت اندیشی۔ ڈینگ مارنا۔ شیخی بگھارنا۔ غصے سے بھڑک اٹھنا۔ تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور اگر اس میں کمی ہوتی ہے تو بزدلی و ذلت بے غیرتی اور کم ہمتی، خساست (کمینگی) اور وہ حرکات ظاہر ہوتی ہیں جو چھچھورا پن کہلاتی ہیں۔

قوتِ شہوانیہ کے اعتدال اور افراط و تفریط کے ثمرات

شہوت کی حالتِ اعتدال کا نام پارسائی ہے پس اگر شہوت اپنی حدِ اعتدال سے بڑھ جائے گی تو حرص وہوا کہلائے گی، حالت معتدلہ یعنی پارسائی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس سے جو خصائل پیدا ہوتے ہیں وہ سخاوت، حیاء، صبر۔ قناعت۔ اتقاء کہلاتے ہیں۔ طمع کم ہو جاتی ہے، خوف وخشیت اور دوسروں کی مدد کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے، اور حدِ اعتدال سے بڑھنے اور گھٹنے سے حرص اور لالچ، خوشامد، چاپلوسی امراء کے سامنے تذلل (ذلیل ہونا) اور فقراء کو بہ نظرِ حقارت دیکھنا، بے حیائی فضول خرچی ریا، تنگ دلی۔ نامردانگی اور حسد وغیرہ خصائلِ بد پیدا ہوتے ہیں۔

قوتِ عقل کے اعتدال و افراط و تفریط کے آثار

قوتِ عقل میں اگر اعتدال ہوتا ہے تو انسان مدبر و منتظم اور ذکی و سمجھ دار ہوتا ہے کہ اس کی رائے صائب ہوتی ہے اور ہر مضمون میں اس کی طبیعت چستی اور جودت دکھاتی ہے اور اگر حد اعتدال سے بڑھ جائے تو دھوکہ بازی۔ فریب دہی اور مکاری کہلاتی ہے اور اگر عقل کی قوت میں کسی قسم کا نقصان اور ضعف ہوگا تو کند ذہنی و حماقت اور بے وقوفی کہلائے گی جس کا اثر یہ ہوگا کہ ایسا آدمی جلد دوسرے کے دھوکہ میں آجائے گا۔

غرض جس وقت یہ ساری قوتیں حد اعتدال پر ہوں گی تو اس وقت انسان کو حُسنُ الخُلق یعنی خوب سیرت کہا جائے گا۔ کیونکہ اعتدال سے گھٹنا اور بڑھنا دونوں حالتیں حسن سے خارج ہیں خیر الامور اوسطھا۔ ✽ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُپنے ہاتھ گردن میں باندھ کر نہ ڈال لو کہ بخل کرو اور نہ بالکل کھول دو کہ اسراف کرنے لگو نیز فرماتا ہے کہ ہمارے بندوں کی یہ شان ہے کہ نہ وہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ اس کے بَیْنَ بَیْنَ (بیچ بیچ) حالت پر رہتے ہیں۔

فصل

بد خصلتی کا علاج نفس پر جبر کرنا ہے

ان بد اخلاقیوں کی اصلاح چونکہ ریاضت اور مجاہدہ سے ہو سکتی ہے لہٰذا اگر کسی میں کوئی خلق برا موجود ہو تو اس کو چاہیے کہ نفس پر جبر کرے مثلاً اگر بخل کی عادت ہو تو جبراً و قہراً اس کو ترک کرے اور نفس کو ناراض کر کے خرچ کرنے کی عادت ڈالے اور اگر فضول خرچی کا خوگر ہو تو نفس کو فرضی سخاوت سے روکے اور خرچ کرنا بند کرے تا کہ کم خرچی کی عادت ہو

✽ سارے کاموں میں بہتر کام ان کے متوسط درجے کے ہوا کرتے ہیں۔

جائے پھر جب حالت اصلاح پر آجائے گی تو وہی یکیں حالت پیدا ہو جائے گی جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

حُسنِ خلق میں تکلف اخلاقِ حسنہ کا وسیلہ ہے

مگر یہ نہ سمجھنا کہ جبراً و قہراً خرچ کرنے سے سخی یا بہ تکلف عاجزی کرنے سے متواضع کہلاؤ گے نہیں ہرگز نہیں سخاوت اور تواضع تو اس طبعی حالت کا نام ہے جو بلا تکلف و بے تصنع مال کو موقع پر خرچ کرائے اور دوسروں کے سامنے انکساری کا مضمون خود بخود ظاہر کرائے نہ کہ بہ تکلف ہاں یہ ضرور ہے کہ انشاء اللہ اس جبر و قہر اور تکلف کے ساتھ خرچ کرنا یا لوگوں کے سامنے جھکنا اصل سخاوت اور تواضع کا وسیلہ بن جائے گا۔ کیونکہ بہ تکلف ایک کام کو کرتے کرتے اس کی عادت ہو جایا کرتی ہے اور جب عادت ہو جائے گی تو خصلتِ محمودہ سے دل ایسا متصف ہو جائے گا کہ وہ عمدہ خصلت طبعی بن جائے گی۔

حُسنِ خلق کے مراتب اور ثمرات

جس طرح حُسنِ ظاہری میں کمی بیشی ہوا کرتی ہے کہ کوئی زیادہ خوب صورت ہوتا ہے اور کوئی کم۔ اسی طرح حُسنِ باطنی میں بھی لوگ متفاوت ہوتے ہیں پس سب سے زیادہ خوب سیرت تو سرورِ عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آیۃ کریمہ "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" (اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بڑے خُلق پر پیدا کیے گئے ہو) نازل ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس مسلمان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے ساتھ جتنی مناسبت ہوگی اسی قدر اس کو حسین سیرت کہیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ سیرتِ باطنی میں جس قدر

بھی حسن حاصل ہوگا اسی قدر اس کو سعادتِ اخروی حاصل ہوگی کہ کامل درجہ کا شخص معشوق اور محبوب بن جاتا ہے اور پرلے درجے کا قبیح بدباطن شخص کمالِ بغض ونفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور درمیانی حالت میں محبت اور نفرت کے ہزار ہا درجے نکلیں گے جن پر ان کی مقدار و کیفیت کی مناسبت سے ثمرات اور نتائج متفرع (مرتب) ہوں گے پس خوب سیرتوں اور بدسیرتوں کے افراد کی جانچ اس پیمانہ سے بآسانی کی جاسکتی ہے۔

فصل

اخلاق کی تشخیص محبِ صادق سے کرو

انسان کو اپنے نفس کی حالت معلوم کرنے میں اکثر دھوکہ ہوجاتا ہے کہ بدخلق شخص بھی کبھی اپنے آپ کو خلیق اور خوب سیرت سمجھنے لگتا ہے چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو غصہ آجاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اللہ واسطے غصہ آیا ہے جو خوب سیرتی کے لئے ہونا ہی چاہئے یا مثلاً اپنی عبادتوں کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہے اور نفس یہ دھوکہ دے کر مطمئن بنادیتا ہے کہ تم نے تو اس غرض سے عبادتوں کا اظہار کیا ہے تاکہ لوگ اس کام کی رغبت اور اس میں تمہارا اقتداء کریں یا مثلاً عابد۔ زاہد۔ متقی۔ پابند صوم وصلوٰۃ بنتا ہے۔ اور باوجودیکہ یہ سب ریاء اور دکھاوے کی نیت سے ہوتا ہے مگر نفس اس عیب کو ظاہر نہیں ہونے دیتا غرض اسی طرح یہ نفسِ امارہ بڑے بڑے دھوکے دیا کرتا ہے اور بدحالی میں مبتلا رکھنے کے لئے عیب کو خوبی بناکر ظاہر کیا کرتا ہے۔

لہٰذا مناسب ہے کہ اپنی حالت کسی اپنے مخلص اور صاف گو دوست سے پوچھو کہ وہ تمہیں کیسا سمجھتا ہے چونکہ تمہاری خصلتوں اور عادتوں کا دوسرے

لوگ اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں۔کیونکہ جن سے سابقہ اور واسطہ پڑتا ہے اور ان کو تمہارے اخلاق کے امتحان کا موقع ملے وہی اچھی طرح جانچ سکتے ہیں۔پس اگر تمہارے دوست کو تمہاری خیر خواہی ملحوظ ہوگی تو بے تکلف وہ تم کو بتا دے گا کہ فلاں عادت تمہاری خراب ہے۔پس اسی طرح کی اصلاح میں تم کو مشغول ہو جانا چاہیے اور اگر چند عادتیں خراب ظاہر ہوں تو اغلب کی فکر پہلے کرو اور جس کا نتیجہ زیادہ خراب نکل رہا ہو اس کا علاج سب سے مقدم سمجھو۔

دنیا کی محبت کا علاج

دنیا کی محبت۔ یہ ایسی بلا ہے کہ جس سے شاذ و نادر ہی کوئی شخص محفوظ ہوگا حالانکہ یہی دنیا میں گناہوں کی جڑ ہے۔پس اس کا علاج مقدم اور سب سے زیادہ ضروری سمجھنا چاہیے۔اور دنیا کی محبت کا علاج یہ ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر سوچا کرو کہ آخر دنیا کی جانب مجھ کو اس قدر توجہ اور آخرت سے روگردانی کیوں ہے۔اگر خلوت میں فکر کرو گے تو سمجھ میں آ جائے گا کہ سوائے جہالت اور غفلت کے کوئی وجہ نہیں ہے۔تھوڑی دیر کے لیے مان لو کہ تمہاری عمر سو برس کی بھی ہوئی اور تمہیں تمام زمین کی سطح (زمین کا اوپر کا حصہ) کی بھی سلطنت مل گئی مگر پھر کیا؟ آخر فنا ہونا ہے۔عنقریب وہ دن آنے والا ہے کہ نہ تم رہو گے اور نہ یہ سلطنت و ملک رہے گا۔یہ سب فنا ہو جائیں گے مگر اس کی بدولت ابدی سلطنت جس کے ختم ہونے کا کوئی وقت ہی نہیں تمہارے ہاتھ سے ضرور جاتی رہے گی۔

ابد یعنی خلود و دوام کا تصور

ابد یعنی خلود و دوام (ہمیشہ رہنا) کی مقدار تمہارے خیال میں نہ آ سکے تو یوں تصور کرو کہ تمام دنیا اس کنارہ سے لے کر اس کنارے تک اناج سے بھری ہوئی ہے اور ایک پرندہ پورے ایک ہزار برس میں اس لبریز دنیا میں

سے ایک دانہ اٹھا لیتا ہے پس اسی طرح پر ہزار سال میں اناج کا ایک ایک دانہ اٹھانے پر بھی ایک نہ ایک دن یہ دنیا اناج سے ضرور خالی ہو جائے گی پس یہ مدت بھی جس کی ہزاروں ہزار گنا (برابر) پر تمہاری گنتی ختم ہوتی ہے ابد اور دوام کے نام سے موسوم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ابد اور دوام اس مدت سے بھی لکھوکھا اور کروڑ ہا گنا زیادہ ہے کیونکہ وہ اتنی بے شمار مدت کا نام ہے جس کی کہیں انتہا ہی نہیں۔

پھر بھلا اس عارضی اور فنا ہو جانے والی سلطنت کی جانب توجہ کرنا اور ابدی دائمی مملکت سے بے پروا اور مستغنی بننا نفس نے کیوں پسند کر لیا؟ پھر یہ بھی سوچو کہ ذرا سی دنیا کی معمولی تجارت میں تم کیسی کیسی مصیبتیں اٹھا لیتے اور طلب ریاست میں کیسے کیسے دشوار سفر کر لیتے ہو حالانکہ ان مصیبتوں اور دشواریوں کے بعد بھی مال اور ریاست کا ملنا بالکل موہوم ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے پہلے ہی موت آ جائے اور تجارت کا نفع یا ثمر کا انجام دیکھنا نصیب نہ ہو گا اگر ریاست بھی مل جائے تو ممکن ہے کہ وہ عیش و آرام و سکون و اطمینان حاصل نہ ہو جو ریاست سے مقصود ہوتا ہے بہر حال ایسی موہوم دنیوی راحت کی توقع پر بھی یہ صعوبتیں اور مصیبتیں گراں نہیں گزرتیں کیونکہ اپنے خیال میں جتنی عمر اپنی سمجھے ہوئے ہو اس کے مقابلہ پر تکلف و محنت کے ایک یا دو برس کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے اور یوں خیال کرتے ہو کہ برس روز سفر میں رہنے کی تکلیف کے سبب عمر بھر کا عیش مل جائے گا حالانکہ جو نسبت تمہاری تمام دنیا کی عمر کو ابد اور دوام کے ساتھ ہے اس کا ایک شمہ بھی ایک برس کو تمہاری خیالی عمر کے ساتھ ہر گز حاصل نہیں ہے پھر دنیا کی زندگی کو اگر آخرت کی ابدی نعمت کے حاصل کرنے میں صرف کرو اور اس چند روزہ محنت اور تکلیف کو وہاں کی دائمی لذت کے لیے

گوارا کرلو تو کیا مشکل ہے مگر یہ ہو کیسے؟

نفس کا دھوکہ کہ اللہ کریم ہے اور اس کی وجہ سے غفلت

نفس نے ایک شوشہ چھوڑ دیا اور دھوکہ میں ڈال رکھا ہے غفلت کئے جاتے ہو اور کہتے ہو کہ اللہ کریم ہے۔ معاف کرنے والا ہے سب کچھ بخش دے گا اور برے عمل کے باوجود ہم کو جنت میں بھیج دے گا۔ بھلا میں پوچھتا ہوں کہ کھیتی اور تجارت میں ایسا کیوں نہیں خیال کر لیتے؟ کیا آخرت کا اللہ کوئی اور ہے اور دنیا کا کوئی اور؟ اور جب دونوں کا اللہ ایک ہی ہے تو دنیا کے کمانے کے متعلق اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر گھر میں کیوں نہیں بیٹھتے اور کیوں نہیں اللہ پر بھروسہ کرتے کہ جب وہ رزاق اور قادر ہے تو بلا محنت کئے ہوئے ہمارا پیٹ بھر دیں گے اور کیوں نہیں اس کی امید رکھتے ہیں کہ وہ کسی ویرانے کا دبا ہوا خزانہ ہم کو سوتے میں دکھا دے گا جس سے بلا محنت و مزدوری کے ہم مالا مال ہو جائیں گے مگر افسوس ہے کہ یہاں تو یوں جواب دیتے ہو کہ معاش کے اسباب کا اختیار کرنا ضروری بات ہے کیونکہ مدفون خزانہ کا ہاتھ لگ جانا تو ایک اتفاقی امر ہے کہ شاذ و نادر (یعنی کبھی کبھی) کسی کے لئے ایسا اتفاق بھی پیش آ جاتا ہے مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔

بے محل توقع شیطانی دھوکہ ہے

ایسا ہی آخرت کے متعلق بھی سمجھو کہ خراب اعمال اور بدکاریوں پر معافی و مغفرت کی توقع کرنا اس سے بھی زیادہ شاذ و نادر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف فرما چکا ہے کہ "انسان کو وہی ملے گا جو وہ کرے گا اور متقی بندے فاسق و فاجر لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے وغیرہ وغیرہ" دنیا کے معاملات

میں تو اسباب کے اختیار کرنے کو ضروری بھی نہیں فرمایا بلکہ ان سے بے توجہ بنایا اور یوں فرمایا ہے کہ "کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ جس کا رزق ہمارے ذمہ نہ ہو"۔

تعجب ہے کہ دنیا کمانے میں تو اللہ پر بھروسہ نہیں ہے اور آخرت میں بدعملیوں کی معافی پر وثوق اور بے جا توقع رکھ کر اپنا دین برباد کر رہے ہو خوب یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے جس نے مخلوق کو تباہ اور اعمال سے کاہل بنا کر عبادت و طاعت سے روک رکھا ہے حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔

فصل

غیب پر ایمان و یقین حاصل کرنے کا طریق

اگر تم یہ کہو کہ چونکہ دنیوی معاملات کے نتائج تو آنکھوں سے دیکھتے اور رات دن تجربہ کرتے ہیں اور آخرت کے معاملات میں سے کوئی واقعہ بھی کسی نے مشاہدہ نہیں کیا اس وجہ سے دنیا کی تحصیل میں رغبت ہوتی ہے اور دین کی طلب میں غفلت ہے کیونکہ جس شئے کو آدمی نے دیکھا نہیں اس کی واقعی تصدیق دل کے اندر نہیں ہوتی اور یہ بھی بات ہے کہ ہر شخص نقد کو ادھار پر ترجیح دیا کرتا ہے لہٰذا طلبِ دنیا میں ساری تکلیفیں برداشت کر لی جاتی ہیں اور دین کے متعلق نوافل تو درکنار اصل ارکان اور فرائض بھی ادا ہونے مشکل و دشوار پڑ جاتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی آنکھیں روشن فرما دے اور تم صاحبِ بصیرت بن جاؤ تو پھر دینی امور کے انجام بھی دنیا ہی کی طرح تمہارے مشاہدے میں آ

جائیں گے اور اگر بصیرت حاصل نہ ہو تو بصیرت والوں یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ارشادات میں غور کرو اور دیکھو کہ اس بڑی جماعت میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو آخرت کی دائمی نعمت اور دائمی تکلیف کا قائل نہ ہو اور یہ یقینی بات ہے کہ آخرت کی دائمی بہبودی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور جب تک دنیا کی طرف سے منہ نہ پھیرو گے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی جانب توجہ کیونکر ہو گی۔

پس جب ان باتوں کو سوچو گے تو تم کو آخرت پر سچا ایمان اور قلب کو امور غیبیہ پر سکون و اطمینان حاصل ہو جائے گا۔ کیونکہ جو شخص خود اندھا ہو اس پر لازم ہے آنکھ والے شخص کا تابع ہو کر چلے، کیونکہ راستہ کی اونچ نیچ اور منزل مقصود تک پہنچنے والی سڑک اسی کو نظر آ رہی ہے بھلا اگر طب کے اندر تم کو دخل نہ ہو اور بیمار ہو جاؤ تو تم ہی بتاؤ کہ اس وقت طبیب کے کہنے پر چلنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ خصوصاً اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ جس پر تمام اطباء کا اتفاق ہو تو اس میں تمہیں کسی قسم کا شک بھی نہ ہو گا پس یہی حال عقائد کا سمجھو کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اور تمام اہل بصیرت حضرات روحانی طبیب ہیں اور وہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ آخرت ضرور ہونے والی ہے اور اس چند روزہ زندگی کے نیک و بد اعمال کا بدلہ ضرور ملنے والا ہے لہٰذا اس میں شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

روحِ انسانی کی حقیقت

ہاں چند آدمی ایسے بھی ہیں جو روح کی حقیقت کو سمجھے ہی نہیں کہ وہ کیا چیز ہے؟ ان کی نظر اسی روحِ جسمانی تک قاصر رہ گئی جس کے ذریعہ سے انسان حس و

حرکت کرتا ہے یعنی وہ بخارات جو قلب سے اٹھتے ہیں اور بدن کی تمام رگوں میں پھیل جاتے ہیں پس انہوں نے اسی کو انسانی روح سمجھ لیا حالانکہ یہ روح حیوانات میں بھی موجود ہے پھر انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا ہوا؟

خوب سمجھ لو کہ روحِ انسانی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہہ دو کہ روح امرِ ربی ہے" (یعنی میرے رب کا حکم) پس یہی وہ روح ہے جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں اور روح الٰہی کی حقیقت کو چونکہ یہ کوتاہ نظر طبیب اور منجم (علم نجوم جاننے والا) نہیں سمجھ سکتے لہٰذا ان کو دھوکہ ہوا اور آخرت کے منکر ہو کر دہریے بن گئے کہ جب بدن سے نکل گئی اور بدن کا حس و حرکت جاتا رہا تو وہ مٹی ہو کر مٹی میں مل گیا اور رل رلا گیا کہ نہ اس کو اب راحت کا شعور ہو سکتا ہے نہ تکلیف کا' ان کم سمجھ لوگوں کی سمجھ پر افسوس ہے کہ اول تو ایک جمِ غفیر کے مقابلہ پر ان معدودے چند لوگوں کا قول ہی قابل التفات نہیں ہے اور اگر کچھ ہو بھی تو میں پوچھتا ہوں کہ ان کے قول کو تم بالکل یقینی سمجھتے ہو یا تھوڑا بہت اس میں جھوٹ کا بھی احتمال ہے؟ پس اگر جھوٹ کا احتمال ہے تو اب تم ہی بتاؤ کہ احتیاط کس بات کو چاہتی ہے؟

احتیاط اور عقل بھی فکرِ آخرت کو مقتضی ہے

ظاہر ہے کہ احتیاط کا مقتضیٰ یہی ہے کہ آخرت کے لئے سامان جمع کرو اور اس کی فکر کرو کیونکہ اگر مثلاً تم کو بھوک ہو اور کھانا بھی سامنے رکھا ہوا ہے مگر کوئی شخص وثوق کے ساتھ بیان کرے کہ اس کھانے میں زہر ملا ہوا ہے اور دوسرا شخص کہے کہ نہیں اس میں زہر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ احتیاط کی بنا پر تم اس

کھانے سے ضرور پرہیز کرو گے اور یہ سمجھو گے کہ اگرچہ اس میں زہر ہونے کا یقین نہیں ہے مگر پھر بھی اس کا شبہ اور احتمال چونکہ ضرور ہے لہذا ایک وقت بھوکا رہنا اس مشکوک کھانا کھانے سے بہتر ہے کیونکہ اس کی ایک شق میں مر جانے کا احتمال ہے اور دوسری صورت میں موت سے تو حفاظت ہے۔ ہاں اگر ہے تو تھوڑی سی بھوک ہی کی تکلیف ہے۔ جس کو آسانی سے برداشت کر سکتے ہیں کہ ذرا سی لذت اگر حاصل نہ ہوئی نہ سہی زندگی تو باقی رہے گی اگر زندگی ہے تو سب کچھ ہے۔

دیکھو ایک شاعر باوجود کثافت عقل کے کیا کہتا ہے اس کے عربی اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ

''منجم طبیب نے مجھ سے کہا کہ جانے والے انسان دوبارہ کبھی زندہ نہ ہوں گے میں نے ان کو جواب دیا کہ جاؤ دور ہو اور اگر تم سچے ہو تو میرا تو اس وقت بھی کوئی نقصان نہ ہوگا بس اتنا ہے کہ اعمال کچھ کام نہ آئیں گے سو نہ سہی تکلیف تو نہ ہوگی اور اگر تم جھوٹے نکلے تب تو ظاہر ہے کہ میں نفع میں رہا اور خسارہ تم کو اٹھانا پڑا کہ تم آخرت کے منکر ہونے کی وجہ سے اس کا کچھ بھی سامان ساتھ نہ لائے اور میں دنیا ہی میں اس کا فکر کر کے تیار ہو آیا تھا''۔

الغرض دنیا میں رہ کر دینی امور کی سعی کرنے اور نیک اعمال کا ذخیرہ فراہم کرنے کی صورت میں تو بہر حال نفع ہی نفع ہے۔

حُبِّ دنیا کا لاعلاج درجہ

اور اگر تم یہ کہو کہ ہمیں تو جاہل نجومی اور زندیق طبیب کا قول بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جھوٹ کا مطلق احتمال نہیں تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام

کو تو نعوذ باللہ دھوکہ ہو گیا پس نہ آخرت کوئی چیز ہے اور نہ ثواب اور عذاب کوئی بات ہے۔ اگر خدانخواستہ تمہارا خیال ایسا ہو جائے تو اب تمہارا مرض لا علاج ہے کیونکہ تمہارے مزاج کا فساد اور عقل کی رکاکت (کمزوری و سستی) صراحۃً ظاہر ہو گئی اور پھر بھی تم اس کو عقل مندی سمجھتے ہو کہ بلا دلیل ایک وہمی اور لغو بات کو یقینی اور بدیہی بتلاتے ہو ایسی صورت میں علاج اور صحت کی کیا صورت ہو سکتی ہے پس ہم بھی ایسے شخص کو نصیحت کرنے سے منہ پھیر لیں گے۔

دنیا کی محبت کا آخری علاج

البتہ چلتے چلتے اتنا پھر سمجھائیں گے کہ اچھا میاں اگر دنیا ہی تم کو محبوب ہے اور یہیں کی راحت اور آرام کے شیدا ہو تب بھی ہمارے کہنے کے موافق ناپائیدار دنیا کے تعلقات کا کم کرنا تم کو ضروری ہے کیونکہ جو مزہ اور راحت اور آرام آزادی میں ہے وہ پابندی میں نہیں ہے پس اگر تم نفس کے پابند ہو گئے اور خواہشات و تعلقات میں جکڑے گئے تو یاد رکھو کہ ہر قسم کی ذلت و رسوائی اٹھانی پڑے گی کہ جوتیاں کھاؤ گے اور اپنی جیسی محتاج مخلوق کے آگے ہاتھ پھیلاتے اور خوشامدیں کرتے پھرو گے۔

دیکھو دنیا کے تعلقات اور بکھیڑے ایسے برے ہوتے ہیں کہ بہتیرے کافر جن کو آخرت پر ایمان نہ تھا وہ بھی تو ان سے گھبرا اٹھے اور تارکِ دنیا (دنیا چھوڑنے والا زاہد) ہو کر جوگی اور راہب (آبادی سے باہر رہ کر عبادت کرنے والا) بن گئے انہوں نے بھی اتنا سمجھ لیا جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے کہ دنیا دل لگانے کے قابل چیز نہیں ہے۔ کیونکہ اس ناپائیدار جہان کو ایک دن چھوڑنا ضرور پڑے گا اور یہاں رہ کر جس کسی سے بھی محبت یا علاقہ رکھا جائے گا وہ بہت

جلد منقطع ہو جائے گا کہ یا ہم اس کو چھوڑ کر رخصت ہو جائیں گے اور یا وہ ہم کو چھوڑ کر روانہ ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ اس مفارقت کا انجام سوائے مصیبت و رنج اور صدمہ و تکلیف کے کچھ بھی نہیں ہے پس جب کافروں کو آخرت کا بالکل انکار ہونے کی صورت میں دنیا کے تعلقات ترک کرنے کے اندر راحت معلوم ہوتی ہے تو تم پھر بھی مسلمان کہلائے جاتے ہو پھر معلوم نہیں کہ ان تعلقات میں پھنسنے کو راحت کا سامان کس طرح سمجھتے ہو؟

اور اگر کسی شخص کو دنیا کی آفتیں اور ناپائیداری بھی نظر نہ آئے اور ترکِ خواہشات و تعلقات کو عقلاً بھی مفید نہ سمجھے کہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا" کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو چھوڑو کہ کھائیں اور مزہ کریں اور ان کی امیدیں ان کو غفلت میں ڈال رکھیں سو عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔

بحمد اللہ دوسری قسم کا مفصل بیان ختم ہو گیا اللہ تعالیٰ شانہ اس پر عمل کرنے کی توفیق لوگوں کو مرحمت فرما دے اور اس تحریر کو وسیلۂ ہدایت بنا دے آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

و اخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الکریم محمد و الہ و اصحابہ اجمعین

✲✲✲✲✲✲

تبلیغ دین

تیسری قسم

قلب کو اخلاقِ محمودہ
کے ساتھ
مزین و آراستہ کرنے کا بیان
اور
اس کے دس اصول

تیسری قسم

نمبر شمار		فہرست مضامین	صفحہ
پہلی	اصل	توبہ کا بیان	199
دوسری	اصل	خوف کا بیان	215
تیسری	اصل	زہد کا بیان	220
چوتھی	اصل	صبر کا بیان	234
پانچویں	اصل	شکر کا بیان	242
چھٹی	اصل	اخلاص اور صدق کا بیان	250
ساتویں	اصل	توکل کا بیان	262
آٹھویں	اصل	محبت کا بیان	272
نویں	اصل	رضا بر قضا کا بیان	281
دسویں	اصل	فکر آخرت کا بیان	294
		خاتمہ	298

پہلی اصل

توبہ کا بیان

توبہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشی کا اندازہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف رجوع کرو بے شک وہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔ اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جس نے گناہ کے بعد توبہ کر لی وہ گویا بے گناہ ہو گیا''۔

اللہ تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے جتنی خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ اگر مثلاً کوئی شخص کسی بے آب و گیاہ اور وحشت ناک جنگل میں پہنچ جائے اور اسکی سواری مع توشہ کے جو اس پر رکھا ہوا تھا گم ہو جائے کہ وہ اس کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا تھک جائے اور اس وجہ سے کہ سواری کے بغیر نہ جنگل میں سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ توشہ کے بغیر فاقہ کی موت سے جان بچا سکتا ہے زندگی سے مایوس ہو جائے کہ نہ پیدل چلنے کی طاقت ہے اور نہ وہاں آب و دانہ میسر آنے کی امید اس لئے مایوس ہو کر کسی درخت کے نیچے آ لیٹے اور اپنے ہاتھ پر سر رکھ کر اس فکر میں ڈوبا ہوا سو جائے کہ اب موت آیا چاہتی ہے اور پھر دفعتاً اس کی آنکھ کھل جائے اور وہ دیکھے کہ اس کی کھوئی ہوئی سواری اس کے پاس

کھڑی ہے اور کھانے پینے کا سامان جو اس پر لدا ہوا تھا وہ بجنسہ موجود ہے تو اس کو ایسی حالت میں اپنی زندگی سے ناامید ہونے کے بعد سرمایۂ حیات ہاتھ لگنے کی وجہ سے جتنی خوشی دفعتاً حاصل ہوگی اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت خوشی ہوتی ہے جب کہ بندہ اس کی جانب رجوع کرتا اور اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے۔

توبہ کے معنی اور ابتدائی درجہ

توبہ کے معنی رجوع کرنے اور بعید سے قریب کی طرف لوٹ آنے کے ہیں مگر اس کے لئے بھی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا ہے۔ ابتدا تو یہ ہے کہ قلب پر نورِ معرفت کی شعاعیں پھیل جائیں اور دل کو اس مضمون کی پوری آگاہی حاصل ہو جائے کہ گناہ سم قاتل ہے اور تباہ کردینے والی شئے ہے اور پھر خوف وندامت پیدا ہو کر گناہ کی تلافی کرنے کی سچی اور خالص رغبت اتنی پیدا ہو جائے کہ جس گناہ میں مبتلا تھا اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کے لئے اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے کا مصمم ارادہ (پکا ارادہ) کرلے اور اس کے ساتھ ہی جہاں تک ہو سکے گذشتہ تقصیر و کوتاہی کا تدارک کرے جب ماضی اور مستقبل اور حال تینوں زمانوں کے متعلق توبہ کا ثمرہ پیدا ہو جائے گا تو گویا توبہ کا وہ کمال حاصل ہو گیا جس کا نام توبہ کی انتہا ہے۔

فصل

توبہ ہر شخص پر واجب ہے

توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہو گیا ہوگا کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مخاطب بنا کر فرماتا ہے کہ ”اے ایمان والو! تم سب توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ۔“ چونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو اخروی زندگی کے لئے سم قاتل اور مہلک سمجھے اور انکے چھوڑنے کا

عزم کرے اور اتنا مضمون ایمان کا جزو ہے اس لئے ہر مومن پر اس کا واجب اور ضروری ہونا تو ظاہر ہے اب رہا تمام بنی آدم اور ہر فرد بشر پر توبہ کا وجوب سو اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی چار قسم کی صفات سے مرکب ہے کیونکہ اس کے خمیر میں بہائم کی خصلت اور درندوں کی خصلت، مکر و فریب اور عزت کی طلب کا مادہ شامل ہے:

اول: حرص و شہوت اور فسق و فجور داخل ہے جو بہائم کی خصلت ہے۔

دوم: غصہ اور حسد اور بغض و عداوت کا وہ مادہ اس کے اندر موجود ہے جو درندوں کی خاصیت ہے۔

سوم: مکر و فریب اور دھوکہ دہی و مکاری اس میں رکھی ہوئی ہے جو شیطانی اخلاق ہیں۔

چہارم: کبر و غرور و تعلّی و تفاخر حُبِ مدح و حُبِ جاہ حکمرانی و سلطنت حکومت و شان اور غلبہ و عزت کی طلب کا مادہ اس میں موجود ہے اور یہ سب ربوبیت (رب ہونا) کی صفات ہیں۔

بد خصائل کا مادہ اپنے اپنے وقت پر غلبہ دکھاتا ہے

ان چاروں خصائل کا اپنے اپنے وقت پر اور موقع پر غلبہ اور اثر ظاہر ہوا کرتا ہے چنانچہ سب سے پہلے زمانہ طفولیت میں تو بہائم اور حیوانات کی خصلتیں غلبہ کرتی ہیں اور انسان شہوت و حرص میں گویا چوپایہ اور جانور بن جاتا ہے۔

اس کے بعد جب جوانی کا زمانہ آتا ہے تو درندوں کی عادتوں کا غلبہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر حسد کرتا ہے باہم عداوتیں پیدا ہوتی ہیں کسی سے بغض ہے کسی سے عناد۔ کسی پر غصہ آرہا ہے کسی کو ذرا سی خلاف طبع بات

پر پھاڑے کھاتا ہے اور آپے سے باہر ہوا جاتا ہے۔ چیختا چلاتا اور بیقرار ہو جاتا ہے کسی کو نعمت اور خوشحالی میں دیکھتا ہے تو جلتا کڑھتا اور چھیننے جھپٹنے کی فکر میں طیش کھایا کرتا ہے غرض اس حالت میں وہ اور درندہ گویا ہم جنس بن جاتے ہیں۔

پھر جب اس کے بعد عالم شباب کا شباب ہوتا ہے اور بدن میں قوت آ جاتی ہے تو یہ بہائم (درندوں) کی خصلتیں چاہتی ہیں کہ اپنی خواہشیں پوری کریں یعنی مرغوب و پسندیدہ شئے کو حاصل کریں اور دشمن و ناپسندیدہ امر کو زیرِ خاک کر دیں۔ پس اس وقت شیطانی اخلاق ظاہر ہوتے ہیں اور اپنا غلبہ کرتے ہیں کہ ابھی کسی شئے کی خواہش پوری ہوئی اور فریب و دھوکہ بازی نے مدد کرنے کا اقرار کیا۔ ابھی کسی دشمن پر غصہ آیا اور فوراً مکاری و جعلسازی نے اپنی دانائی ہوشیاری کو پیش کیا۔ غرض اخلاق شیطانیہ اس زمانہ میں خصائل بہیمیہ (چوپاؤں والی) اور عادات سبعیہ (درندوں والی) کے نفاذ میں معین و مددگار رہتے اور انسان کو شیطان مجسم بنا دیتے ہیں اور جب اس میں کامیابی و ظفریابی اور اپنی حسبِ منشاء کارروائیوں میں فتح نظر آنے لگتی ہے تو پھر تکبر و تعلّی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہر شخص اس کی مدد کرے ہر شخص اس کا مطیع و فرماں بردار ہو جائے ہر شخص اس بڑائی و کمال کا معترف ہو ہر شخص اس کو عقل مند اور واجب التعظیم سمجھے غرض ایسی فرعونیت ذہن میں سماتی ہے کہ "ہم چو ما دیگرے نیست" کا پتلا مجسم بن جاتا ہے۔

قلب انسانی ظلماتی اور خدائی لشکر کا میدان جنگ ہے

اور جب ان چاروں خصلتوں کا ظہور ہو لیتا ہے تو اب عقل کی قندیل اپنا منہ دکھاتی ہے جس میں ایمان کا

چراغ روشن ہوتا ہے اور اس کو بھلے برے میں امتیاز کا موقع دیتا ہے اگر یہ روشنی ظاہر نہ ہو تو خصائل مذکورہ کی ظلمت و تاریکی سے نجات ملنی دشوار ہو جائے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہے کہ قندیل عقل اور مشعل ایمانی کا نور چالیس سال کی عمر میں کمال کو پہنچتا ہے اور جو بد خصلتیں بلوغ کے وقت سے پیدا ہونے لگی تھیں اب ان کی اصلیت اور حقیقت اچھی طرح کھل جاتی ہے۔ پس جس وقت یہ نور نظر آتا ہے تو انسان کا قلب گویا جنگ کا ایک وسیع میدان ہوتا ہے جس میں اس ظلماتی لشکر یعنی چاروں خصائل مذکورہ کی اس خدائی لشکر یعنی عقل اور نور ایمان کے ساتھ جنگ ہوتی ہے اور دونوں میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کو مغلوب اور اپنا تابع فرمان غلام بنالے مگر نورِ عقل کمزور ہوا تو شیطانی لشکر فتح یاب ہو کر قلب پر مسلط ہو جاتا ہے اور دشمن سے بے خوف ہو کر قلبِ انسان پر قبضہ اور حکومت کرنے لگتا ہے اور اگر شیطانی گروہ پسپا ہوا اور میدان جنگ عقل اور ایمان کے ہاتھ رہا تو انسان کی حالت سنور جاتی اور طبیعت مہذب بن جاتی ہے۔

اور چونکہ بنی آدم کی فطرت ہی اس جنگ و کارزار کی مقتضی ہے اس لئے ہر شخص کے لئے اس کا پیش آنا لازمی ہے پس ثابت ہو گیا کہ توبہ سے کوئی شخص بھی مستغنی نہیں ہے کیونکہ اس نورِ عقل ہی کا نام توبہ ہے جو معرکے کے وقت ظلماتی لشکر یعنی خصائل شیطانیہ و بہیمیہ کا مد مقابل بنتا اور انسان کو اس پاک شریعت کا تابع دار بنانے کی کوشش کرتا ہے جس سے آخرت کی فلاح (کامیابی) اور ابدی نجات حاصل ہوتی ہے۔

کوئی انسان کسی وقت بھی گناہ سے خالی نہیں

چونکہ کوئی انسان کسی وقت بھی

گناہ سے خالی نہیں ہے اسلئے کوئی وقت بھی ایسا نہ ہوگا جس میں کوئی شخص توبہ سے مستغنی ہو کیونکہ انسان کسی حال اور کسی رتبہ کا بھی ہو یہ ضروری ہے کہ یا تو اس کے اعضاء میں سے کوئی عضو کسی گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوگا اور یا قلب سے کوئی گناہ ثابت ہو رہا ہوگا یعنی یا تو جوارح (ظاہری اعضاء) کسی خلاف شرع حالت میں ملوث (آلودہ) ہوں گے اور یا قلب کسی مذموم خصلت یا ایسی بدعات میں ضرور مبتلا ہوگا کہ جس کی اصلاح کے لئے توبہ کی حاجت ہوگی۔

معصوم و بے گناہ کو بھی توبہ کی حاجت ہے

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کوئی انسان فرشتہ سیرت اور ایسا مہذب بن گیا کہ اس کی کوئی عادت اور کوئی خصلت بھی ایسی نہیں ہے جس کی اصلاح کی ضرورت ہو تب بھی کوئی وقت تو ایسا ضرور ہوگا جس میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے اس کو غفلت ہوگی اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب پروردگار کو بھولو تو فوراً یاد کرلو اس لئے پھر بھی اس حالت سے رجوع کرنے اور غفلت سے یاد کی طرف پلٹنے کی ضرورت ہوئی اور اس رجوع کا نام توبہ ہے۔

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کوئی شخص اللہ کی یاد میں ہر آن مستغرق اور محو ہے کہ کوئی لحظہ بھی قلب کو غفلت نہیں ہوتی اگرچہ اس درجہ استغراق دشوار بلکہ قریب ناممکن کے ہے تاہم اگر ایسا مان بھی لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ انسان جس مقام اور جس مرتبہ میں ہے اس سے عالی مرتبہ پر پہنچنے سے پہلے پھر بھی توبہ کا محتاج ہے کیونکہ ہر مقام اور مرتبہ اپنے سے عالی اور مافوق مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ناقص کہلاتا ہے اور ناقص سے باہر نکلنا اور عالی و کامل پر پہنچنا ہر شخص پر لازمی ہے پس جب تک بھی اس میں رہے گا تو ضرور توبہ کا محتاج رہے گا۔ اور جب دوسرے درجہ پر پہنچے گا تو چونکہ وہ درجہ بھی اپنے مافوق درجہ

کے اعتبار سے ناقص ہے اس لئے جب تک اس سے باہر نہ نکلے اور اوپر نہ پہنچے اس وقت تک وہاں بھی توبہ کا حاجت مند ہوگا اسی طرح سلسلہ چڑھتا رہے گا اور جوں جوں ترقی کرے گا دوں دوں توبہ کا ضرورت مند ہوتا رہے گا چونکہ مراتب قربِ خداوندی غیر متناہی (نہ ختم ہونے والے) ہیں یعنی کوئی مرتبہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے مافوق اور بالا کوئی دوسرا مرتبہ نہ ہو لہٰذا کوئی حالت بھی ایسی نہ نکلے گی جس میں انسان کو نسبتاً ناقص مرتبہ میں رہنے کی وجہ سے خطاوار و عاجز اور عالی مرتبہ تک پہنچنے کے سبب توبہ کا ضرورت مند نہ کہا جائے یہی بات ہے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی معصوم اور بے گناہ ذات کے لئے فرماتے ہیں کہ "میں رات دن میں ستر مرتبہ توبہ اور استغفار کیا کرتا ہوں"۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ عام لوگوں کی توبہ ظاہری گناہوں سے ہوا کرتی ہے اور صالحین کی توبہ باطنی گناہوں اور مذموم اخلاق سے ہوا کرتی ہے اور متقین کی توبہ شک وشبہات کے ابتلاء (مبتلا ہونا) سے ہوتی ہے اور محبین کی توبہ اس غفلت سے ہوتی ہے جس نے ذکر الٰہی کو کسی لحظہ میں بھلا دیا تھا اور عارفین کی توبہ اس مقام سے ہوتی ہے جس پر پہنچے ہوئے ہیں مگر اس کے مافوق دوسرا مرتبہ ہے جس پر ان کو پہنچنا چاہیے اور چونکہ حق تعالیٰ کے قُرب کے مراتب و مقامات غیر متناہی و بے شمار ہیں اس لئے عارفین کی توبہ کا منتہیٰ (انتہا) نہیں اور نہ اس کے خاتمہ کا کوئی وقت متعین ہے۔

فصل

شرائط توبہ کے پورے ہو جانے پر قبولیت میں شک نہیں

توبہ کی جب تمام شرائط پوری ہو جائیں گی تو اس کی قبولیت میں شک نہ ہوگا کیونکہ قبول ہونے کے

معنی یہ ہیں کہ انسان کے قلب میں انوار معرفت کی تجلیات کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے اور ظاہر ہے کہ انسان کا قلب آئینہ کی مانند ہے جس پر خواہشات نفسانیہ اور حرص وہوا کے باعث غبار جم جاتا ہے یا گناہ کی وجہ سے سیاہی چھا جاتی ہے مگر نیک کام جو بمنزلہ نور کے ہیں اپنی روشنی اور چمک دمک سے اس تاریکی کو دور کر کے آئینہ قلب کو صیقل کرتے رہتے ہیں اس لئے جب انسان کوئی برا کام کرے گا اور نادم و پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا تو ضرور ایسی حالت ہو گی جیسے کپڑے پر صابون لگانے سے ہوتی ہے کہ اگر صابون باقاعدہ لگایا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میل نہ اترے اسی طرح اگر دل اخلاص و توجہ کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوا ہے تو ممکن نہیں کہ قلب میں صفائی و انشراح (کھل جانا یا فرحت) اور تجلیات معرفت کی استعداد و قابلیت نہ پیدا ہو ہاں بعض بزرگوں کو توبہ کے بعد قبولیت توبہ میں جو شک ہوا ہے وہ حقیقت میں قبولیت توبہ کے شرائط جمع ہونے میں شک ہوا ہے کہ اللہ معلوم ساری شرطیں پوری ہوئیں یا نہیں جیسے کوئی شخص مسہل دوا پئے اور پھر بھی اس کو دستوں کے آنے میں شک ہو تو یہ شک دوا کے دست آور ہونے میں نہیں بلکہ اس امر میں شک ہے کہ مسہل کی شرائط پوری طرح ادا ہو گئیں یا نہیں؟ یعنی دوا کے اجزاء پوری مقدار میں تھے بھی یا کم و بیش ہو گئے موسم و وقت اسہال کے مناسب بھی تھا یا نہ تھا اور اگر ان جملہ امور میں اطمینان ہو تو پھر دستوں کے آنے اور غلیظ و متعفن مادہ کے خارج ہو جانے میں کبھی شک نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر توبہ کے تمام شرائط جمع ہونے کا پورا یقین ہو جائے تو پھر اس کی قبولیت میں شک ہونے کے کوئی معنی نہیں۔

غرض جب ثابت ہو گیا کہ ہر شخص کو توبہ کی ضرورت ہے اور ہر

فردو بشر اس معالجہ کا محتاج ہے تو اس میں غفلت کرنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ غفلت اور ہوائے نفس ایسا مہلک مرض ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ کی معصیت اور گناہ کے کام پر اصرار و مداومت کرنے لگتا ہے اور ظاہر ہے کہ اصرار یعنی بار بار کرنے سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ گناہ ہو جاتا ہے پس جب اس اصرار کو چھوڑ دو گے تو اس باطنی مرض سے نجات مل جائے گی۔

> مرض غفلت باطنی جملہ امراض بدنی سے بڑھا ہوا ہے

خوب یاد رکھو کہ غفلت کا باطنی مرض جاڑا۔ بخار۔ پھنسی۔ پھوڑا وغیرہ یعنی جسم کے ظاہری امراض سے بہت بڑھا ہوا ہے اور اس کی کئی وجہ ہیں۔

اول: تو اس وجہ سے کہ بدن کے امراض نظر آتے ہیں اور یہ مرض نظر نہیں آتا اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شخص کے چہرہ پر برص کے داغ سفید ہوں اور اتفاق سے آئینہ بھی موجود نہ ہو جس میں منہ دیکھ کر اپنا مرض معلوم کرے تو یہ مرض زیادہ خطرناک ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرے کے کہنے کا اس کو یقین نہ آئے اور اس بے اعتباری میں اس کا مرض دن بدن بڑھتا جائے۔

دوم: اس وجہ سے کہ غفلت باطنی مرض کا انجام انسان نے دیکھا نہیں اور اس انجام کے نہ دیکھنے ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معافی پر بھروسہ کر کے ایسا مطمئن اور بے فکر ہو بیٹھا کہ علاج کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتا برخلاف بدنی امراض کے کہ ان کا نتیجہ و انجام اس کے تجربہ میں آچکا ہے اور اس لئے یہاں اللہ پر بھروسہ نہیں ہوتا بلکہ علاج میں غایت درجہ کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہر قسم کے جملہ امراض کا پیدا کرنے والا اور شفا دینے والا وہی اللہ ہے خواہ امراض جسمانی ہوں یا روحانی اور ظاہری ہوں یا باطنی۔

طبیب خود مریض بن گئے اور علماء محبان دنیا ہو گئے

سوم: اس وجہ سے کہ اس باطنی مرض کے طبیب مفقود (ناپید) ہو گئے اور یہ بات نہایت درجہ افسوس و حسرت کے قابل ہے کیونکہ اس قلبی مرض کے طبیب علماء شریعت اور عقلاء زمانہ تھے اور وہ خود باطنی بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں پھر جب ان کو اپنے ہی علاج کی خبر نہیں تو دوسروں کا علاج وہ کیا کریں گے ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ مہلک مرض دنیا اور مالِ دنیا کی محبت ہے اور اس زمانہ پُر آشوب (فتنہ سے لبریز) میں سب سے زیادہ اس مرض میں علماء ہی گرفتار نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسروں کو دنیا کی محبت سے روکنے اور منع کرنے کی ان کو جرأت نہیں ہوتی بلکہ اپنی رسوائی کے اندیشہ سے وہ یہ بھی ظاہر نہیں کر سکتے کہ دنیا کی محبت بری چیز اور باطنی امراض میں ایسا مہلک مرض ہے جس سے جانبری دشوار ہے پس یہی وجہ ہے کہ یہ مرض لاعلاج ہو گیا کیونکہ جب طاعون یا وبائی مرض عام طور پر پھیل جائے اور دوا کا پتہ نہ مل سکے اور طبیب خود مریض اور اسی مرض کے بیمار بنے ہوئے ہوں تو بھلا اس سے نجات کیونکر حاصل ہو سب سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ ان روحانی طبیبوں یعنی علماء کی دیکھا دیکھی عوام الناس کو محبت دنیا کی رغبت بڑھ گئی اور پرہیز یا دوا و علاج کی طرف توجہ کرنے کی کوئی سبیل بھی باقی نہ رہی کیونکہ یہی وہ اصحاب ہیں جن کی تقلید کی جاتی ہے اور عام آدمی انہی کو اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھتے ہیں پس جب انہی کو محبت دنیا میں گرفتار دیکھیں گے تو پھر اس کو اچھی بات سمجھ کر کیوں نہ اقتدا کریں گے اور جب اقتدا کریں گے تو پھر اصلاح کی کیا صورت؟ افسوس کہ جن کو طبیب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا تھا انہوں نے بجائے علاج کے مرض کو اور بڑھا دیا جو لوگ مصلح بن کر آئے تھے وہ مفسد

بن گئے اور جن کو رہبر تجویز کیا گیا وہ خود گمراہ ہو کر دوسروں کا راستہ کھوٹا کرنے کے درپے ہو گئے گویا شیریں چشمہ کے دہانہ پر پتھر رکھ کر اڑ گئے کہ نہ خود پانی پئیں نہ دوسروں کو پینے دیں۔ اے کاش! ان سے دنیا خالی ہو جائے اور یہ پتھر دہانہ سے سرک جائے اگر وہ خود نا قابل ہیں تو نا قابل ہی سہی مگر چشمہ کا دہانہ کیوں روکے ہوئے ہیں؟ پرے ہوں۔ الگ ہٹیں کہ دوسرے تشنہ کام (پیاسے) تو سیراب ہو جائیں۔

غرض اس باطنی مرض کا خلاصہ علاج یہ ہے کہ سبب ڈھونڈو اور گناہ کے اصرار پر توجہ کرو کہ کیوں ہے۔

یادرکھو کہ کسی گناہ پر جو اصرار ہوا کرتا ہے تو مندرجہ ذیل پانچ اسباب میں سے ایک سبب ہوا کرتا ہے۔

گناہ پر اصرار ہونے اور توبہ نہ کرنے کا پہلا سبب اور اسکا علاج

پہلا سبب یہ ہے کہ گناہ پر جو سزا اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہے وہ گناہ کرتے ہی دست بدست نہیں ملا کرتی اور ظاہر ہے کہ جس فعل کا نتیجہ دست بدست نہیں ملتا ذہن میں اس کی وقعت نہیں ہوا کرتی لہٰذا گناہ پر اصرار ہونے لگتا ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ سوچنا اور جاننا چاہیے کہ جو چیز ایک نہ ایک دن ضرور آنے والی ہے وہ قریب ہی ہے کیونکہ بعید تو اس کو کہنا چاہیے جو آئے نہیں اور جو ایک دن آنے والی ہے وہ بعید کہاں خصوصاً موت کہ جس کا آنا یقینی بھی ہے اور پھر اس کا وقت بھی مقرر نہیں تو اس کے بعید ہونے کے تو کوئی معنی ہی نہیں کیا خبر کہ آج ہی کا دن آخری دن اور یہی مہینہ آخری مہینہ اور یہی سال تمہاری عمر کا آخری سال ہو اس کی طرف سے غفلت کرنا حماقت ہے پھر یہ بھی

سوچو کہ آئندہ کے افلاس کے اندیشہ سے معاش کے حاصل کرنے کی فکر میں تم کیسے دور دراز کے سفر اور مصائب برداشت کرتے ہو تو کیا آخرت کی پائیدار زندگی کا اتنا بھی فکر نہ ہو جتنا دنیا کی بہت ہی جلدی ختم ہونے والی ناپائیدار زندگی کا ہے۔

توبہ میں آج کل کرنیکا دوسرا سبب اور اسکا علاج

دوسرا سبب یہ ہے کہ نفس کو اپنی مرغوب خواہشوں اور لذتوں میں مزا آرہا ہے لہذا ان کا چھوڑنا اس کو ناگوار گزرتا ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ سوچو اور غور کرو کہ اگر کوئی انگریز ڈاکٹر یوں کہہ دے کہ ''میاں ٹھنڈا پانی تمہیں مضر ہے تم اس کے پاس بھی نہ جانا ورنہ مرجاؤ گے'' تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ ڈاکٹر کی اس نصیحت کا تم پر کیا اثر ہوگا ظاہر ہے کہ زندگی برباد ہو جانے کے خوف سے ٹھنڈے پانی جیسی لذیذ نعمت بھی تم سے چھوٹ جائے گی حالانکہ یہ ایک انسان کا قول ہے اور انسان بھی کافر؟ بس اس میں جھوٹ کے بیسیوں احتمال نکل سکتے ہیں پھر بھلا خداوند کریم کی مضر بتلائی ہوئی خواہشات کو توڑنے میں کیا تامل ہے کیا اللہ اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد کسی کافر طبیب کے قول کے برابر بھی نہیں ہے یا جسمانی مرض سے مرجانا کیا ہمیشہ آگ میں جلنے سے بھی زیادہ تکلیف والا ہے پھر یہ بھی تو سوچو کہ جب تمہارا نفس اس قدر لذت پسند اور خواہشات کا پابند ہے کہ دنیا میں چند روز کے لئے معمولی لذتوں کا چھوڑنا بھی اس کو شاق گزرتا ہے تو یہاں ان ناپائیدار لذتوں کے حاصل کرنے کی بدولت جب آخرت کی دائمی نعمتیں چھین گئیں تو ان کے چھوڑنے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آگ میں جلنے کی تکلیف وہ

برداشت کس طرح کرے گا۔

توبہ میں آج کل کرنیکا
تیسرا سبب اور اس کا علاج

تیسرا سبب یہ ہے کہ نفس نے تم کو کاہلی کا سبق پڑھایا اور یہ شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ میاں توبہ کی ایسی جلدی ہی کیا ہے آج نہیں تو کل کر لیں گے۔ غرض اسی طرح دن گزرتے رہتے ہیں اور توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس تعویق (دیر) اور تاخیر اور آج کل میں وقت برابر ہو جاتا ہے اور موت آجاتی ہے پس اگر گناہ پر اصرار کرنے کے باعث یہ کاہلی ہوئی تو اس مضمون کو سوچنا چاہیے کہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ کب ہوگا' کون کہہ سکتا ہے کہ تم کل کو زندہ بھی رہو گے اور توبہ نصیب ہو جائے گی۔

خوب یاد رکھو کہ ایسے ہی لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے جنہوں نے توبہ کرنے کو امروز وفردا (آج کل) میں رکھا یہاں تک کہ موت نے آ پکڑا

اور دوسرے یہ بھی سوچنے کے قابل بات ہے کہ جب نفس کو لذت کا چھوڑنا دشوار ہو رہا ہے تو بھلا کل کو جب کہ شہوت کی لذت اور مضبوط ہو جائے گی تو نفس سے کیونکر چھوٹ سکے گی اس کی مثال تو ایسی ہوگی جیسے تم کو کسی درخت کے اکھاڑنے کا حکم ہو جائے اور تم یوں کہو کہ جناب اس سال تو نہیں ہاں اگلے سال اکھاڑوں گا حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ درخت کی جڑ دن بدن مضبوط ہوگی اور تمہاری قوت روز بروز گھٹے گی اور ضعف بڑھے گا پس جس درخت کو آج نہیں اکھاڑ سکے تو اس کو آئندہ سال کس طرح اکھاڑ سکو گے۔

چوتھا اور پانچواں سبب اور اس کا علاج

چوتھا سبب یہ ہے کہ نفس نے اللہ

تعالیٰ کے عفو وکرم کا آرزو مند بنا رکھا ہے اور یہ شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ میاں اللہ کو ہمارے گناہوں کی پرواہ ہی کیا ہے وہ بڑا غفور رحیم ہے سارے گناہ بخش دے گا۔

خوب یاد رکھو کہ یہ نفس کی مکاری اور حیلہ جوئی ہے کہ شیطان نے اس ڈھرہ (شارع عام) پر چڑھا کر اپنا کام بنا لیا اور اس غرہ (گھمنڈ) کو اپنی کار برآری کا آلہ گردان لیا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ عقل مند وہی ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع بنا لیا اور مرنے کے بعد کام آنے والا ذخیرہ جمع کیا اور احمق ہے وہ شخص جس نے خواہشات کا اتباع کیا اور پھر اللہ سے عفو وکرم کا آرزو مند رہا۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ معاذ اللہ قیامت کے ہونے اور معاملہ آخرت کے پیش آنے میں شک یا شبہ ہے اس کا علاج اخلاق ذمیمہ کے خاتمہ میں بیان ہو چکا ہے وہاں دیکھو اور اس کے موافق عمل کرو۔

فصل

صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا کبیرہ گناہ سے زیادہ مضر ہے

یوں تو گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے مگر کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنا نہایت ہی ضروری ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ صغیرہ گناہ بھی اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے بلکہ صغیرہ گناہ جب بار بار کیا جاتا ہے تو ایک مرتبہ کسی کبیرہ گناہ کر لینے کی نسبت قلب کو زیادہ سیاہ کر دیتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سخت پتھر پر ایک ایک قطرہ کا بار بار متواتر ٹپکنا اور ایک بارگی موسلا دھار بارش کا برس جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک قطرہ باوجودیکہ حقیر اور بہت ہی بے وقعت چیز ہے مگر بار بار

پڑنے کی وجہ سے ایک نہ ایک دن پتھر میں بھی سوراخ کر دے گا بر خلاف موسلا دھار بارش کے کہ اگر چہ وہ کئی لاکھ قطروں کا مجموعہ ہے مگر یک بارگی برسنے سے اس کا وہ اثر نہ ہوگا جو ایک قطرہ نے آہستہ آہستہ کر دکھایا تھا اسی طرح چھوٹا گناہ آہستہ آہستہ قلب پر جو اثر کرتا ہے وہ کبیرہ گناہ کے یک بارگی اثر کی بہ نسبت بہت ہی اندیشناک ہوتا ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں۔

اول سبب تو یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کی ذہن میں وقعت نہیں ہوتی اور اس کو معمولی سمجھ کر بے پروائی کی جاتی ہے بر خلاف کبیرہ گناہ کے کہ اس کی بڑائی کے سبب امید ہے کہ اس سے بچنے اور باز آجانے کی طرف توجہ ہو جائے اسی بنا پر ایک شیخ کا مقولہ ہے کہ جس گناہ کی بخشش نہ ہوگی وہ گناہ وہ ہے جس کو بندہ معمولی سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ کاش سارے گناہ ایسے ہی ہوتے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو بسا اوقات انسان نعمت سمجھتا اور خوش ہوتا ہے چنانچہ لوگوں کو اکثر کہتے سنا ہے کہ "دیکھا میں نے اس کو کیونکر جواب دیا کیسا بدلہ لیا کیسی آبرو خاک میں ملا دی کیسا دھوکہ دیا اور ظاہر ہے کہ گناہ پر خوش ہونا زیادہ مضرت رساں اور قلب کو سیاہ کرنے والا ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اکثر اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کو بہ نظر حقارت دیکھتا اور اپنی کرامت و بزرگی سمجھنے لگتا ہے یعنی خیال کرتا ہے کہ میں اللہ کے نزدیک ذی مرتبہ شخص ہوں کہ میرے گناہ ظاہر نہیں ہوئے اور یہ خبر نہیں کہ اللہ کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہے تا کہ گناہ زیادہ ہو جائیں اور یک لخت دھر پکڑا جائے اور اسفل السافلین (سب سے نچلا درجہ) میں جھونک دیا جائے۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو اس کے صغیرہ ہونے کی بنا پر لوگوں میں ظاہر اور شائع کرتا پھرتا ہے حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ تمام گنہگار بخش دیے

جائیں گے مگر گناہوں کا اعلان وافشا کرنے والے لوگ نہ بخشے جائیں گے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ اگر کسی عالم یا صوفی یعنی مقتدا سے کوئی صغیرہ گناہ ہوتا ہے تو اس کا اثر اور بھی زیادہ بڑا پڑتا ہے کیونکہ عام لوگ اس کو دیکھ کر اس گناہ میں بیباکانہ مبتلا ہو جاتے ہیں اور اسی طرح گناہ کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے گویا یہ صغیرہ گناہ اتنا دراز ہو جاتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے اس کی دیکھا دیکھی جن لوگوں نے بھی اس گناہ کو اختیار کیا ہے سب کا وبال اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ باقی رہنے والا گناہ ختم ہو جانے والے گناہ سے بدتر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس گناہ کا بقاء صغیرہ ہونے کی وجہ سے ہی ہوا ہے پس خوش قسمتی اس کی جو اپنے مرنے کے ساتھ اپنے گناہ بھی دنیا سے لے جائے۔

بنی اسرائیل کے ایک عالم نے جب اپنے گناہوں سے توبہ کی تو اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ اس کے گناہ میرے اور اس کے درمیان ہی رہتے تو میں بخش دیتا مگر اس نے تو مقتدا بن کر میرے دوسرے بندوں کو بھی گناہوں میں مبتلا کر دیا اور جہنم میں داخل کرایا خلاصہ یہ ہے کہ توبہ کرنا ہر گناہ سے ہر فرد وبشر پر ضروری ہے اور توبہ اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ دل میں اللہ کا خوف ہو لہٰذا مناسب ہے کہ خوف کی فضیلت بیان کر دی جائے۔

❊❊❊❊❊

دوسری اصل

خوف کا بیان

اللہ تعالیٰ کا خوف جملہ نیک کاموں میں رغبت کرنے اور تمام گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے خوف کرنے والوں کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''کسی بندہ کو دو خوف نصیب نہ ہوں گے'' یعنی جو بندہ دنیا میں اللہ کا خوف رکھے گا وہ آخرت میں بے خوف ہوگا اور جو دنیا میں اللہ سے نڈر رہا اس کو آخرت میں امن واطمینان نصیب نہ ہوگا۔

خوف کی حقیقت اور حاصل کرنے کا طریقہ

خوف کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ کسی آنے والی تکلیف کے اندیشہ سے دل دکھے اور سوزش پیدا ہو اور ظاہر ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی صفات جلالیہ کی معرفت حاصل نہ ہوگی اس وقت تک خوف پیدا نہ ہوگا اور جب یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز پر ایسا قادر ہے کہ دم بھر میں جو چاہے کرے کہ مخلوق میں کوئی شخص چوں بھی نہیں کر سکتا تو اس وقت خوف وخشیت پیدا ہو جائے گی۔

پس اگر خوف پیدا کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی بے نیازی پر نظر کرو اور سوچو کہ جنت پیدا اور اس میں جانے والی مخلوق بھی تجویز ہو چکی ہے اور اسی طرح دوزخ بھی موجود ہے اور اس کی سزاوار مخلوق بھی معین ہو چکی ہے۔ اور سعادت وشقاوت یعنی خوش قسمتی اور بدنصیبی کا قطعی حکم ہر شخص کی تقدیر

میں لکھا جا چکا ہے جس میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور اس ازلی حکم کا کوئی روکنے والا نہیں پس اے نفس! معلوم نہیں کہ تیرے حق میں کیا حکم صادر ہوا ہے؟ اور تیرا خاتمہ کس حال میں ہونا لکھا ہے؟ ممکن ہے تو جنت میں جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تیرے لئے جہنم کی دائمی سزا تجویز ہوئی ہو۔

خوب یاد رکھو کہ انجام کے مخفی و پوشیدہ حال سے نڈر وہی شخص ہو سکتا ہے جس کو حقیقی معرفت حاصل نہ ہو لہٰذا مناسب ہے کہ ان کاملین اور خاصان خدا کے حالات پڑھا اور سنا کرو جن کو معرفت میں کمال حاصل ہے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء و علماء و اہل بصیرت رحمہم اللہ تعالیٰ

دیکھو ان حضرات کو باوجود کمال درجہ تقرب کے کس قدر خوف تھا۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جب کبھی جبریل امین علیہ السلام میرے پاس وحی لے کر آئے تو خداوند جبار و قہار کے خوف سے لرزتے اور کانپتے ہوئے آئے"۔ * حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلب نماز کی حالت میں خوف کے سبب ایسا جوش مارتا تھا جیسے چولھے پر ہانڈی کھولتی ہے اور اُس جوش و خروش کی آواز ایک میل کی مسافت سے سنائی دیا کرتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن کامل سربسجود گریہ کرتے رہے یہاں تک کہ آنسوؤں کے سبب آس پاس کی زمین پر گھاس پیدا ہوگئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک پرند کو مخاطب بنا کر یوں فرمایا کہ "اے کاش! میں بھی تجھ جیسا پرند ہی ہوتا کہ شریعت و احکام خداوندی کا مکلف نہ ہوتا یا کاش پیدا ہی نہ ہوا ہوتا"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کاش میں درخت ہوتا کہ کاٹ لیا جاتا۔

* عراقی کہتے ہیں کہ ثابت نہیں البتہ قیامت میں ایسا ہونے کی روایت کتاب العظمۃ میں ابو شیخ کی ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "کاش میں بھولی بسری ہو جاتی"

غرض خوب یاد رکھو کہ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور جلال کی معرفت حاصل ہے وہ ہرگز بےخوف اور نڈر نہیں رہ سکتے۔ نڈر ہونا انہی غفلت شعار امراء کا شیوہ ہے جن کی نہ اپنے خاتمہ پر نظر ہے اور نہ اصلاح آخرت کی طرف توجہ۔ یہ غفلت کے پتلے اس بےخوف بچہ کی مثل ہیں جس کو زہریلے سانپ سے بھی ڈر نہیں لگتا مگر بچہ دوسرے کے سمجھانے سے سمجھ تو جاتا ہے پس اے کاش! جس طرح ناسمجھ بچہ اپنے سمجھدار باپ کو سانپ سے ڈرتا ہوا اور بچتا ہوا دیکھ کر خود بھی بھاگتا اور عقل سیکھتا ہے اسی طرح غافل اور بے خبر مسلمان بھی اپنے محسن و مربی روحانی طبیبوں اور خاصان خدا کی حالت خوف کے مشاہدہ سے عبرت پکڑیں۔

فصل

خوف کی زیادتی مذموم و مضر ہے

خوف درحقیقت ایک چابک ہے جو انسان کو سعادت ابدی کی جانب دوڑاتا ہے۔ لہٰذا اسی حد تک پسندیدہ ہے جب تک کہ نیکوکاری کا آلہ کار رہے۔ یعنی اتنا زیادہ نہ ہو کہ بےکار بنا دے اور مایوسی کی حد تک پہنچا کر اعمال چھڑا دے۔ ایسا حد سے بڑھا ہوا خوف جس سے ناامیدی پیدا ہو جائے شرعاً مذموم (برا خراب) ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ "ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے"۔ پس خوف کے ساتھ رجاء یعنی امید بھی ضروری ہے البتہ گناہ گار مسلمان کو خوف غالب رکھنا چاہیے اور جب دین دار بن جائے تو دونوں مساوی درجہ پر رکھے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "اگر اللہ کا حکم صادر ہو کہ ساری مخلوق میں سے

صرف ایک شخص جنت میں جائے گا تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا اور اگر فرمان صادر ہو کہ دوزخ میں صرف ایک ہی شخص داخل ہو گا تو مجھے خوف ہے کہ وہ شخص کہیں میں ہی نہ ہوں۔" یہ حالت مساوات ہے جس میں خوف ورجاء دونوں کے پلے برابر ہیں۔

جوانی میں خوف اور بڑھاپے میں رجاء کا غلبہ مفید ہے

یاد رکھنا چاہیے کہ جوانی و تندرستی کے زمانہ میں مسلمان کو خوف غالب رکھنا چاہیے کہ اس غلبہ شہوت کے زمانہ میں شہوات نفسانیہ کے توڑنے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے مہذب بنانے کو خوف کے کوڑے کی ضرورت ہے اور بڑھاپے یا مرض کے زمانہ میں جب کہ موت قریب ہو تو رجاء یعنی امید کو غالب رکھنا چاہیے کہ اول تو ضعف ونقاہت اور مرض کیوجہ سے کچھ ہوتا ہی نہیں پھر اگر اس حالت میں خوف کا غلبہ ہوا تو جو کچھ ہو رہا ہے اتنا بھی نہ ہو سکے گا اور بالکل ہی ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے حدیث میں آیا ہے کہ "مسلمان کو مرتے وقت اپنے اللہ کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہیے"۔

رجاء اور ہوس کا فرق

ظاہر ہے کہ نیک گمان اسی وقت ہو گا جب کہ کچھ نیک اعمال بھی پاس ہوں گے۔ کیونکہ انسان جب کاشت کے لئے زمین میں بیج ڈالتا ہے اور نیولانے یا پانی دینے کے متعلق اپنی جیسی سعی سب کچھ کر لیتا ہے تو اسی وقت اللہ کے فضل پر بھروسہ کر کے پیداواری اور بوئے ہوئے کے کاٹنے کی امید رکھ سکتا ہے اور جب تک بیج نہیں ڈالا اور ایسی حالت میں اناج کی طلب وخواہش رکھی تو اس کو رجاء وامید نہیں کہتے بلکہ تمنا اور ہوس کہتے ہیں اور تمنا وہوس شیطانی دھوکہ ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جو بندے ایمان لائے اور ہجرت کر گئے اور فی سبیل اللہ جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔'' اس سے معلوم ہوگیا کہ رجاء و امید سعی و کوشش کے بعد ہوا کرتی ہے۔ جس طرح کاشتکار بونے جوتنے کی پوری محنت کر لینے کے بعد منتظر ہوتا ہے کہ اگر آسمانی آفت سے حفاظت ہوئی اور بجلی، اولہ، آگ وغیرہ سے کھیت کو اللہ تعالیٰ نے بچائے رکھا تو امید ہے کہ جتنا بیج ڈالا ہے ایک ایک کے بدلے ستر ستر بلکہ اس سے بھی زیادہ حاصل ہوں گے۔ اسی طرح مسلمانوں کو اللہ کی اطاعت میں پوری مشقت اٹھانے اور مجاہدہ و ریاضت کرنے کے بعد امید رکھنی چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے اعمال و افعال کو قبول فرمالیا تو ایک ایک نیکی کا سات سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر ملے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ خوف عذاب کے باعث معاصی اور اللہ کی نافرمانیوں سے رکنا چاہیے اور رحمت الٰہی کے سبب نیکیوں میں رغبت ہونی چاہیے۔ پس خوف کو اسی وقت معتبر سمجھو جب کہ وہ تم کو معصیت سے روکے اور گناہ کی جرأت نہ ہونے دے اور اگر یہ حاصل نہ ہو تو خوف نہیں بلکہ عورتوں جیسی رقت قلبی اور وہم و خیال ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں۔

اور چونکہ خوف جب کمال پر پہنچتا ہے تو دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام زُہد ہے لہٰذا مناسب ہے کہ کچھ زُہد کا بیان کیا جائے۔

******

تیسری اصل

زُہد کا بیان

زُہد علم کا ثمرہ اور شرح صدر کی علامت ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ'' اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس مال و جاہ کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے کافروں کو دنیا کی تازگی کی جنس سے دے رکھا ہے کیونکہ اس سے مقصود ان کو فتنہ میں ڈالے رکھنا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی عطا بہتر اور زیادہ پائدار ہے۔'' اور قارون ملعون کے قصہ میں ارشاد ہے کہ قارون بن سنور کر ٹھاٹھ کے ساتھ جلوس میں نکلا اور بعض لوگوں کو یہ تزک واحتشام دیکھ کر حرص ہوئی تو جن لوگوں کو علم مرحمت ہوا تھا وہ کہنے لگے کہ'' افسوس تم اس ناپائیدار چیز کی حرص کرتے ہو دیکھو اللہ تعالیٰ کا ثواب سب سے بہتر چیز ہے۔''

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ زُہد علم کا ثمرہ ہے۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ'' جو شخص صبح اٹھتے ہی دنیا کے غم میں گرفتار ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا دل پریشان کر دیتا ہے اور ملتا اسی قدر ہے جتنا اس کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور جو شخص صبح اٹھتے ہی آخرت کی فکر میں لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا قلب مطمئن رکھتا ہے اور اس کی دنیا کی خود حفاظت و کفالت فرماتا ہے اس نیک بندے کا دل غنی کر دیتا ہے اور دنیا اتنی مرحمت فرماتا ہے کہ یہ منہ پھیرتا ہے اور دنیا اس کے پیچھے بھاگی چلی آتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ'' اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا شرح

صدر کر دیتا ہے۔'' اس کی تفسیر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ'' اس کے قلب میں ایک نور داخل فرما دیتا ہے جس سے اس کا سینہ منشرح (کشادہ) ہو جاتا ہے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شناخت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' دنیا سے بے رغبتی اور دین کی جانب توجہ اور موت سے پہلے موت کا انتظام کرنا شرح صدر کی خاص پہچان ہے''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں'' کہ جس کو اللہ تعالیٰ زاہد بنا دیتا ہے اس کے قلب میں حکمت القاء فرماتا ہے اور دنیا کی بیماری وعلاج سے آگاہ کر دیتا ہے اور اس جہان فانی سے بے لوث (بغیر ملاوٹ کے) باہر نکال کر دارالسلام میں پہنچا دیتا ہے'' اس کے بعد صحابہ رضوان اللہ عنہم سے فرمایا کہ صاحبو اللہ تعالیٰ سے حیا کرو۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیا تو کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' جہاں رہنا نہیں ہے وہاں مکانات بناتے ہو اور جو کھا نہیں سکتے ہو وہ جمع کرتے ہو یاد رکھو کہ بندہ کا ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے جب کہ گوشۂ گم نامی میں پڑے رہنے کو شہرت سے زیادہ پسند کرے اور دنیا کے متعلق ہر شئے کی قلت کو اس کی اکثریت سے زیادہ محبوب سمجھے خوب سمجھ لو کہ جب انسان دنیا میں زاہد بنتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور جب وہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے تو مخلوق کی نظروں میں بھی محبوب ہو جاتا ہے۔''

زُہد کی حقیقت اور ثمرہ و اثر

حقیقی زُہد یہ ہے کہ انسان دنیا کے مال ومتاع کی جانب التفات نہ کرے اور باوجود اس کے حاصل کرنے کی قدرت کے پھر اس کی

جانب متوجہ نہ ہو۔

اور زُہد کی اصل وہ نور اور علم ہے جو اللہ کی طرف سے بندہ کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کے جملہ ساز و سامان مکھی کے پر سے بھی زیادہ حقیر ہیں اور آخرت ہی بہتر اور پائدار ہے۔ جس وقت یہ نور حاصل ہوتا ہے تو اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی کسی بیش قیمت جواہر کے مقابلے میں قلب میں ایک پھٹے پرانے چیتھڑے کی وقعت ہوا کرتی ہے۔

اور زہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بقدر ضرورت کفایت دنیا پر قناعت حاصل ہو جائے پس زاہد اسی مقدار پر کفایت کیا کرتا ہے جتنا کسی مسافر کو سفر کا توشہ اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

اور وہ ضروری سامان جس کی ہر شخص کو احتیاج ہے یا طعام ہے یا لباس یا اثاث البیت (گھریلو ساز و سامان) اور ہر ایک میں زہد کے مراتب اور مدارج ہیں جن کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔

طعام میں مدت کے اعتبار سے زہد کے مراتب

طعام کی ضرورت رفع کرنے میں زہد تین اعتبار سے ہوتا ہے یعنی مدت، مقدار اور جنس۔

پس مدت کے اعتبار سے

اعلیٰ درجہ کا زُہد تو یہ ہے کہ صرف ایک وقت کے کھانے پر قناعت کرے یعنی اگر صبح کو بھوک رفع ہو جائے تو شام کے لئے کچھ پاس نہ ہو اور شام کو پیٹ بھر جائے تو صبح کے لئے کچھ ذخیرہ نہ ہو۔

اوسط درجہ یہ ہے کہ مہینہ بھر یا چالیس دن کی خوراک مہیا

ہو اس سے زیادہ کی پرواہ نہ ہو۔

ادنی درجہ یہ ہے کہ صرف سال بھر کا ذخیرہ جمع کر لیا جائے اور سال سے زیادہ کا سامان جمع کرنا تو زہد سے بالکل خارج ہے۔

البتہ اگر کسی قسم کا ذریعہ کسب اور تحصیل معاش کے لیے دنیا کا کوئی مشغلہ نہ ہو تو سال سے زیادہ کا ذخیرہ جمع کر لینا بھی زُہد کے منافی نہیں ہے چنانچہ شیخ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیس درہم تھے جس پر شیخ نے کامل بیس سال قناعت کی تھی چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اس لئے بیس سال کا ذخیرہ جمع رکھنا زُہد کے خلاف نہ ہوا۔

مقدار کے اعتبار سے زُہد کے مراتب

طعام میں مقدار کے اعتبار سے

ادنیٰ درجہ کی مقدار جس کو زُہد کا اعلیٰ درجہ کہنا چاہیے نصف رطل یعنی پاؤ سیر اناج ہے۔

اوسط درجہ کی مقدار آدھ سیر اور اعلیٰ مقدار جو زہد کا ادنیٰ درجہ ہے سیر بھر غلہ ہے پس جس نے اس سے زیادہ مقدار کھائی تو سمجھو کہ زہد کے خلاف کیا۔

جنس کے اعتبار سے زُہد کے مراتب

جنس کی حیثیت سے **اعلیٰ درجہ** کا زُہد اس جنس کے کھانے پر قناعت کرنا ہے جس میں غذائیت پائی جائے اگرچہ اناج کی بھوسی ہی کیوں نہ ہو اور **اوسط درجہ** جو کی روٹی ہے اور **ادنیٰ درجہ** گیہوں کے بے چھنے آٹے کی روٹی کا کھانا ہے اگر آٹا چھان لیا تو اس کا نام زہد نہیں بلکہ تنعم اور تلذذ (راحت اور لذت) ہے۔

اور ترکاری میں اقل درجہ کی ترکاری جو زہد کا اعلیٰ درجہ ہے سرکہ اور

سبزی اور نمک کا استعمال ہے اور اوسط درجہ چکنائی کا استعمال کرنا ہے اور اعلیٰ درجہ کی ترکاری جو زُہد کا سب سے نیچے کا درجہ ہے گوشت کھانا ہے بشرطیکہ ہفتہ میں صرف ایک یا دو بار ہو اور اگر ہمیشہ گوشت کھانے کی عادت ہو گئی تب تو زہد سے بالکل ہی باہر نکل گیا۔

دیکھو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ" چالیس چالیس دن گذر جاتے تھے اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ میں آگ بھی نہیں جلتی تھی۔" معتبر ذریعہ سے ثابت ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا (تشریف لائے) کبھی تین دن بھی گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِکَ وَصَفِیِّکَ بقدر زهده و كماله. (الٰہی اپنے حبیب اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے زہد اور کمال کی بقدر رحمت نازل فرما)۔

لباس کے متعلق زُہد کے مراتب

لباس میں اعلیٰ درجہ کا زُہد یہ ہے کہ صرف اتنے کپڑے پر قناعت کرے جس سے ستر چھپ جائے اور سردی گرمی رفع ہو سکے اور ادنیٰ درجہ کا زُہد یعنی اعلیٰ درجہ کا لباس یہ ہے کہ کسی کھردرے کپڑے کا کرتہ پاجامہ اور ایک رومال رکھے پس اگر کرتے بھی پاس ہوں گے تو زہد ہاتھ سے جاتا رہے گا زُہد میں کم سے کم یہ تو ضرور ہونا چاہیے کہ اگر پہنے ہوئے کپڑوں کے دھونے کی ضرورت پیش آجائے تو دوسرا جوڑا پاس نہ نکلے بلکہ رومال باندھ کر دھولے اور پھر ان کو پہن لے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ❊

❊ بخاری و مسلم میں صحابی کا نام ابو بردہ اصل میں بھی ہے احیاء العلوم میں بھی ہے اور حدیثوں میں بھی ہے مترجم نے سہواً ابو ہریرہ لکھ دیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے صوف کی ایک چادر اور ایک موٹا کرتہ نکال کر مجھ کو دکھایا اور فرمایا کہ ان دو کپڑوں میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین کا ایک نیا جوڑا پہنا اور پسند آیا تو فوراً سجدہ میں گر پڑے اور فرمایا کہ مجھے یہ نعلین اچھی معلوم ہوئیں اور اندیشہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ غصے نہ ہو جائے اس لئے میں تواضعاً (عاجزی اور انکساری سے) سربسجود ہو گیا یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور جو مسکین سب سے پہلے نظر پڑا اس کو مرحمت فرما دیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قمیص میں بارہ پیوند لگے گئے تھے جس میں بعض چمڑے کے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "مقتداء پر ضروری ہے کہ ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کا سا لباس پہنے تا کہ امراء اور اہل مال اس کا اقتداء کریں اور فقراء و نادار اپنے کو بہ نظر حقارت نہ دیکھیں۔

مکان کے متعلق زہد کے مراتب

مسکن میں ادنیٰ درجہ کا مسکن جو زہد کا اعلیٰ درجہ ہے یہ ہے کہ مسافر خانہ یا مسجد کے حجرہ میں زندگی گذارے اور اعلیٰ درجہ کا مسکن یہ ہے کہ سکونت کے لئے کوئی خاص جگہ تجویز کرے یعنی بقدر ضرورت ایک حجرہ خواہ خرید لے یا کرایہ پر لے لے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ اس میں وسعت نہ ہو اور نہ اس کی اونچی دیواریں ہوں نہ قلعی چونا ہو کیونکہ کہگل (پلستر کرنے کی بھس ملی ہوئی مٹی) یا استر کاری کے مکانات میں رہائش تو زہد سے خارج ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ہم مکان میں چونا استر کاری کر رہے تھے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ میاں وقت تو اس سے پہلے برابر ہو جانے والا ہے" مطلب یہ تھا کہ انسان کو ناپائدار

زندگی گذارنے کے لئے استحکام و پائداری کی کیا ضرورت ہے موت آ جائے گی اور یہیں دھرا رہ جائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے رہائش کے لئے پھونس کا ایک جھونپڑا بنا رکھا تھا اسی میں ایام گذاری فرماتے تھے لوگوں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ ایک گھر بنا لیجئے تا کہ آرام ملے آپ علیہ السلام نے فرمایا میاں مرنے والے کے لئے تو یہ پھونس (لمبی ویرانی گھاس) کا گھر بھی بہت ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ضرورت سے زیادہ جو شخص مکان بنائے گا قیامت کے دن اس کو تکلیف دی جائے گی کہ اس مکان کو سر پر اٹھائے پس اب تم خوب سمجھ لو کہ ضرورت کس چیز کا نام ہے اور کس مقدار و حیثیت کے مکان سے رفع ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ جس حد تک گرمی و سردی رفع ہو وہ تو ضرورت میں داخل ہے اور اس سے زیادہ سجاوٹ یا وسعت تو عبث و بے کار اور آخرت کے لئے مخدوش و خطرناک ہی ہے۔

اثاث البیت کے متعلق زُہد کے مراتب

اثاث البیت (گھر کا سامان) میں کئی درجے ہیں۔ ادنیٰ درجہ کا سامان۔ جس کو زُہد کا اعلیٰ درجہ کہنا چاہیے وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال تھا کہ ایک کنگھا اور ایک آب خورہ (پانی پینے کا چھوٹا سا مٹی کا برتن) پاس تھا یہی اثاث البیت تھا اور یہی سفر و حضر کا سامان۔ ایک بار چلے جا رہے تھے کہ ایک شخص نظر پڑا جو انگلیوں سے کنگھے کا کام کر رہا تھا اور بال درست کر رہا تھا یہ دیکھ کر حضرت روح اللہ نے کنگھا پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ تو ضرورت سے زائد چیز نکلی۔ اب آب خورہ رہ گیا اس کو لے کر چلے تو ایک شخص کو دیکھا کہ ہاتھ کے چلو سے پانی پی رہا ہے پس آب خورہ بھی

پھینک دیا اور فرمایا اللہ کے عطا کئے ہوئے بدن ہی کے عضو سے جو کام نکل آئے اس کے لئے دوسرا انتظام کرنا امر فضول ہے اوسط درجہ یہ ہے کہ معمولی اور خسیس برتن رکھے اور وہ بھی ہر قسم کی ضرورت کے لئے ایک عدد سے زیادہ نہ ہو اور اس میں بھی یہ لحاظ رکھے کہ جہاں تک ہو سکے کئی ضرورتیں ایک ہی برتن سے رفع ہو جائیں چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شہر حمص کے حاکم حضرت عمر بن سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیوں صاحب تمہارے گھر میں دنیا کی ضرورتوں کے لیے کیا کیا اسباب ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ایک تو لاٹھی ہے کہ اس سے تکیہ کا کام لے کر سہارا لگا لیتا ہوں اور اسی سے موذی جانور سانپ بچھو وغیرہ کو مار دیتا ہوں اور ایک تھیلا ہے جس میں کھانا رکھ لیتا ہوں اور ایک پیالہ ہے جس میں کھانا رکھ کر کھا لیتا ہوں اور ایک برتن ہے جس میں اتنا پانی آجاتا ہے جو پینے اور وضو کرنے کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور اسی میں سر اور کپڑے دھو لیتا ہوں۔ پس یہ چار عدد میرے پاس موجود ہیں اور ساری ضرورتیں الٹ پھیر کر اسی میں پوری ہو جاتی ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ فرما کر کہ سچ کہتے ہو خاموش ہو رہے۔ تم نے سنا ہو گا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک جس پر استراحت فرماتے تھے ایک تو چرمی تکیہ تھا جس میں لیف گھاس بھری ہوئی تھی اور ایک کمبل تھا غرض زاہدوں کے یہ حالات ہیں جو نمونہ کے طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔

متنعم پر افسوس کرو اور زاہدوں کی صحبت رکھو

اگر اس مرتبہ کمال کے حاصل کرنے سے خدانخواستہ محروم رہو تو کیا اس سے بھی گئے گذرے ہو کہ

اس محرومیت پر افسوس ہی کرو تا کہ زہد کی قلب میں محبت اور اس کے حصول کی خواہش تو باقی رہے نیز اس کا ہمیشہ خیال رکھو کہ لذت پسند اور متنعم (ذی ثروت) امراء کے قرب کی نسبت اللہ کے زاہد بندوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا پسند کرو اور جہاں تک ہو سکے زاہدوں کے مثل بننے اور بلند درجہ حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہو۔

فصل

زہد کے درجے

زہد کے کئی درجے ہیں۔

پہلا درجہ تو یہ کہ نفس اگرچہ دنیا کی طرف مائل ہو مگر اس کو جبراً بے التفات بنایا جائے اور دنیا حاصل کرنے سے زبردستی روکا جائے اس حالت کو زہد کہنا تو ٹھیک نہیں معلوم ہوتا البتہ اگر تزہد (اظہار زہد) کہا جائے اور زہد کی ابتداء سمجھا جائے تو مناسب ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ نفس دنیا سے اتنا متنفر ہو کہ اس کی طرف مائل ہی نہ ہو اور سمجھ جائے کہ دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا یک جا ہونا چونکہ ناممکن ہے اس لئے آخرت کی لذتوں کے حاصل کرنے میں دنیا کے مال و متاع پر اس طرح خاک ڈال دینی چاہیے جس طرح کسی بیش بہا جوہر کے خریدنے میں چند روپے کو خرچ کرنے میں دریغ نہیں ہوتا بلکہ روپیہ دے کر نہایت خوشی سے جوہر لے لیا جاتا ہے ایسے ہی دنیا کا ساز و سامان چھوڑ کر بڑی مسرت کے ساتھ آخرت کی نعمتیں حاصل کر لی جائیں۔

دنیا کی رغبت و نفرت دونوں کا نہ رہنا کمال کا زہد ہے

تیسرا درجہ یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کا عدم اور وجود برابر ہو جائے اور یہ

خیال رہے کہ جو کچھ بھی دنیا میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار خزانوں کے بحر ذخار (پانی کے بڑے ذخیرہ والا دریا) اور دریائے ناپیدا کنار کا ایک قطرہ ہے پس اگر مل جائے تو کچھ مسرت نہیں اور اگر نہ ملے یا آیا ہوا ہاتھ سے چلا جائے تو کچھ حسرت نہیں اس درجہ میں نہ تو دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس سے متنفر ہوتا ہے اور یہی زُہد کے کمال کا درجہ ہے کیونکہ تنفر بھی ایک قسم کی توجہ ہے اور اس شئے کے باوقعت ہونے کی علامت ہے اس لئے کہ جس شئے کی وقعت ذہن سے نکل جایا کرتی ہے اس کی دونوں جانبیں یعنی تنفر اور توجہ برابر ہو جایا کرتی ہیں ایک مرتبہ حضرت رابعہ عدویہ کی مجلس میں لوگوں نے دنیا کی مذمت بیان کرنی شروع کی تو آپ نے فرمایا کہ دنیا کی قدر و منزلت تمہارے دلوں میں ہے جب ہی تم اس کی مذمت کر رہے ہو بھلا ایک ذلیل اور بے قدر شئے کی بھی کوئی مذمت کیا کرتا ہے خوب یاد رکھو کہ جب دنیا کی وقعت قلب سے جاتی رہتی ہے تو رغبت اور نفرت دونوں سے انسان خالی الذہن ہو جاتا ہے ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لاکھ درہم آئے اور آپ رضی اللہ عنہا نے ان سے نفرت نہیں کی بلکہ لے لیا اور اسی دم مساکین پر تقسیم فرما کر خرچ کر دیئے آپ رضی اللہ عنہا کی خادمہ نے عرض کی کہ اے ام المومنین رضی اللہ عنہا ایک درہم کا گوشت تو خرید لیتیں جس سے آپ روزہ افطار فرما لیتیں تو آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اگر پہلے یاد دلاتیں تو یہ بھی کر لیتے اب تو کچھ باقی نہیں رہا یہ درجہ غنا کہلاتا ہے پس ناعاقبت اندیش جاہل صوفی دھوکا کھاتے اور اپنے مال کی بڑھوتری و حرص کو غنا کا درجہ سمجھ جاتے ہیں یعنی یوں خیال کرتے ہیں کہ چونکہ ہمارے قلب کو دنیا سے علاقہ نہیں رہا اس لئے ہمیں یہ مال و متاع کی کثرت مضر نہیں حالانکہ ان کا یہ خیال شیطانی

دھوکہ ہے امتحان کرنے سے اس کی کھوٹ معلوم ہو جائے گی مثلاً اگر سارا مال یک لخت چوری ہو جائے تو دیکھو ان کا کیا حال ہوتا ہے اگر اپنا مال چوری ہو جانے کا اسی قدر اثر ہو جتنا کسی اجنبی کا مال چوری ہو جانے کا ہوتا ہے تب سمجھو کہ بے شک ان کے قلب کو مال سے محبت نہیں ہے اور ان کے نزدیک مال کا رہنا اور چلا جانا دونوں برابر ہیں ورنہ قلب کی چوری پکڑی گئی۔

زُہد سے بھی زُہد ہونا اعلیٰ درجہ ہے

غرض زہد کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ زہد سے ✽ بھی زہد حاصل ہو جائے یعنی دنیا کی جانب سے بے التفاتی کو بھی وقعت کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ یوں سمجھے کہ دنیا کی کوئی چیز بھی ہو جس کا چھوڑنا ہمت اور بہادری سمجھی جائے یا مسرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اسکی تو اہل بصیرت کے نزدیک اتنی بھی وقعت نہیں ہے جتنی کسی بڑے بادشاہ کے نزدیک ایک پیسے کی قدر ہوا کرتی ہے اس بے حیثیت دنیا کو چھوڑ کر یہ سمجھنا کہ ہم نے کچھ چھوڑ دیا حقیقت میں اس کے درجہ کا اسکی حیثیت سے بڑھانا ہے اسکی مثال تو ایسی سمجھو جیسے کوئی شخص شاہی دربار میں داخل ہونا چاہے اور اسکو دروازے پر بیٹھا کتا داخلہ سے روک رہا ہو پس یہ اس کے سامنے ایک روٹی کا ٹکڑا ڈال دے تا کہ کتا اسکے کھانے میں لگ جائے اور یہ اپنے مطلوب کے دربار میں جا داخل ہو اسی طرح شیطان اللہ تعالیٰ کے دروازے کا کتا ہے جو سالک کو مطلوب تک پہنچنے سے روک رہا ہو اور ساری دنیا روٹی کے ایک ٹکڑے سے بھی زیادہ بے وقعت ہے جسکو اس کے سامنے ڈال کر سالک نے اپنے مطلوب تک پہنچنے کا راستہ صاف کر لیا ہے پس تم ہی سوچو کہ شاہی دربار کی حاضری کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے جو کتے کو روٹی کا ٹکڑا

✽ اتنی بے رغبتی کہ اس کا بھی خیال نہ آئے کہ دنیا سے بے رغبتی اور زہد کیا ہے۔

ڈالا گیا ہے نہ اس کی ذہن میں وقعت ہوگی اور نہ اس کو قابل ذکر و خیال امر سمجھا جاوے گا بلکہ روٹی کے ٹکڑے اور دنیوی بادشاہ میں تو کچھ مناسبت بھی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں ایک دن فنا ہونے والے ہیں پس فانی شئے کے حصول کے لئے ایک فانی شئے کا ہاتھ سے کھودینا جب وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تو دنیا اور آخرت میں تو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے اس لئے کہ اگر دنیا لاکھوں بھی ہوں گی تو وہ بھی ایک دن فنا ہو جائیں گی۔ پس آخرت کی جاوید نعمتوں اور اس پائندار ملک کی دائمی سلطنت حاصل کرنے کے لئے اگر دنیا کو ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے اور شیطان کے حوالہ کر دیا جائے تو اس کا خیال اور ذکر ہی کرنا فضول ہے۔

زُہد کے اسباب

زُہد کے اسباب متعدد ہیں کیونکہ کبھی تو دوزخ کا خوف اور عذاب کا اندیشہ زُہد کا سبب بن جاتا ہے اور اس زُہد کو خائفین کا زہد کہتے ہیں اور یہ سالکین طریقت کے نزدیک ادنیٰ درجہ ہے اور کبھی اخروی نعمتوں اور لذتوں کی رغبت زُہد کا باعث ہو جاتی ہے اور اس کو راجین کا زُہد کہتے ہیں اور یہ درجہ پہلے درجے سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ رجا یعنی امید محبت کو مقتضی ہے اور محبت کی فضیلت تم کو معلوم ہو چکی ہے۔

جملہ ماسوی اللہ سے زُہد ہونا اعلیٰ زُہد ہے

تیسرا درجہ جو سب میں اعلیٰ ہے وہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کی جانب سے بے توجہی اور نفس کا غیر اللہ کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دینا زُہد کا باعث ہو اسکو حقیقی زُہد کہتے ہیں کیونکہ پہلے دونوں درجوں کے زُہد تو ایسے ہیں کہ جیسے کسی نافع سودے کی خرید و فروخت ہوتی ہے کہ ایک حقیر چیز کو اسلئے چھوڑ دیا کہ تکلیف دینے والی روح فرسا (روح کو گھس دینے والی اور فنا کر دینے والی)

مصیبت اس وجہ سے دفع ہو جائے یا کئی گنی بہتر اور نافع چیز ہاتھ آ جائے اور اس درجہ میں ماسوی اللہ کی جانب التفات کرنے ہی کو فضول سمجھا گیا ہے کیونکہ وہ کوئی چیز ہی نہیں ہے پس اس درجہ میں اللہ تعالٰی کے سوا جو چیز بھی ہو خواہ مال ہو یا جاہ اور کوئی ایسی شئے جس سے عموماً لذت حاصل ہوا کرتی ہے سب ہی سے زُہد حاصل ہوتا ہے اور بعض سے نہیں ہوتا اور یہی وجہ ان درجوں کے ضعیف ہونیکی ہے کیونکہ انسان کو جاہ کی محبت مال کی بہ نسبت زیادہ ہوا کرتی ہے اور جسکی محبت زیادہ ہو اسی سے زُہد حاصل ہونا قابل اہتمام وجہ بھی ہے۔

فصل

زُہد اور فقر کا فرق

زُہد کے معنی یہ ہیں کہ باوجود دنیا حاصل کر سکنے کے دنیا سے ایسا بے التفات ہو جائے کہ دنیا اس کے پیچھے بھاگے اور یہ اس سے دامن چھڑائے اور اگر معاملہ برعکس ہو کہ یہ دنیا کو حاصل کرنا چاہے مگر دنیا اسکے ہاتھ نہ آئے تو اسکو زُہد نہیں کہتے بلکہ اسکا نام فقر ہے اور فقر کا درجہ زُہد کے برابر نہیں ہے ہاں فقر کو تو نگری پر فضیلت ضرور ہے کیونکہ تو نگری میں دنیا کی لذتوں سے دل بستگی ہو جاتی ہے اور اس لئے مرتے وقت ان مرغوبات کے چھوڑنے سے حسرت ہوا کرتی ہے اور دنیا گویا جنت معلوم ہوتی ہے اور آخرت قید خانہ۔ برخلاف فقر کے کہ اس حالت میں لذتوں سے اگرچہ جبراً وقہراً باز رکھا گیا ہے تاہم چونکہ کسی چیز کا ذائقہ اور مزہ کبھی منہ کو نہیں لگتا اس لئے مرتے وقت کسی چیز کی محبت میں دل نہ اٹکیگا بلکہ دنیا کو دار الالام (تکلیفوں کا گھر) اور تنگ دستی کا گھر سمجھے گا اور آخرت آزادی اور خوش

عیش کا گھر اور جنت معلوم ہوگی۔

فقر کی فضیلت

اس میں شک نہیں کہ فقر بھی اللہ کی بڑی نعمت اور سعادت اخروی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے نیک بندے کو دنیا سے ایسا بچالیتا ہے جیسے تم اپنے بیمار کو کھانے پینے کا پرہیز کراتے ہو۔ میری امت کے فقراء جنت میں امراء سے پانچ سو برس پہلے داخل ہو جائیں گے جس کسی فقیر کو دیکھا کرو خوش ہو جایا کرو اور کہا کرو کہ مرحبا صالحین کے طریقے والے مرحبا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار عرض کیا تھا کہ بار الہا آپ کو کون سے بندے محبوب ہیں؟ بتلایئے! تاکہ میں ان سے محبت کروں ارشاد ہوا کہ فقیر جن کو لوگ پاس بھی نہ کھڑا ہونے دیں یاد رکھو کہ اگر فقیر اپنی حالت پر قانع ہو اور طلبِ مال کا زیادہ حریص نہ ہو تو اس کا درجہ زاہد کے قریب قریب ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مبارک ہو اس کو جسے اسلام کی ہدایت ہوئی اور بقدر کفایت معاش ملی اور وہ اس پر قانع ہوا قانع فقیر اللہ کو بہت پسند ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی کہ اے اسماعیل مجھے شکستہ دل لوگوں کے پاس ڈھونڈا کرو۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ بار الہا وہ کون لوگ ہیں ارشاد ہوا کہ ''صابر فقیر'' خلاصہ یہ ہے کہ اگر فقر کے ساتھ قناعت اور صبر و رضا بھی ہو تو نور ''علیٰ نور'' اور اس کا ثواب بہت ہی زیادہ ہے اور چونکہ زہد کی ابتداء فقر پر صبر کرنا ہی ہے اس لئے صبر کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

******

چوتھی اصل

صبر کا بیان

اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لئے اتنی صفات جمع فرمائی ہیں جو دوسروں کے لئے جمع نہیں فرمائیں چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ "صبر کیا کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○ صبر کرنے والوں پر انکے پروردگار کی رحمتیں ہیں اور مہربانی اور وہی راہ یاب ہیں ○ صبر کرنے والوں کو انکا اجر بیشمار دیا جائیگا ○ وغیرہ وغیرہ کلام مجید میں کچھ اوپر ستر جگہ صبر کا ذکر آیا ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "صبر نصف ایمان ہے اور جنت کے خزانوں کا ایک خزانہ ہے جس شخص کو یہ خصلت مرحمت ہوئی وہ بڑا سعادت نصیب ہے شب بیدار اور صائم الدہر سے اس کا درجہ افضل ہے"۔

صبر کے معنی اور انسان کے ساتھ اس کا اختصاص

صبر کے حقیقی معنی ہوائے نفس کے مقابلہ میں اللہ کے حکم پر مستقل اور ثابت قدم رہنے کے ہیں کہ یہ صرف انسان ہی کو حاصل ہو سکتا ہے اسلئے کہ اس پر دو مخالف لشکر مسلط اور حملہ آور ہیں جن میں سے ایک خدائی لشکر یعنی فرشتوں اور عقل و شریعت کا لشکر ہے جن کا مقصود یہ ہے کہ انسان کو اپنے قابو میں لائیں اور ہدایت پر قائم رکھیں اور دوسرا شیطانی لشکر یعنی غیظ و غضب اور نفس کی خواہشوں اور اسکے اسباب کا لشکر ہے جو چاہتا ہے کہ انسان کو اپنے قبضہ میں رکھے اور پابند ہوا و حرص بنائے انسان کو بالغ ہو کر

محمودہ سے آراستہ ہونا ضروری ہے اور خصائل رذیلہ سے خالی اور پاک رہنا لازمی ہے اور یہ درجہ بغیر صبر کے حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کو آدھا ایمان فرمایا ہے اور صبر چونکہ کبھی شہوت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی غصہ کے مقابلہ میں اور روزہ شہوت کے توڑنے کا نام ہے لہٰذا روزہ کو نصف صبر ارشاد فرمایا ہے۔

صبر کا اعلیٰ درجہ

یادرکھو کہ صبر کے تین درجے ہیں۔

اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ شہوت اور ہوائے نفس کے مادہ ہی کا قلع قمع ہو جائے کہ اس کو مقابلہ کی قدرت ہی نہ رہے اور دین پر ثبات و بقا نصیب ہو اور انہی نفوس کو نفس مطمئنہ کے خطاب سے مخاطب بنا کر مرتے وقت بشارت دیجائیگی کہ اے نفس مطمئنہ چل اپنے پروردگار کی طرف کہ تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھ سے راضی۔

صبر کا ادنیٰ درجہ اور اس کے آثار

ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہوائے نفسانی غالب آ جائے اور قلب شیطانی لشکر کے حوالہ ہو جائے ایسی خطرناک حالت والوں کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میرا فرمان صادر ہو چکا کہ میں تم سے جہنم بھر دوں گا۔" (اللہ پناہ میں رکھے) اس کی دو علامتیں ہیں ایک یہ کہ ایسا شخص کہا کرتا ہے کہ "مجھے صبر کا شوق تو ہے مگر مجھ سے ہو نہیں سکتا اور اس لئے اب اس کی کچھ خواہش بھی نہیں رہی" یہ یاس اور نا امیدی کا درجہ ہے۔ جو مہلک ہے اور جانبری کی امید نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ توبہ کا شوق بھی نہ رہے اور کہنے لگے کہ اللہ رحیم و کریم ہے اسے میری توبہ کی کچھ پرواہ نہیں ہے اگر توبہ کئے بغیر وہ مجھ کو

دونوں میں امتیاز کرنا اور شیطانی گروہ سے جنگ وجدل کرنا پڑتا ہے پس اگر عقل کو غلبہ ہوا کہ دین اسلام اور شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر استقلال نصیب ہوا تو صبر کا مرتبہ اسکو حاصل ہو گیا اور چونکہ بہائم میں صرف شہوت وخواہشات کا مادہ ہے عقل اور دین کا شعور نہیں ہے اور فرشتوں میں صرف قربِ خداوندی کی استعداد رکھی گئی ہے وہ شہوات نفسانی اور غیظ وغضب سے بالکل منزہ (پاک) ہیں کہ ہر وقت تسبیح وتہلیل (سبحان اللہ کہنا اور لا الہ الا اللہ کہنا) میں مشغول رہتے ہیں اور جانتے ہی نہیں کہ شہوت کیا چیز ہے۔ لہٰذا صبر کا مرتبہ ان دونوں میں سے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا اور انسانوں میں چونکہ متضاد (ایک دوسرے کی ضد اور خلاف) صفتیں موجود ہیں یعنی خواہشات نفسانیہ بھی ہیں اور بھلا برا سمجھنے کا شعور اور عقل وفطرتِ سلیمہ بھی موجود ہے پس ایک کو مغلوب اور دوسرے کو غالب کرنا جسکا نام صبر ہے انسان ہی کیلئے مخصوص ہے۔

یاد رکھو کہ جب یہ دونوں حالتیں اپنا اپنا رنگ جمانا چاہتی ہیں تو اس وقت انسان کو عقل سے کام لینے اور انجام سوچنے کی ضرورت پڑتی ہے تا کہ دین کو غالب رکھ کر مقام صبر پر پہنچے اسکی مثال ایسی ہے جیسے مریض کو تلخ دوا دی جاتی ہے تو طالب لذتِ ذائقہ اور مزا تو چاہتا ہے کہ اسکو پاس نہ آنے دے اور عقل چاہتی ہے کہ اگرچہ اسکی تلخی ناگوار گزریگی مگر آنکھیں بند کر کے جبراً وقہراً پی لی جائے تا کہ شفا جلد حاصل ہو پس اگر عقل کو غلبہ ہوگا تو بے شک دوا کی تلخی پر صبر کیا جائیگا اسی طرح اگر دینی معاملہ میں عقل اور فطرتِ سلیمہ کو غلبہ ہوگا تو ضروری ہے کہ ریاضت اور مجاہدہ کی دشواریوں کو برداشت کیا جائے اور چونکہ ایمان نام ہے علم اور عمل کا اور عمل کی دو جانبیں ہیں جن میں بعض کا ذکر کرنا مقصود ہے اور بعض سے باز رہنا اسی طرح اخلاق اور عادات میں عادات

جنت میں بھیج دے گا تو اس سے جنت جیسی وسیع جگہ چھوٹی نہیں پڑ جائے گی اور اللہ کی رحمتِ کاملہ میں کچھ کمی نہیں آ جائے گی یہ بے چارہ کم عقل متحیر ہے اس پابند ہوا وہوس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مسلمان شخص کافروں کے ہاتھ میں قید ہو جائے اور کافر اس کو کبھی خنزیروں کے چرانے اور انکے کھلانے پلانے کی خدمت سپرد کر دیں اور کبھی اسکی گردن اور کمر پر شراب کے پیپے لدوا کر اپنے گھروں تک لیجائیں اور یہ اس ذلیل حالت کو ذلیل نہ سمجھے پھر بھلا اسکی نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے تم ہی بتلاؤ کہ اگر بادشاہ کی کسی پیاری اولاد کو پکڑ کر کسی ذلیل و بے عزت غلام کے حوالہ کر دیا جائے کہ وہ اس کو اپنا غلام بنائے پاؤں دبلوائے اور جو چاہے خدمت لیا کرے تو اس بے چارے شہزادے کا کیا حال ہو گا؟ اسی طرح اس غفلت شعار مسلمان کا حال ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے قرب پر دنیائے دنی کو ترجیح دی اور ہوائے نفسانی کا قیدی ہو گیا کہ توبہ اور توجہ الی اللہ (خدا کی طرف التفات) کا شوق بھی اسکے دل سے جاتا رہا۔ (نعوذ باللہ من ہذا الحال الردی) (ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس ردی حال سے)

صبر کا متوسط درجہ اور اس کی علامت

متوسط درجہ یہ ہے کہ خدائی لشکر اور شیطانی گروہ میں جنگ و جدال قائم رہے کہ کبھی اس کا پلہ بھاری ہو جائے اور کبھی اس کا پلہ نہ اسکو کامل شکست ہو اور نہ اس کو کھلی ہوئی فتح پس اس قسم کے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اعمال صالح کو بدکاریوں میں خلط کر رکھا ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر توجہ فرمائے۔"

اس کی علامت یہ ہے کہ ضعیف خواہشوں کو چھوڑ دے اور زور آور شہوات کو نہ چھوڑ سکے اور کبھی خواہشات کو چھوڑ دے اور کبھی ان کے ہاتھوں

عاجز آجائے مگر اپنے مغلوب ہونے پر حسرت وافسوس ضرور کرتا اور برابر اس کوشش میں لگا رہے کہ کسی طرح نفس پر قابو حاصل ہو جائے تو بہتر ہے اسکو جہاد اکبر (بڑی جنگ) کہا گیا ہے اور اس میں اسکو دیکھنا چاہیے کہ کہاں تک فتح حاصل کرنا ہے اگر مغلوب رہا اور قوت عقل کو غلبہ نہ دے سکا تو بالکل جانور کے برابر ہے بلکہ اس سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ اس میں تو عقل ہی نہیں اور اس میں باوجودیکہ عقل ہے مگر چوپایہ کی طرح اپنی خواہش نفس کے پورا کرنے میں مصروف ہے اور اگر غالب آگیا تو کام بن گیا۔

فصل

انسان تمام عمر ہر حالت میں صبر کا محتاج ہے کیونکہ دنیا میں دو ہی حالتیں ہیں یا اپنی مرضی کے موافق اور یا مخالف وناگوار

خوشحالی میں صبر کی ضرورت اور اس کی وجہ

پس اگر مرضی و منشاء کے موافق حالت ہے مثلاً تندرستی۔ تونگری۔ اولاد۔ عزت۔ جاہ سب کچھ حاصل ہے تب تو صبر کی نہایت ضرورت ہے کیونکہ اگر نفس کی باگ ڈور نہ تھامے گا تو یہ سرکش شرارت کریگا اور تنعم وتلذذ میں بے باکانہ قدم رکھے گا یعنی خواہشات کے پیچھے ہولے گا اور ابتداء وانتہا سب کچھ بھول جائے گا اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم تنگی اور فقر کے فتنہ میں مبتلا ہوئے تو صابر نکلے مگر فراخی و وسعت کے فتنہ میں مبتلا ہوئے تو صبر نہ کر سکے (یعنی نعمت کا پورا حق ادا نہ کر سکے)۔

فراخی میں صبر کرنے کے یہی معنی ہیں کہ قلب کا میلان اس دنیا کے

متاع کی جانب نہ ہو بلکہ یہ سمجھے کہ جو کچھ بھی مجھے اللہ کی سرکار سے عطا ہوا ہے وہ میرے پاس اللہ کی امانت ہے جو عنقریب مجھ سے واپس لے لیا جائے گا پس جب تک وہ میرے پاس ہے اس وقت تک مجھے شکر ادا کرنا چاہیے اور جب وہ چلی جائے تو رنجیدہ نہ ہونا چاہیے اور اگر خدانخواستہ غفلت اور اتباع ہوا میں مشغول ہوگیا تو غافل کہا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی خواہش کے مخالف حالت ہو اور اس کی چار قسمیں ہیں۔

طاعات پر صبر

پہلی قسم ان طاعات پر صبر کرنا ہے جن سے نفس گھبراتا اور بھاگتا ہے مثلاً محض کسل کی وجہ سے نماز پڑھنی ناگوار ہے اور بخل کی وجہ سے زکوٰۃ دینی گراں گزرتی ہے اور کسل و بخل دونوں کی وجہ سے حج اور جہاد کرنا دشوار ہے پس نفس پر جبر کرنا اور طاعات پر صبر کرنا اگرچہ کیسا ہی گراں گزرے مگر ضروری ہے کہ اس گرانی کا متحمل ہو اور نفس کو زیر کرے اور جب نفس مطیع ہوگیا تو پھر تین قسم کے صبر کا حکم ہوگا۔

عبادت کے شروع اور درمیان اور ختم پر صبر کرنا

اول عبادت کے شروع کرنے سے پہلے اخلاص پیدا کرنا۔ ریاء وغیرہ کا دور کرنا اور نفس کے مکر و فریب سے بچنا۔

دوم حالت عبادت میں صبر کرنا ضروری ہے تاکہ آداب و سنن و مستحبات کے ادا کرنے میں کسل و کاہلی نہ ہو اور عبادت میں اول سے آخر تک حضور قلب قائم رہے کہ شیطانی وساوس اور نفس کے خطرات (وسوسے) ایک لمحہ

کے لئے بھی پاس نہ آویں۔

سوم فراغت پانے کے بعد صبر کرنے کی جدا ضرورت ہے کہ ریاء وسمعہ (دکھاوا اور شہرت) کے طور پر اسکا اظہار اور لوگوں سے اپنی عبادت کا ذکر کرتا پھرے۔ غرض صبر کی ہر جگہ ضرورت ہے اور وہ ہر حالت میں نفس کو شاق گزرتا ہے۔

معصیت پر صبر کرنے کی ضرورت

دوسری قسم معاصی سے صبر کرنا ہے خاص کر ایسی معصیت سے جس کا کہ نفس عادی ہو رہا ہو اور اس کا مزہ پڑا ہوا ہو کیونکہ یہاں خدائی لشکر یعنی عقل ودین سے دو لشکروں کا مقابلہ ہو رہا ہے ایک شیطانی گروہ اور دوسرا اس کے ساتھ اس کے مددگار یعنی عادت کا لشکر اور پھر خصوصاً عادت بھی ایسی چیزوں کی جن کے حاصل کرنے میں سہولت ہو کہ ان میں خرچ کی بھی ضرورت نہیں مثلاً غیبت کرنا۔ جھوٹ بولنا۔ جھگڑا اور خودستائی وغیرہ کہ ان معصیتوں میں صرف زبان ہلانی پڑتی ہے پس ان سے بچنا اور صبر کرنا بڑے بہادر کا کام ہے۔

ایذاؤں پر صبر کرنے کی ضرورت

تیسری قسم ان چیزوں پر صبر کرنا ہے جو اگرچہ تمہاری اختیاری نہیں ہیں مگر ان کا تدارک اور تلافی تمہارے قبضہ میں ضرور ہے مثلاً کسی ایسے شخص سے ایذاء پہنچی جس سے تم انتقام لے سکتے ہو مگر اس پر صبر کرو اور انتقام نہ لو یہ صبر کرنا کسی وقت واجب ہے اور کسی وقت مستحب ہے چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک مسلمان ایذا پر صبر نہیں کرتا تھا ہم اس کا ایمان کامل نہیں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شان ہے کہ کافروں کی ایذائیں برداشت کرتے اور یوں کہتے کہ ہم ان تکلیفوں پر صبر کریں گے جو تم ہم کو پہنچاؤ گے۔

مصائب اور آفات پر صبر کرنا

چوتھی قسم وہ ہے جو بالکل غیر اختیاری ہو یعنی اس کی تلافی بھی اپنے اختیار میں نہ ہو جیسے کسی عزیز کے مرجانے یا مال کے برباد ہو جانے کی مصیبت یا کسی مرض و بیماری کا پیدا ہو جانا کسی عضو کا جاتے رہنا غرض تمام بلاؤں اور حوادث پر صبر کرنا چوتھی قسم میں داخل ہے اس کا بڑا درجہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں کسی بندہ کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ صبر کرتا ہے یعنی شکایت کا کلمہ زبان پر نہیں لاتا تو میں اس کا معاوضہ اس کو دیتا ہوں گوشت سے بہتر گوشت اور خون سے بہتر خون اگر تندرست کردیتا ہوں تو گناہ معاف کر کے تندرست کرتا ہوں اور وفات دیتا ہوں تو پاک صاف کر کے اپنی رحمت کے جوار (پڑوس۔ ہمسائیگی) میں لیتا ہوں غرض انسان کسی حالت میں صبر سے مستغنی نہیں ہے اور چونکہ صبر نصف ایمان ہے اور ایمان کا دوسرا نصف حصہ شکر ہے کیونکہ اسکو بھی تمام اعمال سے تعلق ہے اس لئے شکر کا بیان کرنا بھی مناسب ہے۔

*****

پانچویں اصل

شکر کا بیان

> شکر ہی مقصود بالذات ہے، خوف، توبہ، زُہد اور صبر وسیلہ مقصود ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اگر تم لوگ شکر کرو گے تو ہم تم کو زیادہ دیں گے۔'' رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کھانے والا شکر گزار بندہ روزہ دار صابر کے برابر ہے۔'' تم نے سنا ہوگا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک عبادت کرتے کرتے ورم کر آتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں گریہ وبکاء بہت فرماتے تھے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے ہیں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر گریہ وبکاء کیوں فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

واقعی شکر کا مرتبہ نہایت عالی اور صبر وخوف وزُہد اور تمام مذکورہ صفات سے بلند ہے۔ کیونکہ جن اوصاف کا ذکر ہو چکا ہے ان میں سے کوئی صفت بھی مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ سب مقصود بالغیر ہیں چنانچہ!

صبر تو اس لئے مقصود ہے کہ ہوائے نفس کا قلع قمع ہو جائے۔

خوف اس لئے مطلوب ہے کہ کوڑے کا کام دے کر مقام مقصود

تک پہنچا دے۔

زُھد بے مقصود ان تعلقات سے بھاگنا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے توجہ کر رکھا ہے۔

شکر ایسی صفت ہے جو خود مقصود بالذات ہے اور فی نفسہٖ مطلوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ شکر کا وجود جنت میں بھی ہوگا تو بہ وخوف اور زہد وصبر کی وہاں حاجت نہیں ہے اور شکر وہاں کی نعمتوں پر بندے ضرور ادا کریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اہل جنت کا آخری قول ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' ہوگا۔ شکر ادا کرنے کے لیے شکر کی ماہیت معلوم ہونی ضروری ہے یعنی اول علم ہونا چاہیے کہ شکر کیا چیز ہے؟ اور جب یہ معلوم ہوگا تو ایک حالت خاص پیدا ہوگی اور پھر اس حالت خاص کے بعد عمل متفرع ہوگا۔

شکر کے تین رکن ہیں جن کو ہم علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

شکر کا رکن اول یعنی حال اور عمل

پہلا رکن: علم یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا نیز یہ سمجھنا کہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی مرحمت فرماتا ہے اور جس قدر اسباب اور واسطے اس نعمت کے ہم تک پہنچنے میں پیش آئے ہیں وہ سب اللہ پاک ہی کے قبضہ میں ہیں کہ اس کے حکم کے بغیر نہ کوئی ذرہ حرکت کرسکتا ہے اور نہ کوئی چیز کسی کو مل سکتی ہے اور اس کے سمجھنے سے دو باتیں پیدا ہوں گی ایک منعم سے خوش ہونا دوم اس کی خدمت گذاری اور امتثال امر میں سرگرمی کرنا۔ ان ہی دو حالتوں کا نام حال اور عمل ہے۔

شکر کا دوسرا رکن یعنی حال کہ نعمت کے آلہ طاعت ہونے پر خوشی ہو

دوسرا رکن حال یعنی منعم کی اس نعمت پر اس وجہ سے خوش ہونا کہ منعم کا عطیہ ہے اور خضوع

وتذلل کی ہیئت ظاہر کرنا کیونکہ بادشاہ اگر کسی غلام کو گھوڑا بھیجے تو اس کی خوشی تین وجہ سے ہوتی ہے۔

اول اس وجہ سے کہ کام کی چیز ہاتھ آ گئی کہ گھوڑے پر سوار ہو کر بیسیوں ضرورتیں رفع ہوں گی۔

دوم اس وجہ سے کہ یہ عطیہ بتلا رہا ہے کہ بادشاہ کی اس غلام پر توجہ اور عنایت ہے جس سے آئندہ کسی بڑی اور اس سے بھی زیادہ مفید نعمت کے ہاتھ آنے کی امید ہے۔

سوم اس وجہ سے گھوڑا اس کی سواری بنے گا اور اس پر سوار ہو کر اپنے منعم آقا کے حضور میں حاضر ہو کر شاہی خدمت بجا لاسکے گا ان میں پہلی وجہ تو کوئی چیز ہی نہیں ہے اور دوسری وجہ شکر میں داخل ضرور ہے مگر ضعیف ہے البتہ تیسری وجہ شکر کا درجۂ کمال ہے کیونکہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ مرحمت فرمادے اس پر اس وجہ سے خوش ہونا کہ یہ چیز کوئی کارآمد چیز ہے ٹھیک نہیں ہے کیونکہ شکر کے یہ معنی ہیں کہ اس پر اس وجہ سے خوش ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ ایسی نعمت پر خوشی نہ پیدا ہو سکے جس کے سبب اللہ سے غفلت پیدا ہو جائے اور ذکر الٰہی بھول جائے بلکہ ایسی حالت پر رنجیدہ ہو ہاں جس نعمت کے ذریعہ سے دنیاوی تفکرات رفع ہوں اور اطمینان قلب نصیب ہو یعنی اللہ کی یاد میں اعانت حاصل ہو اس پر خوشی و مسرت ہونی چاہیے پس جو شخص شکر کا یہ درجہ کمال حاصل نہ کر سکے تو خیر وہ دوسرا ہی درجہ حاصل کرے باقی پہلے درجہ کو تو شکر سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔

> **تیسرا رکن یعنی عمل اور ہر نعمت کا طاعت خدا میں استعمال**

تیسرا رکن عمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس کی رضا مندی رکھنے میں استعمال کرنا اور یہ

اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ مخلوق کی پیدائش کے اغراض ومقاصد اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ کیا کیا چیز کس کس کام کے لئے پیدا ہوئی ہے مثلاً آنکھ اللہ کی ایک نعمت ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو اللہ کی کتاب قرآن مجید اور علم دین کی کتابوں کے دیکھنے اور آسمان وزمین جیسی بڑی مخلوق کے اس غرض سے مشاہدہ کرنے میں صرف کرے کہ عبرت حاصل ہو اور خالق برتر کی عظمت و کبریائی سے آگاہی حاصل ہو نیز ستر کے دیکھنے اور عورت پر نظر ڈالنے سے اس کو روکے رکھے اس طرح کان ایک نعمت ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو ذکر الٰہی اور ان باتوں کے سننے میں استعمال کرے جو آخرت میں نفع دیں اور بیہودہ لغو اور فضول کلام سننے سے روکے زبان کو یاد خدا اور حمد وثنا اور اظہار شکر میں مشغول رکھے اور تنگ دستی یا تکلیف میں شکوہ یا شکایت سے باز رکھے کہ اگر کوئی حال بھی پوچھے تو شکایت کا کلمہ نہ نکلنے پاوے کیونکہ شاہنشاہ کی شکایت ایسے ذلیل و بے بس غلام کے سامنے زبان سے نکلنی جو کچھ بھی نہیں کر سکتا بالکل فضول معصیت میں داخل ہے اور اگر شکر کا کلمہ زبان سے نکل گیا تو طاعت میں شمار ہوگا قلب کا شکر یہ ہے کہ اس کو فکر و ذکر اور معرفت و اخلاص میں استعمال کرے اوصاف حمیدہ سے اس کو آراستہ کرے اور خصائل رذیلہ سے پاک وصاف رکھے غرض ہاتھ پاؤں تمام اعضاء اور مال ومتاع وعزت و جاہ سب کا شکر یہی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں مشغول رکھا جائے۔

فصل

کفران نعمت کا ادراک باتباع سنت

درحقیقت کمال درجہ کا شکر تو وہی بندے ادا کر سکتے ہیں جن کا شرح صدر ہو چکا ہو اور جن کے قلوب کے اندر اللہ تعالیٰ نے حکمت و

معرفت کا نور بھر دیا ہے کہ وہ ہر چیز کے رموز اور اسرار سے واقف ہیں اور ہر شئے میں اپنے محبوب کا جلوہ دیکھتے ہیں اور جس کو یہ درجہ حاصل نہ ہو اس کو سنت کا اتباع اور حدود شریعت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے یعنی اس کو اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اگر مثلاً کسی نامحرم پر نظر ڈالی تو آنکھ کی نعمت کا کفران ہوا اور نیز آفتاب اور تمام ان نعمتوں کی ناشکری ہوئی جن کو بصارت میں دخل ہے اور جن کے بغیر کچھ نظر نہیں آسکتا کیونکہ آنکھ کے بغیر بینائی کام نہیں دے سکتی اور آفتاب کے بغیر آنکھ بے کار ہے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ اندھیرے میں آنکھ کچھ بھی کام نہیں دے سکتی اور آفتاب اپنے وجود میں آسمان کا محتاج ہے۔ پس آنکھ کی بدنظری کی ایک معصیت سے گویا آسمان و زمین سب کا کفران نعمت ہو گیا۔

> شریعت نے جن کو معصیت و حرام کہا ہے وہ درحقیقت کفران نعمت ہی ہے

یہی حال تمام معصیتوں کا ہے کیونکہ تمام نعمتوں کا باہم تعلق واسطہ ہے اور ایک کو دوسرے سے اور دوسرے کو تیسرے سے ایسا علاقہ ہے جو ذرا غور کرنے سے سمجھ میں آسکتا ہے یہاں سمجھانے کے لئے ایک مثال بیان کیے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے روپیہ اشرفی یعنی ثمن نقد کو بمنزلہ حاکم بنایا ہے کہ اس کے ذریعہ سے تمام اموال کی قیمت قرار پائے اور اشیائے مختلفہ کے ارزاں و گراں ہونے کا باہمی فرق و امتیاز ظاہر ہو پس اگر ثمن نقد (قیمت مراد سکہ) یعنی چاندی و سونا نہ ہو تو کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے کہ کپڑا زعفران کے بدلے کیونکر خریدا جائے اور اناج گھوڑے کے عوض کس طرح فروخت کیا جائے اس لئے کہ ان میں باہم کوئی مناسبت نہیں ہے اگر ہے تو صرف یہی ہے کہ نفس مالیت دونوں میں مشترک ہے یعنی ثمنیت اور نقدی جس کو چاندی سونا کہتے ہیں کم و

بیش دونوں میں پائی جاتی ہے اور یہی تمام چیزوں کی مقدار کا معیار (کسوٹی) ہے
پس اگر کپڑا ایک روپے گز ہے اور زعفران پچاس روپے تولہ کی تو اس سے
اندازہ ہو گیا کہ پچاس گز کپڑے کے بدلے تولہ بھر زعفران خریدنی چاہیے اور
پچاس گز کپڑا تولہ بھر زعفران کے مساوی ہے غرض یہ ثمن ونقدی نہ ہو تو جملہ
معاملات میں ردو بدل ہو جائے اور جملہ اشیاء میں گڑ بڑ مچ جائے اس لئے اگر
کسی شخص نے اس کو اکٹھا کر کے زمین میں گاڑ دیا یا خزانہ بنا کر مقفل کر دیا تو
گویا حاکم کو مسند سے اتار کر محض بے کار بنا دیا اور مقید کر لیا اور جس شخص نے اس
کے برتن بنا لیے مثلاً پانی پینے کا گلاس اور سالن اتارنے کی رکابی تو گویا حاکم کو
جولاہے اور کاشت کار کے کام میں لگا دیا حالانکہ یہ اوسط درجے کا کام دوسرے
ادنیٰ درجے کے خدمت گزار بھی کر سکتے تھے پس یہ سزا قید سے بھی زیادہ سخت
ہوئی اور جس شخص نے سود لینا شروع کر دیا اور روپیہ اشرفی کے لین دین کو مالی
ترقی اور تکثیر مال کا ذریعہ بنا لیا کہ صراف کے ذریعہ سے چاندی سونے کی ذات کو
مقصد تجارت ٹھہرا لیا تو اس نے گویا حاکم کو اپنا غلام بنا لیا تاکہ وہ گھاس کاٹ کر
لایا کرے اور جھاڑو دے دیا کرے حالانکہ یہ سب صورتیں صریح ظلم ہیں اور
حکمت خداوندی میں تغیر وتبدل کا پیدا کرنا ہے گویا حق تعالیٰ سے عداوت ہے
جس کی بنا پر محاربہ وجنگ کا پیام دیا گیا غرض جس شخص کو نور معرفت حاصل نہیں
اور یہ رموز اس کو نظر نہیں آتے تو وہ شریعت کی زبان سے صورت تو سمجھ ہی لے گا
اگرچہ معنی نہ سمجھے پس اس کو احکام شرعی سنائے جائیں گے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے کہ جو لوگ چاندی اور سونے کا خزانہ بناتے اور جوڑ جوڑ کر رکھتے
ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو قیامت کے دن جمع کیے ہوئے مال
سے ان کے منہ اور پٹھوں پر داغ دیئے جائیں گے اور رسول مقبول صلی اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص نے چاندی یا سونے کے برتن میں پیا گویا وہ اپنے پیٹ میں آگ کے گھونٹ اتار رہا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ'' جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ تو قیامت کے دن قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسے آسیب زدہ۔''

ان آیات واحادیث سے معلوم ہو گیا کہ اموال اور اشیائے عالم کے حاکم یعنی زر نقد کا جمع کرنا اور برتن بنانے اور سود پر چلانے یعنی صرافہ کرنا تینوں حرام اور خلاف مقتضائے حکمت خداوندی ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ اہل بصیرت ان رموز و اسرار سے چونکہ واقف ہوتے ہیں لہٰذا ان کا علم دلائل اور احکام شرعیہ سے دوبالا ہو کر ''نور علیٰ نور'' کا مصداق بن جاتا ہے اور نیکوکار مسلمان جو ان اسرار تک نہیں پہنچ سکتے ہیں وہ حدود شرعیہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور جو لوگ اندھے اور جاہل ہیں وہ دونوں ہی سے محروم رہتے ہیں سو ایسے ہی لوگوں سے جہنم بھری جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ'' اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر نازل ہوئے احکام سو جو شخص حق سمجھتا ہے وہ اور راہ مستقیم سے اندھا کیا برابر ہو سکتے ہیں دوسری جگہ فرماتا ہے کہ جس نے میری نصیحت سے اعراض کیا اس کو تنگ معیشت ملے گی اور قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا تب وہ پوچھے گا کہ مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہم جواب دیں گے کہ ہماری نشانیاں تجھ تک پہنچی تھیں پس تو نے ان کو بھلا دیا تھا سو آج ہم بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیں گے'' اور نشانیوں سے مراد یہی حکمت و مصلحت اور رموز ہیں جو ہر چیز کے پیدا کرنے میں ملحوظ ہیں اور جن پر انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے لوگوں کو مطلع کر دیا گیا کہ ہر زمانے میں حاملان شریعت علماء و فقہاء ان کو مفصل بیان کرتے رہے۔

پس یاد رکھو کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس میں حکمت اور رمز وخاصیت نہ ہو۔ پس جو شخص ان کو سمجھ جاتا ہے وہ تو سمجھ جاتا ہے اور جو نہیں سمجھتا وہ ان کا انکار کرنے لگتا ہے اور یہ انکار کرنا شکر کے خلاف ہے۔ اور چونکہ شکر کا کامل درجہ وہی حاصل کرسکتا ہے جس میں سچا اخلاص ہو اور کسی عمل میں ماسوی اللہ کی نیت کا شائبہ بھی نہ ہو لہٰذا مناسب ہے کہ اخلاص اور صدق کا ذکر کردیں۔

*****

چھٹی اصل

اخلاص اور صدق کا بیان

اخلاص کی اصل مسلمان کی نیت ہے کیونکہ نیت ہی میں اخلاص ہوا کرتا ہے اور اخلاص کا کمال صدق ہے اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت میں کسی شے کی آمیزش نہ ہو اس لئے ان تینوں رکنوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

اخلاص کا پہلا رکن یعنی نیت اور اللہ کے واسطے عمل

رکن اول ''**نیت**'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ '' اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے پاس سے ان کو علیحدہ نہ کرو جو صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں درآنحالیکہ اسی کی ذات کو چاہتے ہیں'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ عمل سے اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود ہو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ '' اعمال کا مدار نیت پر ہے'' کچھ لوگوں کے صحیفہ اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان کو پھینک دو کیونکہ ان اعمال سے اس شخص کو میری ذات مقصود نہ تھی اور کچھ بندوں کا نامۂ اعمال پیش ہوگا تو حکم ہوگا کہ فلاں فلاں عمل اور درج کردو فرشتے عرض کریں گے کہ بارالہا وہ اعمال تو اس نے کیے ہی نہیں تھے حکم ہوگا کہ ان اعمال کی اس نے نیت تو کی تھی اور اس کا ہم کو علم ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا اور علم بھی دیا اور بہ مقتضائے علم اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے دوسرا وہ جو اس شخص کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی مال اور علم مرحمت فرمائے تو میں

چھٹی اصل

اخلاص اور صدق کا بیان

اخلاص کی اصل مسلمان کی نیت ہے کیونکہ نیت ہی میں اخلاص ہوا کرتا ہے اور اخلاص کا کمال صدق ہے اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت میں کسی شے کی آمیزش نہ ہو اس لئے ان تینوں رکنوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

اخلاص کا پہلا رکن یعنی نیت اور اللہ کے واسطے عمل

رکن اول "**نیت**" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے پاس سے ان کو علیحدہ نہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں درآنحالیکہ اسی کی ذات کو چاہتے ہیں" اس آیت سے معلوم ہوا کہ عمل سے اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود ہو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اعمال کا مدار نیت پر ہے" کچھ لوگوں کے صحیفہ اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان کو پھینک دو کیونکہ ان اعمال سے اس شخص کو میری ذات مقصود نہ تھی اور کچھ بندوں کا نامۂ اعمال پیش ہوگا تو حکم ہوگا کہ فلاں فلاں عمل اور درج کر دو فرشتے عرض کریں گے کہ بار الہا وہ اعمال تو اس نے کئے ہی نہیں تھے حکم ہوگا کہ ان اعمال کی اس نے نیت تو کی تھی اور اس کا ہم کو علم ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا اور علم بھی دیا اور یہ مقتضائے علم اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے دوسرا وہ جو اس شخص کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی مال اور علم مرحمت فرمائے تو میں

بھی اسی طرح خیرات کروں یہ دونوں شخص اجر میں مساوی ہیں تیسرا وہ شخص جس کو صرف مال عطا ہوا اور علم عطا نہیں ہوا اور یہ شخص جہالت کے سبب گڑ بڑ مچاتا اور فضول و بے جا مال اڑا رہا ہے اور چوتھا وہ شخص ہے جو اس کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر مجھ کو مال مل جائے تو میں بھی اسی طرح مزے اڑاؤں اور عیش کروں پس یہ دونوں شخص گناہ میں مساوی اور برابر ہیں۔

نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا قصہ ہے کہ قحط سالی میں ریت کے ٹیلے پر اس کا گذر ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ ریت کا ٹیلہ اناج بن جائے تو میں اس کو لوگوں میں تقسیم کر دوں اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی پر وحی بھیجی کہ اس شخص سے کہدو کہ اللہ نے تمہاری خیرات قبول کی اور نیک نیتی کی قدر فرمائی اور اسی قدر ثواب عطا کیا جتنا ٹیلہ کی مقدار اناج کے مساکین پر خیرات کر دینے میں ملتا خوب سمجھ لو کہ نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص عورت سے کسی مقدار مہر پہ نکاح کرے اور اس کے ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو تو یہ نکاح نہیں بلکہ زنا ہے اور جو شخص کسی سے قرض لے کر اس کے دینے کا قصد نہ ہو تو یہ قرض نہیں بلکہ سرقہ اور چوری ہے۔

نیت کی ماہیت اور حقیقت

نیت کے معنی ارادہ اور قصد کے ہیں کہ جس سے کسی کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ہر کام کے لئے اول علم کی ضرورت ہوتی ہے اور علم کے بعد اس کے عمل میں لانے کا قصد و ارادہ ہوتا ہے اور اس کے بعد ہاتھ پاؤں ہلانے اور اس کام کے کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے گویا قدرت قصد و

ارادہ کی خادمہ ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ تمہارے اندر کھانے کی خواہش رکھی ہوئی ہے مگر وہ ایسی دبی ہوئی ہے کہ جیسے کوئی سویا ہوتا ہے اور جس وقت تمہاری نظر کھانے پر پڑی اور طعام کا علم ہوا اسی وقت جاگ اٹھی اور اس کے کھانے کا قصد ہوا اس کے بعد اس کی طرف ہاتھ بڑھے گا اور وہ قوت اپنا کام کرے گی جو خواہش طعام کے اشارے کی مطیع بنائی گئی ہے غرض آنکھ کے مشاہدے سے معرفت وعلم حاصل ہوگا اور معرفت کی وجہ سے خواہش بیدار ہوگی اور قصد پیدا ہوگا اور یہ قصد خداداد قوت کے ذریعہ سے ہاتھ کو حرکت دلائے گا اور کھانا کھلائے گا۔

اسی طرح تمہارے اندر ان لذتوں کی بھی خواہش رکھی ہوئی ہے جو تم کو آخرت میں ملنے والی ہیں اور جن کا علم عقل اور شرع کے ذریعہ سے ہوا ہے اور قدرت چونکہ اس خواہش و میلان کی بھی خادم ہے لہٰذا وہ اعضاء کو حرکت دے گی اور خواہش کو پورا کرے گی پس وہی عزم اور پختہ میلان جس نے وقت پر ہاتھ پاؤں ہلانے پر آمادہ کیا نیت کہلاتا ہے مثلاً جہاد میں جانے والا شخص اپنے گھر سے نکلا تو دیکھو کہ اس کو گھر سے باہر نکالنے والا باعث ومحرک کیا چیز ہے یعنی اگر ثواب آخرت ہے تو بس یہی اس کی نیت ہے اور اگر اس کا باعث مال غنیمت یا شہرت ونیک نامی کو حاصل کرنا ہے تو اسی کو اس کی نیت کہا جائے گا۔

فصل

نیت کے متعدد ہونے سے ایک عمل پر متعدد اعمال کا ثواب ملتا ہے

جب نیت کی فضیلت اور ضرورت اور تاثیر تم کو معلوم ہو گئی تو اب

ایک ایک عمل میں کئی کئی ثواب اللہ تعالیٰ سے لینے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک ایک عمل میں کئی کئی نیتیں ہوں مثال کے لئے ایک صورت بیان کیے دیتے ہیں مثلاً مسجد میں جانا اور بیٹھنا ایک عبادت ہے مگر اس میں سات کاموں کی نیت ہوسکتی ہے۔

اول یہ سمجھنا کہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور یہاں آنے والا شخص گویا اللہ کی زیارت کو آتا ہے پس آتے وقت تم یہی نیت کرو کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں آیا وہ اللہ کی زیارت کو آیا ہے اور چونکہ زیارت کو آنے والے شخص کی عزت ہوا کرتی ہے لہٰذا حق تعالیٰ اپنے زائر کا جتنا اکرام فرمائے گا اس کو تم خود سمجھ سکتے ہو کہ کیا کچھ ہوگا۔

دوم مرابطہ (یعنی ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا) یعنی نماز کے انتظار کی نیت کرو کہ حق خداوندی کی محافظت کے لئے اپنے آپ کو محبوس (قیدی) بنائے ہوئے گویا وقف کیے ہوئے ہو پس اللہ تعالیٰ کے حکم وَرَابِطُوا (اور لگے رہو) کی تعمیل ہوگی اور اس کا اجر جداگانہ ملے گا۔

سوم اعتکاف کی نیت کرو اور اعتکاف کے معنی یہ ہیں کہ آنکھ کان زبان ہاتھ پاؤں وغیرہ تمام اعضاء کو ان کی معمولی اور معتاد (عامیانہ) حرکتوں سے روک لیا جائے اور یہ بھی ایک قسم کا روزہ ہے جہاں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کی رہبانیت یہی ہے کہ وہ مساجد میں آ بیٹھیں۔

چہارم خلوت کی نیت کرو کہ مشاغل مرتفع (دور) ہونے سے فکر آخرت کی استعداد پیدا ہو اور ذکر الٰہی کے سننے اور سنانے کے لئے تجرد و عزلت (گوشہ نشینی) حاصل ہو دیکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد کی جانب اس لئے روانہ ہو کہ اللہ کا ذکر کرے یا سنے تو وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے

والے کی مثل ہے۔ ٭

پنجم اس کی نیت کرو کہ جو لوگ بے نمازی ہیں ان کو تنبہ ہوگا اور نماز کو بھولے ہوئے لوگ بھی تمہاری دیکھا دیکھی نماز کو اٹھ کھڑے ہوں گے پس تمہارا نماز کو جانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بن جائے گا کہ کارِ خیر کی ترغیب دی اور معصیت سے روکا اس وجہ سے انکے ثواب میں تم بھی شریک ہوئے۔

ششم مسجد میں جانے سے دوسرے مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ اخروی فائدہ حاصل ہوگا جو تمہارے لئے دارِ آخرت کا ذخیرہ بنے گا۔

ہفتم اللہ کے گھر میں بیٹھو گے تو کچھ حیا و شرم آئے گی اور گناہ کی جرأت کم ہو جائے گی کہ حاکم کی یادداشت (ہر وقت خیال رکھنا) اس کی مخالفت سے روکا کرتی ہے لہٰذا اسکی بھی نیت کرو۔

غرض اسی طرح ہر عمل میں کئی کئی نیتیں ہو سکتی ہیں جنکی بدولت گنتی کے چند اعمال تمہارے حق میں ہزاروں نیکیاں بنیں گے اور حضرات مقربین کے اعمال کے ساتھ شامل ہو جاؤ گے۔

ایک معصیت بھی متعدد نیتوں سے کئی معصیتیں بن جاتی ہیں

اسی طرح یہ بھی یاد رکھو کہ عمل میں معصیت کی نیت کرنے سے ایک گناہ کئی کئی گناہ بن کر شیطان کے اعمال کے مساوی ہو جاتا ہے مثلاً مسجد میں آکر بیٹھنے سے فضول باتیں بنانی مقصود ہوں۔ یا مسلمانوں کی ہتک و آبرو ریزی اور ہنسی مذاق اڑانے کی نیت ہو یا ان عورتوں و

٭ یہ قول ابن ماجہ میں ہے طبرانی کی حدیث میں بجائے ذکر کرنے کے نیکی سیکھے یا سکھائے تو کامل حج کا ثواب ہے۔

بے ریش لڑکوں کا نظارہ مقصود ہو جو نماز کے لئے آئے ہیں یا تفاخر اور مناظرہ یا زبان درازی سے اپنے حریف کو ساکت کر کے حاضرین مسجد کے دلوں میں اپنی وقعت پیدا کرنی مقصود ہو یا اور کسی برے کام کی نیت ہو تو یہی ایک فعل کئی گناہوں کا مجموعہ ہو جائے گا۔

لہٰذا مناسب ہے کہ مباح کام کے اندر بھی اچھی نیت کر لینے سے غفلت نہ کی جائے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن بندہ سے اس کے ہر کام کی باز پرس ہوگی حتیٰ کہ آنکھ میں سرمہ لگانے اور کسی کپڑے کو چھونے اور انگلیوں سے مٹی کریدنے تک کا سوال ہوگا کہ کیوں کیا تھا۔

اور مباح کام میں نیت کرنے کی یہ صورت ہے مثلاً کہ جمعہ کے دن اگر خوشبو لگائی تو یہ نیت ہوگی کہ اپنی ثروت و تونگری ظاہر ہو یا یہ مقصد ہوگا کہ خوشبو سے نفس کو لذت حاصل ہوگی یا یہ ہوگا کہ اس طرح بن سنور کر جاؤں گا تو عورتیں میری گرویدہ ہوں گی اور یہ سب نیتیں لغو معصیت ہیں۔

اسی طرح ممکن ہے کہ نیت ہو کہ جمعہ کے دن خوشبو لگانا سنت کا اتباع یعنی جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتداء ہے اور اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعظیم ہے اور جمعہ کے دن کا احترام ہے اور مسلمانوں کو بدبو کی ایذاء سے بچانا اور بوئے خوش سے ان کو راحت پہنچانا اور غیبت کے دروازے کا بند کرنا ہے کہ لوگ بدبو سونگھیں گے تو وہ دوسروں سے غیبت کرتے پھریں گے کہ فلاں شخص کے کپڑوں سے بڑی بدبو آتی تھی۔

انہی دونوں طریقوں کی جانب حدیث میں اشارہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے واسطے خوشبو لگائی وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ مشک سے زیادہ خوشبو اس سے مہکے

بے ریش لڑکوں کا نظارہ مقصود ہو جو نماز کے لئے آتے ہیں یا تفاخر اور مناظرہ یا زبان درازی سے اپنے حریف کو ساکت کر کے حاضرین مسجد کے دلوں میں اپنی وقعت پیدا کرنی مقصود ہو یا اور کسی برے کام کی نیت ہو تو یہی ایک فعل کئی گناہوں کا مجموعہ ہو جائے گا۔

لہٰذا مناسب ہے کہ مباح کام کے اندر بھی اچھی نیت کر لینے سے غفلت نہ کی جائے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن بندہ سے اس کے ہر کام کی باز پرس ہوگی حتیٰ کہ آنکھ میں سرمہ لگانے اور کسی کپڑے کو چھونے اور انگلیوں سے مٹی کریدنے تک کا سوال ہوگا کہ کیوں کیا تھا۔

اور مباح کام میں نیت کرنے کی یہ صورت ہے مثلاً کہ جمعہ کے دن اگر خوشبو لگائی تو یہ نیت ہوگی کہ اپنی ثروت و تونگری ظاہر ہو یا یہ مقصد ہوگا کہ خوشبو سے نفس کو لذت حاصل ہوگی یا یہ ہوگا کہ اس طرح بن سنور کر جاؤں گا تو عورتیں میری گرویدہ ہوں گی اور یہ سب نیتیں لغو معصیت ہیں۔

اسی طرح ممکن ہے کہ نیت ہو کہ جمعہ کے دن خوشبو لگانا سنت کا اتباع یعنی جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتداء ہے اور اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعظیم ہے اور جمعہ کے دن کا احترام ہے اور مسلمانوں کو بدبو کی ایذاء سے بچانا اور بوئے خوش سے ان کو راحت پہنچانا اور غیبت کے دروازے کا بند کرنا ہے کہ لوگ بدبو سونگھیں گے تو وہ دوسروں سے غیبت کرتے پھریں گے کہ فلاں شخص کے کپڑوں سے بڑی بدبو آتی تھی۔

انہی دونوں طریقوں کی جانب حدیث میں اشارہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے واسطے خوشبو لگائی وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ مشک سے زیادہ خوشبو اس سے مہکے

گی اور جو اللہ کے سوا کسی دوسری غرض سے خوشبو لگائے گا وہ ایسی حالت پر اٹھے گا کہ مردار سے زیادہ بدبو پھوٹے گی۔

نیت کا رکن دوم اخلاص ہے

رکن دوم "**اخلاص**" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "لوگوں کو اسی کا حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں مخلص بن کر اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں جنہوں نے توبہ کی اور اپنی حالت سنواری اور اللہ کو مضبوط تھاما اور اپنے دین میں اللہ کے واسطے اخلاص کیا"۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص نے چالیس دن اخلاص کے ساتھ کوئی نیک عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب سے زبان پر حکمت کے چشمے بہا دے گا۔

اخلاص کی ماہیت

اخلاص کے معنی صرف یہ ہیں کہ نیت صرف ایک ہی شئے کی ہو یعنی عمل کا محرک یا صرف ریاء ہو اور یا محض رضائے حق۔ ان دونوں پر اخلاص کے لغوی معنی صادق آتے ہیں کیونکہ خالص اسی شئے کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری جنس کی آمیزش نہ ہو مگر اصطلاح شرع میں اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ محض اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود ہو کیونکہ ماسویٰ کی جانب میلان اور قصد کرنے پر شرعاً اخلاص کا اطلاق نہیں ہوتا جس طرح الحاد کے معنی مطلق میلان کے ہیں خواہ بھلائی کی جانب ہو یا برائی کی طرف۔ مگر شرعاً صرف باطل کی جانب مائل ہونے کا نام الحاد ہے اسی طرح عبادت سے مقصود اگر محض عبادت ہے تب تو اخلاص کہلائے گا اور اگر اس میں ریاء اور دکھاوے کی آمیزش ہے یا عبادت کے ضمن میں دنیا کے کسی فائدہ کا بھی ارادہ شامل ہے تو اس کو اخلاص نہیں کہیں گے۔

مثلاً روزہ رکھنے سے مقصود یہ بھی ہو کہ روزہ رکھنا عبادت ہے اور یہ بھی مقصود ہو کہ کھانے پینے کا پرہیز کرنے سے بیماری کو بھی نفع ہوگا پس ایک کام میں دو نیتیں شامل ہوئیں تو اس کو اخلاص نہ کہیں گے یا مثلاً غلام کے آزاد کرنے سے یہ بھی مقصود ہو کہ یہ عبادت ہے اور یہ بھی مقصود ہو کہ اس طرح کھانے کپڑے کے بوجھ سے سبکدوش ہو جائیں گے یا مثلاً حج سے یہ بھی مقصود ہو کہ وہ نیک کام اور عند اللہ محبوب ہے اور یہ بھی نیت ہو کہ حج کرنے سے سفر میں حرکت ہوگی اور حرکت سے مزاج صحت اعتدال پر آجائے گا یا اہل وعیال کے بارے چند روز کے لیے خلاصی مل جائے گی یا دشمنوں کی ایذاؤں سے کچھ دنوں کے لئے نجات حاصل ہوگی یا ایک جگہ رہتے رہتے دل اکتا گیا ہے پس سفر میں دل بھی بہل جائے گا یا مثلاً وضو کیا مگر اس نیت سے کہ لطافت حاصل ہو اور بدن کا میل کچیل دور ہو جائے یا مثلاً اعتکاف کیا تاکہ گھر کے کرایہ سے سبکدوش ہو یا کسی بیمار کی عیادت کی مگر اس نیت سے کہ تمہارے بیمار ہونے پر وہ تمہاری عیادت کو آئے یا مثلاً فقیر کو اس نیت سے کچھ دیا کہ وہ غل مچا رہا تھا پس اس کا شور رفع ہو جائے گا وغیرہ ذلک یہ سب خیالات اخلاص کے منافی ہیں اور ان کا رفع ہونا دشوار ہے۔ اس لئے بعض اہل بصیرت کا قول ہے کہ اگر ایک ساعت بھی اخلاص حاصل ہو جائے تو نجات مل جائے۔

حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "مبارک ہو اس کو جس کا ایک قدم بھی ایسا اٹھا جس سے مقصود اللہ ہی کی ذات ہو"۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نفس کو مارتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اے نفس اخلاص پیدا کر تاکہ خلاصی حاصل ہو۔

مگر ہاں یہ ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ ان تینوں کی آمیزش کئی طرح پر ہوا

کرتی ہے یعنی کبھی تو یہ نیتیں عبادت کی نیت پر غالب ہو جایا کرتی ہیں اور کبھی مغلوب رہتی ہیں اور کبھی مساوی ہوتی ہیں پس اگر مباح کاموں کے اندر رضائے اللہ تعالیٰ شانہٗ کا قصد کچھ بھی شامل ہو جائے گا تو اس کا بھی ثواب ضرور ملے گا مگر عبادت کے اندر اخلاص کا حکم ہے لہٰذا یہاں عبادت کی نیت کے ساتھ اگر دوسرے مقصود کی کچھ بھی آمیزش ہوگی تو اخلاص باطل ہو جائے گا اور اگر وہ آمیزش غالب ہے اور قصد عبادت مغلوب ہے تب تو عبادت بالکل ہی باطل اور بیکار ہے۔

نیت کا سوم رکن صدق ہے

رکن سوم "**صدق**" یہی اخلاص کا کمال ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے بندے وہ ہیں جو اپنے عہد میں سچے ثابت ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان سچ بولتا اور اسی کا جویا بنا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے یہاں صدیق لکھا جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت اللہ تعالیٰ نے صدیق فرمائی ہے اور صدق کی فضیلت اسی سے ظاہر ہے کہ یہ صدیقین کا درجہ ہے

صدق کے چھ درجے ہیں اور جو شخص چھیوں میں کمال حاصل کرتا ہے۔ وہ صدیق کے خطاب کا سزاوار ہوتا ہے صدق کی درجے حسب ذیل ہیں۔

صدقِ قولی اور اس کا کمال

پہلا درجہ قولی صدق کا ہے کہ ہر حالت میں سچ بولے اور اس کے کمال دو ہیں۔

اول کمال یہ ہے تعریض سے پرہیز کرے کیونکہ تعریض اگرچہ سچ ہی میں داخل ہے مگر پھر بھی سننے والا اس سے خلاف واقع مضمون

سمجھ سکتا ہے لہذا اس سے بھی احتراز کرے کیونکہ جھوٹ بولنے کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے قلب کی صورت میں کجی آتی ہے اور وہ حق کی تجلی کے قابل نہیں رہتا چنانچہ ایسے شخص کو خواب بھی سچا نظر نہیں آتا اور تعریض کا اگر چہ یہ ثمرہ نہیں ہوتا تاہم اس کی صورت چونکہ جھوٹ کے مشابہ ہے اس لئے اندیشہ ضرور ہے پس صدیق کی شان کے مناسب یہی ہے کہ بلا ضرورت خاص دوسرے کو تعریض کے ذریعہ سے بھی واقع کے خلاف امر کا دھوکا نہ دے۔

دوسرا کمال یہ ہے ان اقوال میں بھی صدق کا لحاظ رکھے جو حق تعالیٰ کے سامنے عرض کرتا ہے مثلاً نماز میں زبان سے کہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہوں پس اگر اس کے دل میں بھی ماسوی اللہ کا خیال نہیں ہے تب تو وہ قول میں سچا ہے ورنہ جھوٹا۔ مثلاً کہتا ہے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں پس اگر دل کے اندر زر کی طلب اور مال کی محبت موجود ہے تو یہ بھی کذب ہے کیونکہ اظہار تو اللہ کے معبود اور اپنے بندہ ہونے کا کر رہا ہے اور دل بندۂ زر اور بندۂ دنیا بنا ہوا ہے۔

صدق نیت کا عزم

دوسرا درجہ نیت میں سچا رہنے کا ہے یعنی ایسا اخلاص کہ جس میں عبادت اور فعل خیر کے قصد کے سوا کسی دوسرے قصد کی مطلق آمیزش نہ ہو۔

عزم کا صدق

تیسرا درجہ عزم میں سچا بننے کا ہے انسان اکثر عزم کرتا ہے کہ اگر مجھے مال ملا تو اتنی خیرات کروں گا یا مثلاً خیال ہوتا ہے کہ حکومت ہاتھ آئے تو عدل کروں گا اس کا نام عزم ہے مگر بعض لوگوں کے عزم میں پختگی ہوتی ہے اور کہیں تردد و تذبذب

(ڈگمگانا) اسی طرح صدیقین کے عزم بھی متفاوت ہوتے ہیں جن میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اگرچہ جان جاتی رہے مگر عزم میں ضعف یا تذبذب نہ آنے پائے جیسے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری گردن اڑا دی جائے تو یہ مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اس گروہ پر حاکم بنوں جس میں ابوبکر موجود ہوں بس عزم کے قوی اور مضبوط ہونے ہی کا نام عزم کا سچا ہونا ہے۔

عزم کے پورا کرنے میں صدق

چوتھا درجہ عزم کے پورا کرنے میں سچائی کا ہے کیونکہ اکثر انسان کا عزم تو پختہ ہوتا ہے مگر پورا کرتے وقت کاہل اور ست بن جاتا ہے مثلاً مال ہاتھ آیا تو صدقہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور حکومت ملی تو عدل وانصاف نہ ہوسکا حالانکہ امتحان کا یہی وقت ہے کیونکہ دل میں عزم کرلینا تو کچھ دشوار نہ تھا تکلیف اٹھانے کا موقع تو اس عزم کے پورا کرتے وقت ہی پیش آیا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض شخص ایسے بھی ہیں جو اللہ پاک سے عہد کرچکے تھے کہ اگر ہم کو مال عطا ہوا تو ضرور خیرات کریں گے مگر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو مال مرحمت فرمایا ہے تو بخل کرنے اور منہ پھیرنے لگے انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں نفاق پیدا کردیا۔

صدق حالی

پانچواں درجہ یہ ہے کہ ظاہر وباطن یکساں ہو یعنی ظاہری حالت بھی وہی ہو جو واقع میں باطن کی حالت ہو مثلاً نرم چال چلے اور ظاہر کرے کہ طبیعت میں وقار ہے مگر حقیقت میں قلب کے اندر وقار نہ ہو بلکہ محض لوگوں کے دکھانے کو ایسا کرے تو اس کا نام ریاء ہے اور اگر مخلوق کے دکھاوے کا بھی خیال نہ ہو بلکہ محض غفلت دے تو بھی

ہو تو اس کا نام اگرچہ ریاء تو نہیں ہے مگر صدق بھی نہیں ہے بلکہ حالت کا دروغ اور جھوٹ ہے اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے کہ بارالہا میرا باطن میرے ظاہر سے بہتر بنادے اور ظاہر حالت کو بھی صلاحیت عطا فرما۔

مقامات میں صدق

چھٹا درجہ دین کے مقامات اور مدارج میں سچائی کا ہے یعنی خوف و رجاء اور محبت و رضا اور توکل و زہد وغیرہ کا وہ انتہائی مرتبہ حاصل کرے جو اسم با مسمیٰ بنا دے کیونکہ ابتدائی درجہ میں ان صفات کا صرف نام ہی نام ہوا کرتا ہے البتہ انتہائی درجہ میں پہنچ کر سچا خوف اور سچی محبت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''مومن وہی ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان لائے پھر نہ کچھ شبہ کیا اور نہ اللہ کے راستے میں اپنی جان و مال سے دریغ کیا یہی لوگ سچے ہیں''۔

غرض صدق کے ان چھ درجوں میں کامل ہو جانے سے صدیق کا لقب عطا ہوتا ہے اور جس کو ان میں سے کوئی درجہ حاصل ہے اور کوئی نہیں تو اس کو اس مقدار کے موافق صدق کا مرتبہ حاصل ہوگا اور چونکہ صدق ہی کا درجہ یہ بھی ہے کہ قلب، اللہ کو رزاق سمجھ کر اس پر بھروسہ رکھے اور توکل کرے لہٰذا توکل کا بیان بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

❋❋❋❋❋

ساتویں اصل

توکّل کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے لوگو اگر تم ایمان دار ہو تو اللہ پر توکل کرو اللہ توکل کرنے والے کو محبوب سمجھتا ہے اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کی تمام ضرورتوں کو کافی ہے اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تم کو رزق نہیں دے سکتے پس رزق اللہ ہی کے پاس سے طلب کرو۔

اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر تم اللہ پر پورا توکل کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس طرح رزق دے گا جس طرح پرندکو دیتا ہے یعنی بلا تعب ومشقت (بلا تکان اور دشواری) کہ صبح کو بھوکا اٹھتا ہے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس ہوتا ہے۔

یاد رکھو کہ جو شخص اللہ کا ہو رہتا ہے حق تعالیٰ اس کو اس طرح رزق پہنچاتا ہے کہ اس کا گمان بھی نہیں جاتا۔

توکل کی ماہیت اور ارکان

توکل کے معنی اس حالت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یکتا فاعل ومختار اور تمام صفات کمالیہ میں مستقل ولاشریک سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد یہ حالت ایسے کام کراتی ہے جن سے توکل واعتماد ظاہر ہوا کرتا ہے لہٰذا توکل کے تین رکن ہوئے **اول** معرفت **دوم** حالت **سوم** اعمال اب ہم

تینوں کا جدا جدا ذکر کرتے ہیں۔

توکل کا رکن اول معرفت یعنی توحید

پہلا رکن توکل معرفت یعنی توحید حق جس کا اقرار کلمہ توحید سے ہوتا ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد وثنا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس میں اس مضمون کا اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ قدرت اور وجود اور حکمت میں وہ کمال رکھتا ہے جس کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے پس جس نے صدق واقرار کے ساتھ اس کا اقرار کرلیا اس کے قلب میں ایمان راسخ ہو گیا اور اب توکل کی حالت ضرور پیدا ہوگی بشرطیکہ صدق دل سے اقرار کیا ہو صدق دل کے یہ معنی ہیں کہ اس اقرار کے معنی قلب پر ایسے غالب آجائیں کہ دوسرے مضمون کی اس میں گنجائش نہ رہے۔

توکل کا دوسرا رکن یعنی حال

دوسرا رکن توکل حال ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ اپنے کام اللہ کے حوالہ کردو اور قلب کو مطمئن رکھو کہ غیر اللہ کی طرف التفات بھی نہ کرو یعنی ایسے ہو جاؤ کہ جیسے کسی ہوشیار اور شفیق وغم خوار وکیل کو اپنے مقدمہ کا عدالت میں وکیل بنا کر مطمئن اور بے فکر ہو جایا کرتے ہیں کہ پھر کسی دوسرے کی جانب تمہارا دل ڈانواں ڈول نہیں ہوتا کیونکہ تم سمجھے ہو کہ تمہارا وکیل ہر طرح عقل مند اور تمہارا خیر خواہ ہے پس تمہارے حریف کو کبھی تم پر غلبہ نہ پانے دے گا اور مخالف سے اس کے سامنے بات ہی نہ کی جائے گی۔

اسی طرح جب جانتے ہو کہ رزق اور موت وحیات اور مخلوق کے چھوٹے بڑے سارے کام اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں کوئی اس کا شریک نہیں ہے

نہ اس کی جود و سخا اور حکمت و رحمت کی انتہاء ہے پھر وجہ کیا ہے کہ اپنے قلب کو مطمئن نہ بناؤ۔ اور غیر سے نظر نہ اٹھاؤ

اللہ پر توکل اور اعتماد نہ ہونے کے دو سبب

اگر اتنا جان کر بھی توکل نہ ہو تو سمجھ لو کہ اس کا سبب دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے یعنی یا تو پورا یقین ہی حاصل نہیں ہے اور نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے رزاق و باقدرت سمیع و بصیر ہونے میں کچھ شک ہے اور یا یقین تو ہے مگر قلب پر اس علم و یقین کا اثر نہیں ہوا بلکہ ایسی حالت ہے جیسے اس یقین کی ہوا کرتی ہے کہ باوجودیکہ اس کا یقین حاصل اور اس کا علم ہے کہ ضرور ایک دن ہمیں مرنا اور دنیا کو چھوڑنا ہے مگر پھر بھی ایسے نڈر ہیں کہ اس کا کچھ فکر نہیں کرتے سبب اسکا صرف یہی ہے کہ قلب پر اس یقین کا پورا اثر نہیں ہے یا دوسرا سبب یہ ہے کہ تمہارا قلب پیدائشی طور پر ضعیف و کمزور واقع ہوا ہے اور خلقۃً تم بزدل ہو کہ ضعیف قلب کی وجہ سے تمہارا دل ایسے اوہام کا محکوم و مطیع ہو گیا ہے جو یقیناً باطل اور محض لاشئے ہیں جس طرح مردہ کے پاس اس کے بستر پر لیٹ کر سونے سے اکثر ڈر معلوم ہوتا ہے حالانکہ معلوم ہے کہ یہ مردہ ہے اور کچھ نہیں کر سکتا مگر پھر بھی اس کے بستر پر لیٹ کر نیند نہیں آتی اور ڈر معلوم ہوتا ہے تو یہ واہیات توہمات ہی کی تو اطاعت ہے جس نے ضعیف قلب کو یقین پر عمل کرنے نہ دیا مثلاً بعض آدمیوں کو شہد کے کھانے سے نفرت ہونے لگتی ہے محض اس واہمہ سے کہ اس کا رنگ گوبر کے رنگ کے مشابہ متوہم ہوتا ہے حالانکہ اس کا یقین ہوتا ہے کہ یہ شہد ہے گوبر نہیں اور محض رنگ کی مشابہت کوئی چیز نہیں ہے مگر پھر بھی اس کو کھا نہیں سکتا اور یہ وہم ہی کا اثر ہے جس سے انسان کا بچنا دشوار ہے۔

اسی طرح ممکن ہے کہ توحید کا یقین کامل ہو اور نام کو بھی شبہ یا شک نہ ہو بایں ہمہ اسباب کے اختیار کرنے میں نفس مجبور ہو جائے اور اعتماد کامل جس کا نام توکل ہے حاصل نہ ہو سکے۔

توکل کا تیسرا رکن یعنی عمل

تیسرا رکن توکل اعمال ہیں۔ جاہلوں کا خیال ہے کہ توکل تو محنت مزدوری اور کسب کے چھوڑ دینے کا نام ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بے کار بن کر بیٹھ جائے اگر بیمار ہو تو دوا علاج نہ کرے بے سوچے سمجھے اپنے آپ کو خطرات اور ہلاکت میں ڈال دیا کرے کہ کہیں آگ میں گھس جائے اور کہیں شیر کے منہ میں ہاتھ دے دے متوکل کہلائے۔ حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے اور شریعت ہی توکل کی خوبیاں بیان کر رہی ہے پھر بھلا جس بات کو شریعت ہی خود حرام بتائے اسی کی رغبت اور حرص دلائے گی یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان کی سعی اور کوشش اکثر چار وجہ سے ہوا کرتی ہے یعنی یا تو کسی ایسی نافع چیز کے حاصل کرنے میں سعی ہرتی ہے جو حاصل نہیں ہے اور یا موجود نفع کی حفاظت میں سعی ہوتی ہے اور یا کسی آنے والے ضرر کے روکنے میں اور یا موجودہ نقصان کے روکنے میں۔

پہلی صورت جلب منفعت کہلاتی ہے اور اس کے تین سبب ہیں کہ

یا تو سبب اختیار کرنے میں نفع کا حصول یقینی ہو

یا اس کا غالب گمان ہو اور

یا محض موہوم ہو۔

متیقن الحکم اسباب کو عطاء خداوندی سمجھنا اور دل سے اُن پر اعتماد نہ کرنا ضروری ہے

پہلی حالت یقینی کی مثال یہ ہے جیسے کوئی شخص بھوکا ہو اور کھانا بھی اس کے سامنے رکھا ہو مگر وہ ہاتھ نہ بڑھائے اور نوالہ بنا کر منہ تک نہ لے جائے اور کہے کہ میں متوکل ہوں یا مثلاً بیٹے کا طالب ہو مگر بیوی سے جماع نہ کرے یا مثلاً غلہ کا خواہاں ہو مگر بیج کھیت میں نہ ڈالے سو ایسا خیال تو محض جہالت اور بوالہوسی ہے کیونکہ ان اسباب پر مسبب کا تفرع (وہ شئے جو مسبب سے ہوتی ہے) یقینی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے قاعدہ کے طور پر تجویز فرما دیا ہے اور اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا پس اس بات کا اختیار کرنا شرعاً ضروری ہے البتہ ان اسباب میں توکل کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

اول اس کا خیال رکھے کہ طعام اور ہاتھ اللہ کے دئے ہوئے ہیں اور کھانے کی قدرت بھی اس کی عطا کی ہوئی ہے اسی طرح بیج اور کھیتی کرنے کی استعداد اسی نے عطا فرمائی ہے اسی طرح بیوی اور نطفہ اور جماع کی طاقت سب اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دوم یہ کہ ان اسباب پر بھی دل سے بھروسہ نہ ہو بلکہ دل سے خالق ہی پر بھروسہ رہے کیونکہ دل سے اسباب پر بھروسہ کرنا سراسر غلط خیال ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ ابھی ہاتھ پر اگر فالج کا اثر ہو جائے یا مثلاً کھانا زمین ہی پر گر جائے یا بیج کو کیڑا لگ جائے یا اولہ گر پڑے یا گرمی کھا جائے تو مقصود کی صورت بھی نظر نہ آئے۔

الغرض ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھ کر سعی اور کوشش کرنے اور اسباب کے اختیار کرنے میں ہمیں نہ کچھ مضائقہ ہے اور نہ اسباب کا اختیار کرنا

توکل کے خلاف ہے۔

دوسری حالت

> غالب الحکم اسباب کا اختیار کرنا بھی خلاف توکل نہیں

مسبب کے سبب پر مرتب ہونے کے متعلق غالب گمان کی تھی مثلاً جنگل کا سفر کرتے وقت توشہ ساتھ رکھنا کہ اگر توشہ نہ لیا جائے تو مرنا یقینی تو نہیں ہے تاہم غالب گمان یہی ہے کہ زاد راہ کے بغیر جنگلوں کا سفر ہلاکت ہے تو ایسے سبب کا اختیار کرنا بھی خلاف توکل نہیں بلکہ سلف کا طریقہ اور صلحاء کا معمول رہا ہے البتہ اعتماد اللہ ہی کے فضل پر ہونا چاہیے اگر زاد راہ کو چوری اور ڈاکہ سے محفوظ اور گلنے سڑنے سے بچائے گا اور زندگی قائم رکھ کر اس کے کھانے کی قوت کو بحال رکھے گا تو یہ کھانا استعمال میں آئے گا اور سبب قوت و حیات بنے گا ورنہ کچھ بھی نہیں۔

تیسری حالت

> موہوم نتیجہ والے اسباب کی ہوس طمع کہلاتی ہے

موہوم (یعنی مسبب کے سبب پر مرتب ہونے کا یوں ہی وہم ہو) کی ہے مثلاً زیادہ معاش کے حاصل کرنے میں حد سے زیادہ سعی اور دوڑ دھوپ کرنا کہ سعی زیادہ کریں گے تو مال زیادہ ملے گا یہ حالت حرص اور طمع کہلاتی ہے اور اس کی بدولت بسا اوقات مشتبہ مال حاصل کرنے کی نوبت آ جاتی ہے اور نیز یہ صورت توکل کے بھی خلاف ہے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل توکل کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں ان میں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ وہ شہروں میں نہیں رہتے یا کسب و حرفت نہیں کرتے بلکہ یوں ارشاد فرمایا ہے کہ توکل والے وہ ہیں جو منتر جنتر

نہیں پڑھتے اور جانوروں کو داغ نہیں دیتے ٭ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے جن پر مسبب کا مرتب ہونا محض موہوم ہو جیسے منتر پڑھنے اور داغنے سے مرض کا جاتے رہنا موہوم (وہمی) بات ہے اور جن اسباب سے مسبب کا حاصل ہونا موہوم نہ ہو بلکہ غالب یا یقینی ہو جیسے سفر میں توشہ رکھنا یا پیٹ بھرنے کے لئے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانا اور چبانا وغیرہ تو یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔

سال بھر سے زیادہ معاش کا انتظام اہل وعیال کا بھی خلاف توکل ہے

دوسری صورت یعنی آئندہ کے نفع کی سعی اور کوشش کرنا ہے کہ جس کو تدبیر کہتے ہیں اور منجملہ اسباب وتدبیر کے اناج بھر لینا یا آئندہ کے لئے ذخیرہ کر رکھنا بھی ہے لیکن اگر متوکل کو مال عطا ہو اور وہ سال بھر یا زیادہ کے لئے ذخیرہ جمع کرے تو توکل جاتا رہے گا اور اگر ایک دن کی خوراک رکھ کر باقی سب بانٹ دے تو توکل میں کامل سمجھا جائے گا اور اگر چالیس دن کا انتظام کرے تو اس میں اختلاف ہے شیخ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ یوں ہی فرماتے ہیں کہ توکل کے خلاف ہے اور بعض دیگر صلحاء نے اس کو خلاف توکل نہیں سمجھا۔

البتہ اگر یہ شخص عیال دار ہو تو جن متعلقین کا نان ونفقہ اس کے ذمہ ضروری ہے ان کے لئے سال بھر کا ذخیرہ جمع کر لینا خلاف توکل نہیں ہے ایسا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہے کہ ازواج مطہرات کو سال بھر کا نفقہ

٭ بخاری ومسلم مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے داغ کرنا مسلم وغیرہ میں روایت ہے تو مطلب یہ ہے کہ جائز تو ہے مگر معتبر نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواز بتانے کے لئے کیا تھا۔

مرحمت فرمادیا ہے ہاں اپنے نفس کے لئے ہمیشہ یہ حالت رکھی کہ اگر صبح کو مل گیا تو شام کے لئے جمع کر کے نہ رکھا اور شام کو ملا تو صبح کے لئے کچھ نہ رکھا اور سال بھر سے زیادہ کا انتظام کرنا تو بی بی بچوں کے لئے بھی توکل کے خلاف ہے۔

کیونکہ اول تو دوسرے وقت کا انتظام طول امل ہے کہ زندگی کا بھروسہ گھنٹہ بھر کا بھی نہیں ہے پھر دوسری بھوک کے لئے جمع کرنا کیسا؟ اور یہی وجہ ہے کہ جتنا کسی کو اس طول امل سے بعد ہوگا اسی قدر اس کا درجہ بڑھا ہوا ہوگا مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یوں قرار پائی ہے کہ ہر سال اپنی مخلوق کے لئے نیا رزق اور نیا دانہ مرحمت فرماتا ہے لہٰذا ایک عطا سے لے کر دوسری عطا کے وقت تک کے لئے ذخیرہ فراہم رکھنے کی بضرورت عیال داری گنجائش نکل آئی کہ ضعیف لوگوں کا ساتھ ہے کہیں پریشانی لاحق نہ ہو باقی سال بھر سے زیادہ کے لئے جمع کرنا تو نہایت درجہ ضعف ایمان کی علامت ہے۔ البتہ اثاث البیت (گھر کا سامان) یعنی برتن آب خورہ لوٹا وغیرہ چونکہ ہر سال نیا پیدا نہیں ہوتا اور اس کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے لہٰذا اس کے سال بھر سے زیادہ کے لئے ذخیرے جمع کر لینے میں کچھ حرج نہیں ہے مگر کپڑے کا آئندہ سال کے لئے رکھ چھوڑنا بے شک توکل کے خلاف ہے کیونکہ اس کی ہر وقت ضرورت پیش نہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں کام نہیں دیتا۔ اور گرمی کا کپڑا جاڑے میں بے کار ہے اور اسی بنا پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درویش کی بابت فرمایا کہ قیامت کے دن ایسا اٹھے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا لیکن اس کی عادت یہ تھی کہ جب جاڑا آتا ہے تو گرمی کے کپڑے آئندہ سال یعنی دوسری گرمی کے لئے رکھ چھوڑا کرتا تھا پس اگر یہ عادت نہ ہوتی تو اس کا چہرہ چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح دمکتا۔

دفع مضرت کا حکم بھی جلب منفعت کی طرح تین قسم کا ہے

تیسری صورت یعنی موجودہ تکلیف یا آنے والے نقصان کے دفع کرنے کی کوشش کرنا ہے مثلاً درندہ کو دیکھ کر بھاگ جانا یا جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے ہٹ جانا کہ گر نہ جائے یا مرض کا علاج کرنا کہ جاتا رہے اور صحت حاصل ہو جائے سو اس کے بھی مختلف مراتب ہیں جن کو مذکورہ بالا مضمون پر قیاس کر کے تم خود سمجھ سکتے ہو کیونکہ اسباب پر مسبب کا حصول یا یقینی ہوگا یا بظن غالب یا مذموم اور ہر ایک کا مفصل حال تم کو معلوم ہو چکا ہے پس ہر صورت کا حکم اس سے معلوم کر لو۔

فصل

ضعیف القلب کو اتنی حرص نہ کرنی چاہیے

جن لوگوں کی نظر وسیع اور قلب مضبوط و مستحکم ہو اور یقین بڑھا ہوا اور بھروسہ قوی ہو ان کو تو یہی زیبا ہے کہ اگلے دن کا بھی ذخیرہ جمع نہ کریں۔

البتہ ضعیف القلب کو زیبا نہیں کہ ان کی حرص کرے بلکہ اگر ایسی حالت ہو کہ ذخیرہ فراہم نہ کرنے سے قلب کی پریشانی کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص کے لئے اس توکل کو ترک کرنا اور ذخیرہ مہیا کرنا ضروری ہے تا کہ قلب کو فراغ و سکون حاصل ہو اور عبادت صحیح ہو سکے کیونکہ طبیعت کے فکر و انتشار میں جس نقصان کا اندیشہ ہے اس کی اصلاح سب سے مقدم ہے۔

ہاں جن لوگوں کو قوت ایمان اور قلبی اطمینان حاصل ہے ان کو تو زاد

راد لئے بغیر سفر کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ سات روز تک بھوک پر صبر اور گھاس پات پر قناعت کر سکیں کیونکہ گھاس پات تو جنگل میں بھی ملنا غالب ہے لیکن ضعیف الایمان شخص اگر ایسا کرے گا تو گناہ گار ہوگا کیونکہ وہ جس صورت کو اپنے خیال میں ہلاکت سمجھتا ہے اس میں اپنے قلب کو ڈال رہا ہے اور جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ سے خرق عادت عبادت کی طلب قوی الایمان کو بھی جائز نہیں

اسی طرح قوی الایمان شخص کو بھی پہاڑ کی کھو میں جا بیٹھنا کہ وہاں نہ گھاس پات ہو نہ کسی بشر کا گذر ہو جائز نہیں ہے کیوں کہ ایسی جگہ رزق پہنچانا اگرچہ قدرت اللہ میں داخل ہے مگر عادت کے خلاف ہے اور اسی لئے اگر کسی شخص کو ایسی جگہ رزق ملا ہے تو وہ اس کی کرامت کہلائی اور چونکہ بندہ کو زیبا نہیں ہے کہ آقا کو عادت کے خلاف کرنے پر مجبور کرے لہٰذا یہ صورت قوی الایمان کے لئے جائز نہیں ہے جنگل میں توشہ لئے بغیر سفر کرنا تو اس وجہ سے جائز تھا کہ اللہ کی عادت یوں جاری ہے کہ جنگل گھاس سے خالی نہ ہو اور نیز آدمیوں کا بھی وہاں اکثر گذر ہوتا رہتا ہے کہ جب قوت ایمان حاصل ہے تو ایسی صورت میں ہلاکت غالب نہیں لہٰذا معصیت بھی نہیں ہے مگر ویران اور سوکھے پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھنا تو عادت اللہ کے توڑنے کی خواہش کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ اگر معاش کے جلی (روشن) اور واضح اسباب کی طرف سے توجہ ہٹا کر جنگل کی گھاس پر قناعت کرے اور اللہ کے لطف و حکمت پر بھروسہ رہے تو اولی وانسب (بہتر) ہے۔

✻✻✻✻✻✻✻

آٹھویں اصل

محبت کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اللہ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے اور نیک بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں" اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جب تک تمہارے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہوگا اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جس شخص کو اللہ کی محبت کا مزا آجاتا ہے اس کو دنیا کی طلب بالکل ہی نہیں رہتی اور وہ آدمیوں سے وحشت کھانے لگتا ہے۔"

اہل کلام و فلسفی چونکہ اللہ کی محبت کے معنی نہیں سمجھے اس لئے وہ اس کے منکر ہو کر یوں کہنے لگے کہ جس ذات کا کوئی مثل نہیں ہے اس کو ہماری طبیعت کے ساتھ مناسبت پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ ہماری عقل اس کا پورا ادراک کر سکتی ہے لہٰذا اس کی محبت کے بجز اس کے کوئی معنی نہیں کہ اس کے احکام کی تعمیل اور ارشاد کی تعمیل کی جائے یہ بے چارے چونکہ حقیقت سے جاہل ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ محبت اپنے ہم جنس ہی کے ساتھ ہو سکتی ہے ان کی فہم حقیقت الامر (واقعی بات) کو معلوم نہ کر سکی ہم اس جگہ مختصر طور پر محبت کی حقیقت بیان کرتے ہیں تاکہ اصل بات معلوم ہو سکے۔

عشق اور محبت کی حقیقت اور چھٹا حاسہ

جاننا چاہیے کہ ہر لذیذ چیز انسان کو محبوب ہے اور محبوب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ طبیعت اس کی طرف کھنچتی اور نفس اس کی

جانب مائل ہوتا ہے یہی میلان طبیعت بڑھ جاتا ہے تو عشق کہلانے لگتا ہے اسی طرح کسی چیز کے ناپسند اور مبغوض ہونے کے یہ معنی ہیں کہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور دل تکلیف پاتا ہے پس جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب غور کرو کہ جتنی چیزیں تم اپنے حواس کے ذریعہ سے ادراک کر سکتے ہو یا تو وہ تمہاری طبیعت کے موافق ہوں گی اور یا مخالف ہوں گی اور یا ایسی ہوں گی کہ نہ مخالف ہیں نہ موافق۔ پس جو چیزیں طبیعت کے موافق ہیں وہ تو محبوب ولذیذ ہیں اور جو طبیعت کے مخالف ہیں وہ مبغوض وناگوار (بغض کی ہوئی) ہیں اور جو چیزیں طبیعت کے موافق ہیں نہ مخالف ان میں نہ لذت آتی ہے اور نہ ان سے نفرت ہوتی ہے بلکہ مساوی (برابر) حالت رہتی ہے۔

اور لذت ہمیشہ ادراک کے بعد حاصل ہوا کرتی ہے مگر ادراک دو قسم کے ہیں ایک ادراک ظاہری اور ایک ادراک باطنی۔ پس ظاہری ادراک تو حواس خمسہ (پانچوں محسوس کرنے والی یعنی دیکھنے۔ سننے۔ سونگھنے۔ چھونے۔ اور چکھنے والی قوتیں) کے ذریعہ ہوا کرتا ہے مثلاً آنکھ کو حسین وخوب صورت کے دیکھنے سے لذت آتی ہے اور کان کو موزوں اشعار اور خوش الحان گانے اور سریلی آواز کے سننے میں مزہ آتا ہے اور زبان وناک میں چکھنے اور سونگھنے کا حس رکھا ہوا ہے مزے دار کھانوں اور خوشبودار پھولوں میں لذت حاصل ہوتی ہے اور تمام بدن کی قوت لامسہ (چھونے والی) کو نرم وملائم اور نازک چیز کے چھونے میں مزہ آتا ہے اور یہی چیزیں نفس کو محبوب ہیں یعنی بالطبع نفس ان کی جانب مائل ہوتا ہے۔

اسی طرح انسان کو ایک چھٹا حاسہ (محسوس کرنے والی قوت) اور بھی مرحمت ہوا ہے جو ادراک باطنی کہلاتا ہے اور اس کی جگہ قلب ہے اس چھٹے حاسہ

کو کبھی عقل کہہ دیتے ہیں کبھی نور اور کبھی چھٹا حاسہ غرض نام جو کچھ بھی ہو مقصود یہ ہے کہ باطنی ادراک بھی حواس ظاہری کی طرح اپنے موافق اور مناسب چیز سے لذت حاصل کیا کرتا ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں میری محبوب بنائی گئی ہیں یعنی خوشبو اور عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے" اور ظاہر ہے کہ خوشبو سے قوت شامہ کو مزہ آتا ہے اور خوب صورت عورت سے قوت باصرہ اور قوت لامسہ کو لذت حاصل ہوتی ہے مگر نماز کی لذت حواس خمسہ ظاہری میں سے کسی حاسہ کو بھی نہیں ہوتی ہاں اس کی لذت اسی چھٹے حاسہ کو آتی ہے جو باطنی ہے اور جس کا مقام قلب ہے اور یہی وجہ ہے کہ جس کا قلب بے کار ہے وہ نماز میں کبھی لذت نہیں پا سکتا اس لذت کا ادراک سلیم القلب (عیب سے سالم دل والے) شخص ہی کو ہو سکتا ہے اور انسان کی خصوصیت اسی چھٹے حاسہ کی وجہ سے ہے ورنہ حواس ظاہری میں تو تمام حیوان مشترک ہیں چنانچہ جانوروں کو بھی اچھی صورت اور عمدہ آواز اور ذائقہ اور کھانے اور خوشبو سونگھنے اور نازک چیز کے چھونے کی رغبت ہوتی ہے۔

خوب سیرتی کی لذت کا ادراک باطنی حاسہ سے ہوتا ہے جس کا محل قلب ہے

البتہ انسان حُسنِ ظاہری آنکھوں کی بصارت سے حسین عورتوں کی لذت حاصل کرتا ہے بصیرت سے باطنی خوب سیرتیوں کا مزہ اٹھاتا ہے بشرطیکہ قلب کی آنکھوں میں بینائی بھی ہو مگر شائد تم باطنی خوب سیرتی اور اس کی لذت کو نہ سمجھ سکو کہ کیا چیز ہے لہٰذا میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنے نفس کو ٹٹولو اور دیکھو کہ اس

میں انبیاء اولیا صحابہ وعلماء کی محبت ہے یا نہیں؟ نیز اگر بادشاہ منصف و بہادر اور سخی عاقل اور اپنی رعیت پر مہربان ہو اور دوسرا ظالم و بزدل بخیل نا سمجھ اور اپنی رعیت کے ساتھ سخت دل اور کڑوے مزاج کا ہو تو ان دونوں میں تمہارا دل کچھ امتیاز اور فرق کرتا ہے یا نہیں اگر کرتا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کی جانب دل کھنچتا ہے اور دوسری طرف نہیں کھنچتا۔ بلکہ نفرت کرتا ہے اگر غور کرو گے تو سمجھ لو گے کہ یہ وہی باطنی ادراک ہے جو باطنی خوب سیرتی میں لذت پا رہا ہے۔ اسی طرح جس وقت مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہ کی شجاعت اور بہادری یا ظل اللہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیاست و عملداری یا خلیفۃ الحق حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی سچائی و جاں نثاری کے قصے سنتے ہو تو ایک امنگ اور مسرت اور ان حضرات کی طرف ایک قسم کا ایسا میلان پیدا ہوتا ہے کہ اس کا اظہار نہیں ہو سکتا اس سے زیادہ صاف بات سمجھو تو غور کرو کہ لوگوں کو اپنے مقتدائے مذہب اور صاحب شریعت امام کے ساتھ اتنا تعلق ہو جاتا ہے کہ جان اور مال کے خرچ کرنے میں ان کو مطلق دریغ نہیں ہوتا حالانکہ ان کی آنکھوں نے ان کی صورت بھی نہیں دیکھی اور اگر دیکھتے بھی تو شائد اتنی محبت نہ ہوتی کیونکہ آنکھ کی لذت دوسری قسم کی ہے اس لذت میں اور اُس لذت میں بہت فرق ہے اور اگر محبت ہوئی بھی تب بھی یہ محبت جو ان اوصاف حمیدہ کے ذریعہ سے ہوئی ہے محل گفتگو ہوئی کہ بتاؤ یہ لذت کس حاسہ سے ادراک کی گئی ظاہر ہے کہ یہ وہی چھٹا حاسہ ہے جس کی جگہ دل میں ہے کیونکہ دل ہی تو ہے جس نے ان پیشواؤں میں وہ باتیں پائیں جن سے دل کو لذت حاصل ہوئی ہے۔

محبت کے اسباب صرف علم و قدرت اور تقدس میں ہیں

اب اگر ان اوصاف کو تلاش کرو گے جن کی وجہ سے یہ محبت حاصل ہوئی ہے تو وہ تین وصف نکلیں گے یعنی علم اور قدرت اور بے عیب ہونا کیونکہ مقتدایان دین کو اللہ اور اس کے رسول اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں کا علم حاصل ہے اور وہ اللہ کے پیغمبروں کی شریعت کے دقائق اور حقائق سے واقف ہیں دوم انہوں نے اللہ کی دی ہوئی قدرت سے کام لیا کہ اپنے نفس کو مغلوب بنایا اور نفسانی شہوتوں کو مٹایا اور حق کی سیدھی راہ پر قائم اور جمے رہے نیز طاقت کو کام میں لا کر اللہ کی مخلوق پر قبضہ کیا سیاست و ملکی انتظام سے ہزار ہا میل کی آبادی کو زیر فرمان بنایا اور اللہ کے برحق دین کی تلقین کر کے لوگوں کو سیدھا راستہ بتلایا اور نیز عیوب باطنی سے پاک صاف نظر آئے کہ جہالت سے بخل سے حسد سے کینہ سے اور بغض و عداوت سے غرض تمام بد خُلقیوں سے بے عیب اور تمام عمدہ عادتوں اور اخلاقِ حَسَنہ سے متصف پائے گئے یہی تین اوصاف ہیں جن کی وجہ سے ان میں وہ حسن پیدا ہوا جس کو حیوانات نہیں سمجھ سکتے یہ انسان ہی کی خصوصیت ہے کہ قلب کے چھٹے حاسہ سے اس باطنی حسن کا ادراک کرتا ہے اور اس میں لذت پاتا ہے۔

غرض تم کو جب ان اوصاف کی وجہ سے پیشوایان مذہب اماموں کے ساتھ محبت ہوگئی تو ظاہر ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کمالات بدرجۂ اتم موجود ہیں لہٰذا آپ کی ذات کے ساتھ جو محبت ہوگی وہ دنیا بھر کے علماء و انبیاء سے بڑھی ہوئی ہوگی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنانے والی اور پیدا کرنے

والی ذات پر نظر ڈالو جس نے تم پر اپنے احسان فرمائے کہ ہزار ہا انبیاء علیہم السلام تبلیغ کے لئے بھیجے اور پھر اپنا محبوب بھی تمہاری طرف مبعوث فرمایا یہ بالکل ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علم وقدرت اور تقدس کو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے بے پایاں علم وغیر محصور قدرت اور اوصاف کمالیہ سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہوسکتی اللہ ہی کی ذات ہے جس میں کوئی عیب نام کو بھی نہیں اور اس کے سوا کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو ہر قسم کے عیب ونقص سے خالی ہو اگر کسی مخلوق میں کوئی عیب نظر نہ آوے تو عجز واحتیاج اور عبودیت وغلامی بھی بڑا نقص ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں بھی موجود ہے کیونکہ اس سے مخلوق کا کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں ہے اس لئے کہ سب جانتے ہیں کہ یہ حضرات تو کھانے پینے کے بھی محتاج تھے نہ کسی کو رزق دے سکتے تھے نہ مار سکتے تھے نہ جلا سکتے تھے نہ فاعل ✲ مختار تھے اور نہ قادر پھر قادر ذوالجلال کی قدرت اور انبیاء علیہم السلام کی قدرت میں کیا موازنہ ہوسکتا ہے؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علم ازلی پر نظر ڈالو تو ایک بحرِ ذخار (بہت بڑا دریا) ہے کہ جس کا کنارہ ہی نہیں کوئی ذرہ بھی اس کے علم کے احاطہ سے باہر نہیں نکل سکتا آسمان وزمین عرش وکرسی، لوح وقلم، شجر وحجر غرض جو شے خیال وذہن میں بھی نہیں آسکتی وہ اس علام الغیوب کے علم ازلی میں موجود ہے غرض انبیاء علیہم السلام میں جو بھی صفات نظر آتی تھیں وہ در حقیقت پرتو اور ظل (سایہ) ہیں صفات خداوندی کا۔ پھر جب دھوپ کی جانب باوجود اس کے عارضی اور ظل آفتاب ہونے کے تمہارا نفس میلان کرتا ہے تو اس کے مبداء و مصدر (شروع کی جگہ اور صادر ہونے کی جگہ) یعنی آفتاب کی جانب کیوں مائل نہ ہوگا اور جب مستعار صفات کی جانب سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اس قدر محبت

✲ وہ کام کرنے والا جسے اس کا اختیار حاصل ہو۔

ہے تو مبداء صفات یعنی اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ محبت کیوں نہ ہوگی۔

محبت کا ادنیٰ درجہ محسن کی محبت ہے

اس پر بھی اگر تمہاری باطنی بصیرت اللہ تعالیٰ کے جلال وجمال کا ادراک نہ کر سکے اور عشق نہ پیدا ہو تو کم سے کم اتنا تو ضرور کرو کہ اس کے احسانات وانعامات کو شمار کرو کہ وہ کس قدر ہیں اور ظاہر ہے کہ تم ان کو ہرگز شمار نہ کر سکو گے تو کیا اس سے بھی گئے گذرے ہوئے ہو کہ اس کو اپنا محسن ہی سمجھ کر محبوب سمجھو اور نفس کو اس کی جانب مائل ومتوجہ کرو دنیا کی جس چیز میں بھی لذت تم کو حاصل ہوتی ہے اس کو سوچو اور غور کرو کہ اس کا دینے والا باقی رکھنے والا کون ہے ذرا سی توجہ سے معلوم ہو جائے گا کہ کوئی لذت اور کوئی حظ اور کوئی مزہ اور کوئی نعمت ایسی نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا شخص دے دے یا دے سکے پھر کیا اپنے محسن کے ساتھ تم کو محبت نہیں ہوا کرتی اگر ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اصلی محبت کا ہونا ضروری اور مقدم ہے اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتوں کی طرح تم کو اللہ تعالیٰ کے ذاتی جلال و جمال کی وجہ سے اس کی محبت نہ ہو تو عام مخلوق کی طرح اس کو اپنا محسن ہی سمجھ کر اس سے محبت کرو کہ اس حدیث کا منشاء پورا ہو جائے جس میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرو بایں وجہ کہ تم کو غذا دیتا ہے اور مجھ سے بایں وجہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت فرماتا ہے یہ محبت ضعیف اور کم درجے کی ہے کیونکہ احسانات کے کم وبیش ہونے سے محبت بھی کم وبیش ہوتی رہے گی سو اس قسم کی محبت کرنے والا شخص اس غلام کے مثل ہے جو اپنے مطلب کی محبت رکھے اور بایں نیت خدمت کرے کہ مزدوری ملے گی اور

اپنا پیٹ بھرے گا۔

اصل اور کامل محبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان صفات محمودہ اور جلال و جمال کی وجہ سے محبت ہو جس میں اس کی ذات لاشریک ہے اور کوئی اس کا ہم پلہ نہیں اسی لئے اللہ پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام کی جانب وحی فرمائی تھی کہ مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے جو میری عطا اور احسان کے بغیر محض حق ربوبیت (رب اور پروردگار ہونا) ادا کرنے کی غرض سے میری عبادت کرے اور زبور میں مسطور ہے (لکھا ہوا ہے) کہ اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے جنت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے میری عبادت کی بس اگر میں دوزخ اور جنت کو نہ پیدا کرتا تو کیا عبادت کا مستحق نہ ہوتا؟ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چند ایسے لوگوں پر گذر ہوا کہ جو خلوت میں بیٹھے عبادت کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ ہم جنت کی امید رکھتے ہیں اور دوزخ کا ڈر۔ حضرت روح اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کو مخلوق کی ہی طمع ہے اور مخلوق ہی کا خوف ہے وائے افسوس کہ خالق کے لئے کچھ بھی نہیں آگے جا کر چند دوسرے لوگوں پر گذر ہوا جو خلوت نشین تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو محض اللہ کی محبت اور اس کے جلال کی وجہ سے اس کی عبادت کر رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ بے شک تم اللہ کے ولی و مقرب ہو اور تمہارے ہی پاس بیٹھنے کا مجھ کو امر ہے۔

فصل

محبتِ خدا کے آثار و علامات

محبت الٰہی کی علامتیں بے شمار ہیں کہ اس کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہاں بعض علامتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

سو منجملہ ان کے یہ ہیں۔

اول کہ انسان نفس کی خواہش پر اپنے محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیتا اور اس کی محبت کو سب کاموں پر مقدم سمجھتا ہے یعنی متقی و پرہیزگار بنتا ہے اور حدود شرعیہ کا ہر وقت لحاظ رکھتا ہے۔

دوم اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہوتا ہے اور موت سے گھبراتا نہیں اور اگر زندگی چاہتا بھی ہے تو محض اس لئے کہ معرفت حق جتنی بھی زیادہ حاصل ہو اتنی ہی بہتر ہے تاکہ محبوب کے وصال میں لذت زیادہ حاصل ہو کیونکہ معرفت مشاہدہ جمال کا بیج ہے پس جتنا بیج زیادہ پڑے گا اسی قدر پیداوار بھی زیادہ حاصل ہوگی اسی طرح جس قدر معرفت کامل ہوگی اسی قدر مشاہدہ جمال حق میں لذت زیادہ حاصل ہوگی۔

سوم حکم الٰہی اور قضا وقدر پر راضی رہنا ہے کہ گوار اور ناگوار جو کچھ بھی پیش آتا ہے اس پر زبان یا دل سے شکوہ نہیں کرتا اب مناسب ہے کہ رضا بر قضا کا بھی کچھ بیان کر دیں تاکہ انسان کو دھوکا نہ ہو اور اس غرہ میں کہ مجھ کو محبتِ خدا حاصل ہوگئی ہے مغرور ہو کر نہ بیٹھ جائے کیونکہ محبت اللہ تعالیٰ کا حاصل ہونا کوئی آسان چیز نہیں ہے بلکہ نہایت دشوار ہے۔

******

نویں اصل

رضا بر قضا کا بیان

(اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی شان میں فرمایا ہے کہ ''اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں'' رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب بناتا ہے تو اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے پس اگر یہ صابر بنا رہتا ہے تو اس کو منتخب کرتا ہے اور اگر اس کی قضا پر راضی ہوتا ہے تو اس کو برگزیدہ کر لیتا ہے'' ایک مرتبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم مومنین مسلمین ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ مصیبت پر صبر کرتے ہیں اور راحت پر شکر کرتے ہیں اور قضا پر راضی رہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واللہ تم سچے مومن ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد (علیہ السلام) تم ایک کام کا قصد و ارادہ کرتے ہو اور میں بھی ارادہ کرتا ہوں مگر ہوتا وہی ہے جو میں ارادہ کرتا ہوں پس اگر تم میرے ارادہ و مشیت (قصد) پر راضی رہے اور مطیع اور فرماں بردار بنے تب تو میں تمہارے گناہ کی تلافی بھی کروں گا اور تم سے خوش بھی رہوں گا اور اگر میرے ارادہ پر راضی نہ ہوئے تو تم کو مشقت و تکلیف میں ڈالوں گا اور انجام کار ضرور ہو گا وہی۔ جو میں چاہوں گا باقی مفت کی پریشانی تمہارے سر پڑے گی۔

فصل

ایک فرقہ رضا کا منکر ہے اور اس کا خیال جس کو وہ دلیل سمجھے ہوئے ہے۔ یہ ہے کہ جو چیز اپنی خواہش کے خلاف ہوگی اس پر خوش اور راضی ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں البتہ ناگوار پر صبر ضرور ہوسکتا ہے مگر یہ خیال ناسمجھی اور قصورِ فہم (سمجھ کی کمی) کی علامت ہے یاد رکھو کہ جس طرح وہ لوگ محبت الٰہی کے سمجھنے سے قاصر رہے اسی طرح رضا بر قضا کی صورت کو نہیں سمجھ سکے۔

تکلیف پر رضا اور خوشی ہونے کے عقلی وجوہات و نظائر

سنو بلا و تکلیف پر راضی ہونا اور خواہش نفس و طبیعت کے خلاف پر خوش ہونا تین وجہ سے ممکن ہے۔

پہلی وجہ دنیا کی مخلوق ہی میں دیکھ لو کہ فرط محبت اور جوش شوق میں انسان کو اکثر تکلیف اور درد محسوس نہیں ہوا کرتا چنانچہ معشوق مارتا ہے مگر اس کو تکلیف نہیں ہوتی اور محبت کا درجہ تو بلند ہے انسان کی حالت غلبہ شہوت اور غصے کے جوش میں بھی ایسی ہو جاتی ہے کہ بدن پر زخم آ جاتا ہے اور سر پھٹ جاتا ہے خون بہنے لگتا ہے اور جسم لہولہان ہو جاتا ہے مگر اس وقت کچھ تکلیف بھی نہیں ہوتی اسی طرح تم نے اپنی حالت پر کبھی نظر ڈالی ہوگی کہ جس وقت کسی مرغوب چیز کی ہوس اور شوق میں محو و مستغرق چلے جا رہے ہو اور کانٹا چبھ جائے تو اس وقت اس کا درد یا کرب (تکلیف) محسوس نہیں ہوتا ہے ہاں جب غصہ رفع اور شوق ختم ہو جاتا ہے مثلاً مرغوب شئے مل جاتی یا اس کے حصول میں یاس و ناامیدی ہو جاتی ہے تو اس وقت چوٹ اور کانٹا چبھنے کی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے۔ پس جب ذرا سی محبت میں یہ حالت ہوتی ہے کہ تکلیف محسوس نہیں ہونے پاتی تو زیادہ محبت میں

تو کسی بڑی تکلیف کا بھی احساس نہ ہوگا اور جب یہ حالت دنیا میں موجود ہے کہ خون اور گوشت سے بنے ہوئے اس انسان کے عشق میں یہ حالت ہے کہ جس کے پیٹ کے اندر منوں نجاست بھری ہوئی ہے اور صورت کی ناپائیدار معمولی خوبی نے اتنا اثر پیدا کر دیا ہے کہ آنکھوں کی بینائی بھی اس قدر غلطی کرنے لگی اور عیوب محاسن بن کر خوبیاں دکھائی دینے لگے تو اللہ جل جلالہٗ کے جمال ازلی کا عاشق اگر ناگوار کو گوارا اور ناپسند کو پسند کرنے لگے تو کیا بعید ہے۔ حالانکہ قلب کی بصیرت آنکھوں کی بصارت سے ہر طرح مقدم اور اولیٰ ہے۔

رضا بر مصیبت واقع میں محبتِ الٰہی کا اثر ہے

اسی بنا پر حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے شیخ سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا کہ کیا محب کو بھی بلا کی تکلیف ہوتی ہے شیخ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں اگر ستر مرتبہ بھی تلوار سے مارا جائے تب بھی تکلیف نہ ہو۔

ایک عارف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے سبب مجھے اس کی پیدا کی ہوئی ہر چیز سے محبت ہے یہاں تک کہ اگر دوزخ کو وہ محبوب بنائے تو میں دوزخ میں ہی جانا محبوب سمجھوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی محبت کی وجہ سے آگ میں جلنے کی بھی تکلیف محسوس نہ ہوگی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے لئے کوئی خوشی باقی نہیں رہی ہاں اگر ہے تو بس اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر پر راضی ہونا رہ گیا ہے جو مجھ کو ہر وقت حاصل ہے۔

ایک صوفی کا حال لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کا چھوٹا بچہ تین دن تک گم رہا ان سے کہا گیا کہ اگر آپ دعا مانگتے تو حق تعالیٰ بچہ کو لوٹا دیتا

اور گمشدگی کی یہ کلفت نہ اٹھانی پڑتی انھوں نے جواب دیا کہ بچہ کے گم ہونے سے زیادہ تکلیف میرے لیے یہ تھی کہ میں اللہ تعالیٰ پر اسکے حکم میں اعتراض کرتا۔

> تکلیف کے انجام یعنی ثواب کی وقعت تکلیف کا احساس کم یا گم کر دیا کرتی ہے

دوسری وجہ قضا پر راضی ہونے کی یہ ہے کہ تکلیف کی صورتوں میں تکلیف تو محسوس ہو مگر چونکہ عقل نے ان کو بہتر انجام یعنی ملنے والے اجر وثواب پر مطلع کر دیا ہے اس لئے طبیعت اُس تکلیف کو بلا کلفت گوارا کرتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کے لئے تلخ دوا بتائے یا فصد کھلوانے کی ہدایت کرے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس تلخ دوا کا پینا اور فصد کھلوانا تکلیف کی باتیں ہیں مگر چونکہ اسکے ساتھ ہی اسکے عمدہ نتیجہ یعنی صحت وتندرستی سے مریض کو آگاہی حاصل ہے لہٰذا وہ ان تکلیف دہ باتوں کے بتانے والے طبیب سے راضی اور خوش بلکہ اس کا احسان مند وممنون رہتا ہے اسی طرح سوداگر اپنے سفرِ تجارت کی گوناگوں صعوبتوں اور مشقتوں پر راضی ہوتا ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ طبیعت اس تکلیف کو ناگوار سمجھتی ہے مگر چونکہ عقل نے اس مشقت کا اچھا نتیجہ وانجام سمجھا دیا ہے اسی لئے وہ ناگواری رضا اور رغبت سے بدل جاتی ہے پس حُبِ دنیا کے ناپائیدار فائدوں کی یہ حالت ہے کہ انکی وجہ سے مشقت نہیں معلوم ہوتی تو اخروی سعادت کے حاصل کرنے میں بلاو تکلیف اور خلاف طبع مصیبتوں پر راضی ہونے سے کیوں تعجب ہوتا ہے ایک پارسا عورت کو ایک مرتبہ ٹھوکر لگی اور پاؤں کا ناخن کٹ کر گر پڑا اس تکلیف سے

بجائے ہائے واویلا مچانے کے یہ نیک بی بی مسرور ہوئی اور بعض لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا تم کو تکلیف نہیں ہوئی عورت نے جواب دیا کہ چوٹ لگنے پر جو اجر آخرت میں ملے گا اس کی حلاوت نے تکلیف کی تلخی کو چاٹ لیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص سچے دل سے اس کا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر مرحمت ہوگا اور ہر مصیبت وصدمہ پر اس قدر ثواب عطا ہوگا جس کے مقابلہ میں اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو وہ تکلیفوں پر ضرور مسرور اور شاداں (دونوں کے معنی خوش خوش) ہوگا۔

قضا و قدر کی حکمتیں اور اسرار سوچنے سے تکلیف کا اثر نہیں ہوتا

تیسری وجہ قضا پر راضی ہونے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملات میں عجیب عجیب رموز و اسرار مخفی ہیں اور ہر واقعہ عجیبہ و حادثہ جدیدہ میں ایک کیا بیسیوں لطائف مستور ہیں جن پر راضی ہونا صاحبان بصیرت ہی کا منصب ہے پس ان مصلحتوں اور لطیفوں پر نظر کرنے سے تکلیف تکلیف نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس عالم فانی میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور جس کو جاہل واحمق شخص تشویش واضطراب سمجھے ہوئے ہے اور تعجب کرتا ہے اس کو صاحبان بصیرت سمجھ جاتے ہیں کہ یہ تعجب ایسا ہی ہے جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہ کر ان واقعات کا تعجب ہوا تھا جس کا مفصل قصہ سورہ کہف میں مذکور ہے کہ دونوں ایک کشتی میں بیٹھے تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام تعجب کے ساتھ اعتراض کرنے لگے کہ یہ زیادتی کیوں کی؟ پھر آگے چلے تو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک نابالغ لڑکے کو مار ڈالا اس پر

بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعجب کے ساتھ اعتراض کیا کہ معصوم بچے کا خون کرنا کب جائز ہے؟ پھر آگے چلے اور ایک بستی میں پہنچے کہ وہاں کے رہنے والوں نے ان کے کھانے تک کی خبر نہ لی صبح ہونے پر دونوں اس قصبہ میں نکلے ایک دیوار پر نظر پڑی جو جھکی ہوئی تھی حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو سیدھا کر دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پھر تعجب ہوا کہ ایسی بے مروت قوم کے ساتھ جس نے مسافروں کے خورد ونوش کی بھی خبر نہ لی مفت احسان نہ کرنا چاہیے تھا غرض جب تین مرتبہ اعتراض ہو چکا تب حسب قرارداد حضرت خضر علیہ السلام سے مفارقت ہوگئی۔

حضرت خضر علیہ السلام کے افعال میں بظاہر نقصان و تکلیف تھی مگر حقیقت میں مخلوق کی بہبودی کا سبب تھے

یہ ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ان واقعات پر تعجب کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ ان اسرار و رموز سے واقف نہ تھے جو ان واقعات میں مخفی تھے چنانچہ جب خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو ان سے مطلع کر دیا کہ کشتی غریب ملاحوں کی تھی اور بادشاہ وقت ظلماً صحیح و سالم کشتیوں کو ضبط کر رہا تھا لہٰذا میں نے اس کشتی کو عیب دار کر دیا تاکہ مسکینوں کی صورت معاش ضبط نہ ہو جائے اور وہ نابالغ بچہ جس کو میں نے قتل کیا فطرۃ بد دین پیدا ہوا تھا اور غالب اندیشہ تھا کہ بالغ ہو کر اپنے مسلمان ماں باپ کو گمراہ کرے گا کہ وہ شفقت مادری و پدری کی وجہ سے اس کے خلاف نہ کر سکیں گے لہٰذا اس کا کام تمام کر دیا تاکہ اس کے بدلے میں صابر ماں باپ کو دوسری اولاد ملے جو صالح و سعید ہو اور ذریعہ

آخرت ہے اور دیوار دو یتیم بچوں کی تھی جس کا نیک بخت باپ اس دیوار کے نیچے خزانہ دبا کر چھوڑ گیا اور اس کو اللہ کے حوالے کر کے مرا تھا لہٰذا اس کو میں نے سیدھا کر دیا تا کہ بالغ ہو کر اپنا مال قبضہ میں لائیں اور دیوار گر جانے سے خزانہ ظاہر ہو کر حق داروں کے علاوہ دوسروں کے ہاتھ نہ لگنے پائے پس اس وقت موسیٰ علیہ السلام کا تعجب رفع ہو گیا۔

ناگوار واقعات میں مصلحت خداوندی مضمر ہوتی ہے

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے اور انہوں نے ایک گدھا پال رکھا تھا جس پر اسباب لادتے تھے اور ایک کتا رکھ چھوڑا تھا جو مکان کی حفاظت کیا کرتا تھا اور ایک مرغ پال رکھا تھا جو اذان دے کر صبح ہی سب کو جگا دیتا تھا اللہ کی شان کہ ایک دن لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑ کر لے گئی ان کی بیوی رونے لگی کہ ہائے مرغ جاتا رہا شیخ نے فرمایا کہ رومت اسی میں بہتری ہوگی اس کے بعد بھیڑیا آیا اور گدھا کو مار گیا اس وقت بیوی پھر رنجیدہ ہوئی تو شیخ نے فرمایا کہ اسی میں خیریت تھی رونے کی کوئی بات نہیں اس کے بعد دفعتاً کتا مر گیا اور بیوی پھر غمگین ہوئی تو اس وقت شیخ نے پھر یہی فرمادیا کہ غم نہ کرو اسی میں بھلائی تھی۔ بار بار یہ سن کر بیوی کو تعجب ہوا کہ صریح نقصان ہو رہا ہے اور خاوند بھلائی پکار رہا ہے غرض صبح ہوئی تو دفعتاً غنیم کا ایک لشکر اس میدان میں لوٹنے کے لئے آ پڑا اور جتنے بھی گھروں کا ان کو پتہ چلا سب کو لوٹ لیا اور بجز ان بزرگ اور ان کی بیوی کے سب ہی کو گرفتار اور باندی غلام بنا کر لے گئے اور مکان کا پتہ ونشان دشمن کی فوج کو اس سے چلا کہ کسی کے دروازے کا کتا آہٹ پا کر بھونکنے لگا اور کسی کا گدھا رینگ رہا تھا۔ اور کسی کا

مرغ اپنی بانگ بلند کر رہا تھا اس وقت ان بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو کہ اس بادیہ نشین قوم کی بربادی کا سبب آج یہی جانور بن گئے پس اللہ کا کتنا فضل تھا کہ ہمارے تینوں جانور پہلے ہی مر گئے اگر آج وہ زندہ ہوتے تو ہم بھی دوسروں کی طرح دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوتے۔

تکوینی اسرار و حکم پر مطلع ہونا مشکل ہے

ایک نبی کسی پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے تھے اور پہاڑ کے قریب میں چشمہ تھا جس پر اکثر اوقات پیاسوں کی آمد و رفت رہتی تھی ایک مرتبہ ایک سوار آیا اور اس نے نقدی کی ہمیانی تو کمر سے کھول کر زمین پر رکھ دی اور پانی پینے لگا اس کے بعد وہاں سے چلا گیا اور تھیلی وہیں بھول گیا تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص آیا اور تھیلی کو وہاں پڑا دیکھ کر اس کو اٹھا لیا اور لے کر چل دیا اس کے بعد ایک غریب مزدور سر پر لکڑیوں کا گٹھا لادے ہوئے آیا اور گٹھا زمین پر ڈال کر آرام لینے کے لئے چشمہ کے کنارے بیٹھ گیا اتنے میں وہ سوار جس کی تھیلی رہ گئی تھی گھبرایا ہوا آیا اور تھیلی کو نہ پایا ادھر ادھر دیکھا جب کوئی آدمی نظر نہ آیا تو اس بے چارے مزدور کے سر ہو گیا ہر چند اس نے انکار کیا کہ میں نے تھیلی کو دیکھا بھی نہیں مگر سوار کو یقین نہ آیا یہاں تک کہ اس نے تلوار کو میان سے نکالا اور غریب مزدور کی گردن اڑا دی اس کے بعد پشت پھیری اور چلا گیا یہ حال دیکھ کر پیغمبر نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ بار الٰہا یہ نرالا واقعہ بھی کتنا عجیب ہے کہ تھیلی کس نے لی اور مارا گیا کوئی۔ حکم ہوا کہ تم اپنا کام کرو تمہیں ہمارے ملکوتی اسرار (عالم وجود میں لانے کے راز) میں دخل دینے کی حاجت نہیں بات یہ ہے کہ اس مزدور نے اس سوار کے باپ کو مارا تھا لہٰذا آج اس کا قصاص لیا گیا کہ مقتول کے بیٹے نے

اپنے باپ کے قاتل کو مار دیا اور اس سوار کے باپ نے ایک مرتبہ اس شخص کے مال میں سے ایک ہزار دینار لے لئے تھے جو کہ تھیلی نے چھیا ہے لہٰذا آج اس کی تلافی کی گئی کہ لینے والے شخص کی میراث ہی سے ایک ہزار دینار کی تھیلی اس کو دلا دی گئی۔

غرض مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسرار کونیہ پر ایمان لائے ہوئے ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام قضا و قدر پر ہرگز تعجب نہ کرے گا۔ اپنے تعجب پر تعجب ہوگا کہ شاہنشاہی مصلحتوں کے راز نہ سمجھنے پر غلام کو تعجب کیوں ہوا؟

فصل

شاید تم یہ کہو کہ کافر اور عاصی جو کفر و معصیت کر رہے ہیں وہ بھی اللہ ہی کے حکم و ارادہ سے کر رہے ہیں تو ان افعال پر راضی ہونے کے کیا معنی ہوں گے جب کہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اور کافر و عاصی کو مبغوض سمجھنا بغض فی اللہ میں داخل ہے جو شرعاً محمود ہے اس لئے ہم تم کو رضا کا مطلب سمجھاتے ہیں تا کہ خلجان باقی نہ رہے۔

> رضا بر قضا کا صحیح مطلب یہ ہے کہ کافر کے کفر پر رضا نہ ہو اور امر بالمعروف ترک نہ ہو

بات یہ ہے کہ امر بالمعروف فرض ہے اور اس کا چھوڑنا رضا بر قضا نہیں کہلایا جا سکتا۔ کیونکہ رضا اور کراہت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دو متضاد چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں ظاہر ہے کہ جس کام کو تم ناگوار اور برا سمجھو گے اس سے نفرت ضرور کرو گے اور جس کو اچھا

سمجھو گے ضرور اس سے خوش ہو گے اور ناگواری و خوشی دونوں ایک کام پر ایک حیثیت سے ہرگز نہیں ہو سکتیں البتہ دو اعتبار سے ہو سکتی ہیں مثلاً ایک شخص تمہارا دشمن ہو اور تمہارے دشمن کا بھی دشمن ہو تو اس کو قتل کرنا اس اعتبار سے گوارا اور پسند ہو گا کہ وہ تمہارا دشمن ہے مگر اس اعتبار سے ناگوار اور ناپسند ہو گا کہ وہ تمہارے دشمن کا بھی دشمن ہے کیونکہ دشمن کے دشمن کی بھی زندگی مطلوب ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی دشمنی کی وجہ سے تمہارے دشمن کو نقصان پہنچاتا رہے۔

اسی طرح کفر و معصیت میں بھی دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہے کیونکہ اللہ کے حکم کے بغیر ذرہ بھی نہیں ہل سکتا پس اس اعتبار سے تو اس کو قضا اور تقدیر کہتے ہیں اور اس حیثیت سے اس پر ناگواری بھی نہ ہونی چاہیے بلکہ رضا ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا جو بھی کام ہے وہ مصلحت سے ہے البتہ اس معصیت میں دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ کفر و معصیت کافر اور عاصی شخص کا عمل اور کسب ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے دشمن اور نافرمان ہونے کی علامت ہے پس اس اعتبار سے بے شک ناگواری و بغض ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے کہ جس بندہ پر ہماری مخالفت کی علامتیں دیکھا کرو تو اس سے بغض رکھا کرو پس اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا کافر سے بغض رکھنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہوا۔

اس کی مثال ایسی سمجھو کہ مثلاً تمہارا پیارا معشوق تم سے کہے کہ میں تمہارے عشق و محبت کا امتحان لوں گا اپنے غلام کو مجبور کروں گا کہ وہ مجھ کو گالی دے اور پھر اس کو ماروں گا کہ مجھے گالی کیوں دی تو جو شخص میرے اس غلام سے بغض رکھے گا اس کو اپنا محب اور عاشق صادق سمجھوں گا اور جو اس سے محبت کرے گا میں اس کو اپنا دشمن سمجھوں گا اب فرض کرو کہ ایسا ہی ہو یعنی غلام نے

تمہارے محبوب کو گالی دی اب تم ہی بتاؤ کہ اس غلام سے تم محبت رکھو گے یا بغض وعداوت اور جس وقت اس کی زبان سے محبوب کو گالیاں دیتے ہوئے سنو گے تو راضی ہوؤ گے یا ناراض ظاہر بات ہے کہ گالیاں تو اس وجہ سے ناگوار ہی گزریں گی کہ ان سے تمہارے محبوب کی بات کی ہتک (پردہ دری وبے عزتی) ہوتی ہے اور کسی شخص کا ایسا کرنا تمہارے معشوق کے دشمن ہونے کی علامت ہے اور محبوب کا دشمن کہ جس پر دشمنی کی علامتیں بھی موجود ہوں بے شک بغض اور عداوت ہی کے قابل ہے مگر اس اعتبار سے کہ یہ تمہارے ہی محبوب کی تدبیر سابق کے موافق ظہور ہو رہا ہے کیونکہ جو کچھ غلام سے صادر ہوا ہے وہ محبوب ہی کے ارادہ اور قصد سے صادر ہوا ہے کچھ بھی ناگواری نہ ہوگی بلکہ محبوب کی قدرت کا یقین ہوگا کہ اس نے اپنے غلاموں سے جو بھی کام لینا چاہا لے لیا حتیٰ کہ اپنی محسن ذات کے لئے اپنے ادنیٰ غلاموں کی زبان سے گالیاں نکلوانی چاہیں تو اس میں بھی کسی کو سرتابی اور حکم کی مخالفت وعصیان کی مجال نہ ہوئی۔

اسی طرح کافر کا کفر سمجھو کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے لہٰذا اس اعتبار سے تو ناگوار گذرنے کا سبب ہو نہیں سکتا مگر اس کے ساتھ ہی چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اس پر نہیں ہے بلکہ کفر کرنا اللہ کے دشمن اور مبغوض ہونے کی علامت ہے لہٰذا اس اعتبار سے تو ناگوار گزرے گا اسی وجہ سے اس کو نصیحت بھی کی جاتی ہے اور تبلیغ حق بھی کی جاتی ہے کیونکہ اپنے حقیقی محبوب کا دشمن اپنا ہی دشمن معلوم ہوا کرتا ہے۔

رضا بر قضا یہ نہیں ہے کہ دعا مانگنا یا تدبیر اور سبب کرنا چھوڑ دیا جائے

اسی طرح رضا بر قضا کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ دعا کا مانگنا بھی چھوڑ

دیا جائے اور تیر انداز نے جو تیر تمہاری طرف پھینکا ہے باوجودیکہ اس کو ڈھال پر روک سکتے ہو مگر اس کو نہ روکو اور اپنے بدن پر لگنے دو اور یوں سمجھو کہ قضا پر راضی رہنا چاہیے ایسا سمجھنا بھی جہالت اور خام خیالی ہے کیونکہ دعا مانگنے اور شر سے حفاظت کی تدبیر کرنے کا تو شرعاً حکم ہے اور محبوب کے حکم سے سرتابی نہیں ہو سکتی لہٰذا یہاں رضا بر قضا کے معنی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شئے کے حاصل ہونے کے لئے جو اسباب مقرر فرمائے ہیں ان کو اختیار کرو تا کہ محبوب تمہیں اپنے انتظام کا پابند دیکھ کر تم سے راضی ہو کہ اگر اسباب کا اختیار کرنا چھوڑو گے تو محبوب کے مخالف اور رضائے محبوب کے دشمن کہلاؤ گے مثلاً کوئی پیاسا آدمی پانی پائے مگر اس کی جانب ہاتھ نہ بڑھائے اور یوں گمان کرے کہ میں تو پیاس پر راضی ہوں کیونکہ پیاس اللہ تعالیٰ کے حکم اور قضا و قدر سے ہے اور قضا پر راضی رہنا چاہیے تو یہ شخص بے وقوف کہلائے گا اور اس کو سمجھایا جائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے اسباب اور عادیات جاریہ میں رخنہ ڈالتا ہے یا حدود شریعت سے باہر نکلنا چاہتا ہے تو نے جو کچھ سمجھا ہے یہ تو رضا کے ہرگز معنی نہیں ہیں رضا کے تو صرف یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ظاہر و باطن اور زبان یا دل دونوں میں سے کوئی بھی کسی حالت پر اعتراض نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی اس کے حکم کی بھی تعمیل ہو اور جو انتظام اس نے عالم کے لئے تجویز فرما دیا ہے اس سے باہر نہ نکلے بلکہ شرعی احکام کا پورا پابند ہو اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے اس کے حاصل کرنے میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد نہ کرے مثلاً جب دعا کا حکم ہوا ہے تو ضروری ہے کہ اس کی تعمیل ہو تا کہ خشوع و خضوع اور قلب میں رقت کا اثر آئے اور وہ لیاقت و استعداد حاصل ہو جس کی وجہ سے قلب پر انوار و تجلیات کا

ورود ہوسکے اسی طرح اسباب کو بھی اختیار کیا جائے تا کہ مسبب حاصل ہو البتہ اگر سبب کے بعد بھی مسبب حاصل نہ ہو تو نہ کوئی خلجان پیدا ہونا چاہیے اور نہ رنجیدہ ہونا چاہیے بلکہ راضی رہے اور یوں سمجھے کہ سبب توفی الحقیقت مؤثر تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ یوں تھا کہ یہ مسبب مجھ کو حاصل نہ ہو پس قضا وقدر خداوندی پر مجھ کو راضی رہنا چاہیے لہٰذا اگر وہ شے باوجود وسائل و اسباب اختیار کرنے کے بھی حاصل نہیں ہوئی تو یہ میرے حزن و غم یا شکوہ و شکایت کا باعث نہیں ہوسکتا۔

*****

دسویں اصل

فکرِ آخرت کا بیان

یہ نو مقامات جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں سب ایک مرتبہ میں نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض تو مقصود بالذات ہیں جیسے مقام رضا ومحبت اور بعض مقصود بالغیر ہیں (خود ہی مقصود نہیں کسی اور کی وجہ سے ہیں) مثلاً توبہ وخوف اور صبر وزُہد کیونکہ مقصود درحقیقت قُربِ خداوندی ہے اور یہ تمام مقامات راہ قُرب کے معین ہیں خود قرب نہیں کیونکہ قُرب تو معرفت اور محبت سے حاصل ہوتا ہے اور معرفت و محبت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ غیر اللہ کی محبت قطع نہ کر دی جائے اور غیر اللہ کی محبت خوف وصبر اور زُہد وتوبہ ہی کے ذریعہ سے قطع ہو سکتی ہے لہٰذا ان کی بھی ضرورت ہوئی۔

اور چونکہ من جملہ ان امور کے جن سے قُربِ حق میں اعانت حاصل ہوتی ہے موت کا یاد رکھنا بھی ہے لہٰذا اس کا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہوا کیونکہ موت کے ذکر سے دنیا کی محبت قلب سے جاتی رہتی ہے اور جب یہ علاقہ قطع ہو گا تو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوگی۔

فکرِ موت اصلاحِ قلب کی اصل ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تم سے مل کر رہے گی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حشر کے دن شہداء کے ساتھ اور بھی کوئی اٹھے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں وہ شخص جو دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرلیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ موت کے برابر کوئی واعظ نہیں ہے یعنی نصیحت کرنے کو تو موت ہی کافی ہے اور اگر جانوروں کو موت کا اتنا علم ہو جتنا کہ بنی آدم کو ہے تو کوئی جانور فربہ کھانے کو نہ ملے میں تم میں دو واعظ چھوڑے جاتا ہوں ایک واعظ ساکت (خاموش) یعنی موت دوسرا واعظ ناطق (بولنے والا) یعنی قرآن مجید۔

موت: بڑی ہولناک چیز ہے اور موت کے بعد کے واقعات اس سے زیادہ ہولناک ہیں اور ان کا ذکر کرنا اور یاد رکھنا دنیا کو مبغض (ناپسندیدہ) بناتا ہے اور اس دنیا ناپائیدار کی محبت کو دل سے نکال لیتا ہے اور دنیا کی محبت ہی ہر گناہ کی جڑ و بنیاد ہے پس جب دنیا سے قلب کو نفرت ہوگئی تو سب کچھ مل گیا اور دنیا سے نفرت اس وقت ہوگی جب کہ موت کا فکر اور خیال ہوگا کہ عنقریب ہم پر کیا آفت آنے والی ہے۔

فکرِ موت کا طریق اور تصور کی کیفیت

فکر کا طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت خلوت میں بیٹھ کر سارے خیالات کو دل سے نکال دو اور قلب کو بالکل خالی کر کے توجہ اور عزم کے ساتھ موت کا دھیان کیا کرو **اول** اپنے ان دوستوں اور اعزاء و اقارب کا تصور کرو جو دنیا سے گزر گئے اور ایک کے بعد دیگرے ایک ایک کا دھیان کرتے جاؤ کہ یہ صورتیں کہاں چلی گئیں یہ لوگ کیسی کیسی امیدیں اپنے ساتھ لے گئے حرص و امل نے ان میں اپنا کتنا زور دکھایا؟ جاہ و مال کی کیا پوچھ

نہیں اس کی فکر تو ہر وقت ہونی چاہیے پس اپنی امیدوں پر خاک ڈالو اور آرزوؤں کو بڑھنے نہ دو اللہ جانے گھنٹہ بھر میں کیا ہوتا ہے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سو دینار میں دو مہینہ کے وعدہ پر ایک کنیز خریدی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسامہ (رضی اللہ عنہ) کی حالت پر تعجب کرو کہ زندگی کا بھروسہ ایک دن کا بھی نہیں اور دو مہینہ کے وعدہ پر کنیز خریدی ہے۔ یہی طول امل ہے اللہ کی قسم ہے کہ میں نوالہ منہ میں رکھتا ہوں اور یقین نہیں کرتا کہ حلق سے نیچے اترے گا۔ ممکن ہے کہ نوالہ کھاتے ہی اچھو پڑ جائے پھندا لگ جائے اور دم نکل جائے لوگو اگر تمہیں عقل ہو تو اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ جو کچھ وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور جو آنے والا ہے وہ بہت قریب ہے اگر تم کو جنت میں داخل ہونے کی خواہش ہو تو دنیا کی لمبی امیدوں کو کم کرو اور موت کو ہر وقت پیش نظر رکھو اور اللہ سے شرماؤ جیسا کہ شرمانے کا حق ہے ان شاء اللہ تعالیٰ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

*****

خاتمہ

جو کچھ اب تک ہم نے بیان کیا ہے اس میں ہم تم کو بیدار اور متنبہ کر چکے اور اللہ کی جانب چلنے کا شوق دلا چکے پس اگر اب بھی کان نہ لگاؤ گے یا ایسا سنو گے جیسا کہ قصہ کہانیاں سنا کرتے ہو تو اپنا ہی کچھ کھوؤ گے کسی کا کیا نقصان کرو گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اس سے زیادہ ظالم کون جس کو پروردگار کی آیتوں سے نصیحت کی گئی اور اس نے منہ پھیر لیا اور بھول گیا کہ کل قیامت کے لئے کیا بھیجا"؟ اور اگر توجہ کے ساتھ سنو گے اور دل سے کان لگاؤ گے تو بیشک نفع پاؤ گے اور جو چیزیں صراط مستقیم سے روکے ہوئے ہیں ان کو چھوڑ دو گے۔

اصلاح قلب سے روکنے والی بڑی چیز حُبِ دنیا ہی ہے

یاد رکھو کہ سلوک سے روکنے والی چیز دنیا کی محبت ہے اسی نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غفلت پیدا کر رکھی ہے اور کبھی قیامت اور محشر کو یاد نہیں آنے دیتی لہٰذا اگر روزانہ صبح کی نماز کے بعد جو کہ صفائی ذہن اور معدہ کے خالی ہونے کا وقت ہے چند منٹ تنہا بیٹھ کر اپنی حالت پر غور کیا کرو اور ابتداء و انتہا اور مبدا و معاد کو سوچا کرو اور نفس سے حساب لیا کرو تو بہت نفع ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ نفس کو خطاب کر کے کہا کرو۔

محاسبۂ نفس اور مراقبہ کی کیفیت

اے نفس میں مسافر ہوں تاجر ہوں ابدی سعادت اور اللہ جل جلالہٗ کا قرب میرا منافع ہے اور دائمی بدبختی اور اللہ تعالیٰ سے حجاب میرا خسارہ

ہے اور میری عمر میرا راس المال (پونجی جس سے تجارت شروع کی جائے) ہے کہ ہر سانس ایک بیش قیمت جواہر اور گویا بھرپور خزانہ ہے جس سے ابدی سعادت حاصل ہو سکتی ہے اور جب عمر پوری ہو گئی تو تجارت ختم ہو گئی اور مایوس ہونا پڑے گا آج کا دن میری تجارت کا دن ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے فرصت دی ہے کہ اگر چاہوں تو تجارت میں نفع اٹھاؤں اگر اللہ تعالیٰ مجھے دنیا سے اٹھالیتا تو میں خواہش کرتا کہ کاش! دنیا میں لوٹا دیا جاؤں اور ایک دن مجھے نصیب ہو جائے کہ کوئی نیک عمل کرلوں۔

اے نفس! وہ دن آج کا ہے جو تجھ کو اللہ کی طرف سے مہلت کا عطا ہوا ہے اب تو اپنا وعدہ پورا کر اور دیکھ کہ کیا کر رہا ہے اگر اس مہلت کو تو نے غنیمت سمجھا اور آج کا کام کل پر نہ رکھا تو آج کی تجارت کا منافع تجھ کو مل گیا اور حسرت نہ ہوئی اور اگر تو کل بھی زندہ رہے تو پھر یہی خیال کر۔

غرض جب تک زندہ ہے اس وقت تک ہر دن کو نیا سمجھ اور اللہ تعالیٰ کے عفو سے دھوکا مت کھا کیونکہ یہ تیرا گمان ہی گمان ہے ممکن ہے کہ غلط نکلے اللہ تعالیٰ کی معافی کچھ ضروری یا تیرا قرض نہیں ہے جس کا مطالبہ اور ایفاء وادا لازمی ہو اور اگر معافی ہوئی تب بھی نیکو کار بندوں کے ثواب سے تو محروم ہی رہے گا اور مرے پیچھے اگر حسرت کرے گا تو اس سے کیا نفع ہوگا جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔

ع ''گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں''

ایک ایک سانس غنیمت اور بے بہا موتی ہے۔

اگر اس کے بعد نفس پوچھے کہ اچھا بتاؤ کیا عمل کروں اور کیونکر

وقت کی قدر کروں تو اس کو جواب دے کہ جو چیز جدا ہو جانے والی ہے اس کو چھوڑ دے اور جو شئے پائیدار ہے اور کسی وقت بھی تیرا ساتھ نہ چھوڑے گی اس پر قبضہ کر یعنی اللہ جل شانہٗ کی معرفت حاصل کر اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے مانوس ہو۔

پھر اگر نفس کہے کہ بھلا دنیا کس طرح چھوٹ سکتی ہے اس کے علاقے تو قلب میں مضبوط اور مستحکم ہو گئے اور ان کا ٹوٹنا دشوار ہے تو اس کو جواب دے کہ قلب ہی کے اندر سے دنیا کے علاقے کاٹ دے اور تلاش کر کہ دنیا کا کون سا علاقہ مستحکم ہے پس اس کی اول جڑ کاٹ یعنی اگر مال کی محبت زیادہ ہے تو اس کو نکال اور جاہ کی طلب قوی ہے تو اس کو چھوڑ۔

دسیوں مہلک امراض کی تشریح اور علاج بیان ہو چکا ہے ان کو دیکھ اور اللہ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھ کر مستعد ہو جا کمر باندھ آمادہ ہو اور جس چیز کی نفس کو خواہش ہو اس کے خلاف کر پھر دیکھ کہ خلاصی ملتی ہے یا نہیں؟

اے نفس! تو بیمار ہے اور عمر تیری پرہیز کا زمانہ ہے اور روحانی حاذق طبیب یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی راستی و سچائی سے تو بھی آگاہ ہے یوں فرمایا ہے کہ ذائقہ اور لذتیں تجھ کو مضر ہیں اور کڑوی دوائیں تیرے لئے نافع اور مفید ہیں کیا تجھ سے سفر کی مصیبتیں اس امید پر برداشت نہیں ہو سکتیں کہ منزل پر پہنچ کر آرام نصیب ہوگا پس اگر راستہ کی تکلیف سے اکتاتا ہے تو یاد رکھ کہ قافلہ نکل جائے گا اور تو جنگل میں پڑا رہ جائے گا کہ یا تو کوئی درندہ تجھ کو پھاڑ کھائے گا یا یوں ہی بھٹکتا ہوا ہلاک ہو جائے گا۔

اے نفس! بتا تو سہی کہ تجھے دنیا میں کس چیز سے رغبت ہے پس اگر تو

مال چاہتا ہے تو مان لے کہ اچھا وہ مل بھی گیا اور تو بڑا مالدار اور متمول سیٹھ بن بھی گیا مگر پھر کیا اگر تو نظر اٹھا کر دیکھے گا تو بہتیرے یہودی اور عیسائی ایسے ملیں گے جن کے پاس تجھ سے زیادہ مال موجود ہوگا اور اگر عزت اور جاہ کا طلب گار ہے تو اچھا فرض کر لے کہ یہ طلب اپنے ٹھکانے لگی اور تجھے عزت و جاہ حاصل بھی ہوئی مگر اس کا انجام اور حاصل کیا ہے اگر آنکھیں کھول کر دیکھے گا تو سینکڑوں احمق اور جاہل کافر اور اللہ کے نافرمان اور ذلیل اور کمینے بندوں کو ایسے حال میں دیکھے گا کہ ان کی عزت دنیا میں تجھ سے بھی زیادہ ہو رہی ہے ان میں بہتیرے لوگ ایسے منصب حکومت اور مسند جلال و سطوت (دبدبہ) پر بیٹھے نظر آئیں گے جو تجھ کو بھی قید کر کے جیل خانے پہنچا سکتے ہیں پس اے نفس اگر تو ان آفتوں اور مصیبتوں سے نہیں گھبراتا جو عزت و جاہ کے حاصل کرنے میں اٹھانی پڑتی ہیں اور ان بلاؤں سے بھی نہیں ڈرتا جو عزت حاصل ہوئے پیچھے سر پر پڑا کرتی ہیں تو ان ذلیل اور کمینے شریکوں ہی کا خیال کر کہ کیسے کمتر لوگوں کا ساجھی ہونا چاہتا ہے کیا ایسی بے وقعت اور حقیر چیز بھی حاصل کرنے کے قابل ہے۔ جس کو ہر خسیس سے خسیس اور رزیل سے رزیل شخص بھی حاصل کر سکتا ہے بلکہ حاصل کیے ہوئے ہے اور اتنی مقدار حاصل کیے ہوئے ہے کہ اگر تو پچاس برس بھی کوشش کرے گا تو تجھ کو نصیب نہ ہوگا اور اے نفس اگر تو دنیا سے اعراض کر کے آخرت کی جانب متوجہ ہوگا تو یاد رکھ کہ یگانہ روزگار اور یکتائے زمانہ بن جائے گا تیرا ثانی ہفت اقلیم میں بھی نہ مل سکے گا پس اے نفس اب تو ہی بتا کہ کیا چیز حاصل کرنے کے قابل ہے اے نفس خوب یاد رکھ کہ تجھ سے زیادہ تیرا خیر خواہ کوئی نہیں ہے تو کسی کے کہنے یا سننے پر نہ جا بلکہ دنیا اور دین دونوں کے انجام اور نتیجہ میں خود غور کر کے جواب

دے کہ تیری رغبت کس چیز میں ہے؟

اپنے نفس سے مباحثہ کرنا اہل باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے سے بدرجہا زیادہ ضروری ہے

اسی طرح اگر تم اپنے نفس سے مناظرہ اور مباحثہ کرتے رہو گے تو ایک دن یہ نفس تمہارا مطیع بن جائے گا اور تم کو راہ مستقیم پر لے چلے گا پس اگر تم عقل مند ہو تو سمجھ لو کہ یہ نفس کے ساتھ مباحثہ کرنا بدعتیوں اور معتزلہ بلکہ دنیا بھر کے تمام مذاہب باطلہ کے ساتھ مناظرہ کرنے کی بہ نسبت زیادہ ضروری اور مہتم بالشان ہے کیونکہ دوسروں کی غلطیاں اور خطائیں تمہیں کچھ بھی نقصان پہنچانے والی نہیں ہیں اور اپنی خطاؤں کا ضرور اپنے ہی اوپر وبال ہے کہ اس کا بھگتان تم کو ہی بھگتنا ہے پس پہلو میں بیٹھے ہوئے عدو اور خون کے پیاسے دشمن کو سب سے پہلے قتل کرنا چاہیے اور جب اس سے نجات مل کر اطمینان حاصل ہو جائے تب دوسروں کی خبر لینی مناسب ہے تعجب ہے کہ اس دشمن کی جانب کبھی توجہ نہیں ہوتی بلکہ یہ جو کچھ بھی مانگتا ہے وہی اس کو دیا جاتا ہے اور جو بھی حکم دیتا ہے فوراً اس کی تعمیل کی جاتی ہے اس کی درخواستوں کے منظور اور خواہشوں کے پورا کرنے میں غور و فکر اور عقل کے گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں اور حیلوں اور تدبیروں سے کام لیا جاتا ہے بھلا سوچو تو سہی اگر کوئی شخص اپنے دامن کے نیچے ایک زہریلا کالا سانپ چھپائے بیٹھا ہو جو پھنکار مار رہا ہو اور اس کے ڈسنے اور ہلاک کرنے کی ٹوہ میں لگا ہو مگر یہ شخص اس کی تو پرواہ نہ کرے اور دوسرے شخص کے منہ سے مکھیاں اڑانے اور پنکھا جھلنے میں مشغول رہے تو اس سے زیادہ احمق اور بے وقوف کون ہو سکتا ہے؟ یہی تمہارا حال ہے کہ دوسروں

کے ساتھ مباحثہ کرنے اور غیروں کے سیدھے راستہ پر لانے کی فکر میں سرگرم ہو مگر اپنے نفس امارہ کے ساتھ مناظرہ کرنے اور اس تباہ کرنے والے شریر دشمن دین وایمان کو زیر کرنے کی جانب مطلق توجہ نہیں کرتے۔

نفس کی خاصیت کتے کی سی ہے کہ مار کھائے بغیر سیدھا نہیں ہوتا

خوب سمجھ لو کہ جب تک نفس کے ساتھ ایک عرصہ دراز تک اس طرح مباحثہ نہ رکھو گے اس وقت تک یہ کبھی سیدھا نہ ہوگا اور جب تک یہ سیدھا نہ ہوگا اس وقت تک نہ تم سے اللہ کی یاد ہو سکے گی اور نہ مناجات میں لذت آئے گی نہ سلوک کی طرف توجہ ہوگی اور نہ صراط مستقیم پر چلنے کی فکر ہوگی لہذا اس مناظرہ کو اپنے اوپر واجب وفرض سمجھو اور اکثر نفس کے ساتھ یہ مباحثہ شروع کر دیا کرو اور جب نفس تمہاری مخالفت کرے تو اس کو ڈانٹو جھڑکو اور ایسی سزا دو جو کارگر اور بااثر ہو کیونکہ نفس کی خاصیت کتے کی سی ہے کہ جب تک مار نہ کھائے گا اس وقت تک ادب نہ پائے گا۔

پھر اگر تم کو نفس کے ساتھ مناظرہ کرنے اور محاسبہ لینے یا نفس کو ڈانٹنے اور سزا دینے کا طریقہ معلوم کرنے کی خواہش ہو تو احیاء العلوم کی کتاب المحاسبہ والمراقبہ دیکھو کہ اس مختصر کتاب میں ان ابواب کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے محبوب سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وسلم کے طفیل مجھے اور تمہیں اپنی بے شمار عطاؤں سے ڈھانپ لے اور کرم و فضل فرمائے جن باتوں کا اس نے ہم کو علم عطا فرمایا ہے اس پر عمل کی توفیق بخشے اور جو کچھ ہم نے پڑھا یا سنا ہے اس کو حال بنا دے کہ اصل کیفیت ہم اپنے نفس پر گذرتی ہوئی دیکھ لیں۔

آمین یارب العالمین۔

تمت

*****

امی پریس 38۔محمدی پارک، راجگڑھ، لاہور۔پاکستان۔فون:7243284

وضو کی دعائیں

وضو شروع کرنے سے پہلے کی دعائیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ
مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَ اَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ
یَّحْضُرُوْنِ۔

(شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت رحمٰن و رحیم ہے) (اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے چوکوں سے اور آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں)

ہاتھ دھوتے وقت

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْیُمْنَ وَالْبَرَکَۃَ وَاَعُوْذُبِکَ
مِنَ الشُّوْمِ وَالْھَلَاکَۃِ۔

(اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں سعادت اور برکت کا اور تیری پناہ مانگتا ہوں نحوست اور ہلاکت سے)

کلی کرتے وقت

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ کِتَابِکَ وَ کَثْرَۃِ الذِّکْرِ
لَکَ وَ الشُّکْرِلَکَ۔

(اے اللہ مجھے اپنی کتاب کی تلاوت اور ذکر و شکر کی کثرت

پر امداد دیجئے)

ناک میں پانی ڈالتے وقت

اَللّٰهُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ۔

(اے اللہ مجھے جنت کی خوشبو سنگھایئے اور آپ مجھ سے خوش رہیں)

ناک سنکنے کے وقت

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ رَوَائِحِ النَّارِ وَمِنْ سُوْءِ الدَّارِ۔

(اے اللہ میں آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں دوزخ کی بو اور اس جیسے بُرے گھر سے)

منہ دھوتے وقت

اَللّٰهُمَّ بَیِّضْ وَجْهِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهُ اَوْلِیَائِکَ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْهِیْ یَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْهُ اَعْدَائِکَ۔

(اے اللہ میرا چہرہ روشن کر (اس دن میں) جس دن آپ کے دوستوں کے چہرے روشن ہوں گے اور میرا چہرہ سیاہ نہ کیجئے)

دایاں ہاتھ کہنی تک دھوتے وقت

اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَاباً یَّسِیْراً۔

(اے اللہ میرا اعمال نامہ میرے داہنے ہاتھ میں دیجئے اور میرا حساب آسان کیجئے)

بایاں ہاتھ کہنی تک دھوتے وقت

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ تُعْطِیَنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِیْ۔

(اے اللہ میں اس سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ آپ اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ پیچھے سے دیں)

سر کا مسح کرتے وقت

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ ط اَللّٰھُمَّ اَسْمِعْنِیْ مُنَادِیَ الْجَنَّۃِ مَعَ الْاَبْرَارِ۔

(اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے کر دیجیے جو بات سن کر اچھی کی پیروی کر لیتے ہیں۔ اے اللہ مجھے نیکوں کے ساتھ جنت کی منادی سنائیے)

گردن کا مسح کرتے وقت

اَللّٰھُمَّ فُکَّ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ۔

(اے اللہ! میری گردن کو دوزخ سے آزادی دلائیے اور میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں زنجیروں اور طوقوں سے)

دایاں پاؤں دھوتے وقت

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلٰی صِرَاطِکَ الْمُسْتَقِیْمِ۔

(اے اللہ! میرے قدم کو اپنے سیدھے راستے پر ثابت رکھئے)

بایاں پاؤں دھوتے وقت

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمَیَّ عَلٰی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ فِی النَّارِ۔

(اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میرا قدم پل صراط پر پھسل جائے جس دن کہ منافقوں کے قدم آگ میں پھسل جاویں گے)

اور وضو کے بعد کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھے

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءً وَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ ط فَاغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۵ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُطَھِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ عَبْدًا صَبُوْرًا شَکُوْرًا ۵

اَذْكُرُكَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَ اُسَبِّحُكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ؕ

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے کوئی ان کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے بندے اور ان کے رسول ہیں۔ اے اللہ! میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور حمد کرتا ہوں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے بہت برے عمل کیے ہیں اپنی جان پر ظلم کیا ہے آپ سے بخشش چاہتا ہوں اور آپ کی طرف توبہ رجوع کرتا ہوں کہ آپ مجھے بخش دیجئے اور توبہ قبول فرمایئے بے شک آپ ہی توبہ قبول فرمانے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا دیجئے اور پاکوں میں بنا دیجئے اور اپنے نیک بندوں میں سے بنا دیجئے اور مجھے نہایت صبر اور شکر کرنے والا بنا دیجئے کہ میں آپ کا خوب ذکر کروں اور صبح وشام آپ کی پاکی بیان کروں)

اس کے بعد تین بار سورۂ انا انزلنا پڑھو۔ مترجم

******

معمولات یومیہ

تسہیل واختصار

از

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

یہ **دستور العمل** اللہ جل شانہ کی راہ پر چلنے والوں کے لئے ہے اور جو میرے دوست ہیں ان کے لئے ہمیشہ عمل کرنے کے لئے ہے میں اللہ تعالیٰ سے قوی اُمید رکھتا ہوں کہ اس دستور العمل کے مطابق عمل کرنے والا محروم نہیں رہے گا۔

اس دستور العمل کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی راہ چلنے والوں کی کل چار قسمیں ہیں۔

اول ایک ایسا عام شخص جو کمانے اور روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو۔

دوم ایک ایسا عام شخص جو کمانے اور روزمرہ کے کام کرنے سے بے فکر ہو۔

سوم وہ عالم جو روزگار کے کام میں لگا ہوا ہے۔

چہارم وہ عالم جو دنیا کے کاموں سے فارغ ہے۔

اوّل

اس عام آدمی کا دستور العمل جو کمانے اور روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو

اگر ہو سکے تو تہجد اخیر رات میں پڑھیں ورنہ عشاء کے بعد ہی وتر سے پہلے کچھ نفلیں تہجد کی نیت سے پڑھ لیا کریں اور جن نمازوں کے بعد فراغت ہو

1. سُبْحَانَ اللّٰہ سو بار
2. لا الہ الا اللّٰہ سو بار
3. اللّٰہ اَکْبَرْ سو بار
4. سوتے وقت اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ سو بار پڑھا کریں

ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتے رہیں اس میں وضو اور کسی گنتی کی ضرورت نہیں۔ وضو اور بے وضو ہر حال میں درود شریف پڑھا کریں۔ اور اگر قرآن شریف پڑھا ہوا ہو تو روزانہ کسی قدر قرآن شریف کی تلاوت بھی کرلیا کریں،، ۔ وگرنہ کسی قاری سے قرآن کی تلاوت سیکھ لیں۔

دوم

اس عام آدمی کا دستور العمل جو عالم نہ ہو

اور دنیا کے کام سے بے فکر ہو

پانچوں نمازوں کے بعد

(۱) سُبْحَانَ اللّٰہ سو بار

(۲) لا الٰہ الا اللّٰہ سو بار

(۳) اللّٰہ اَکْبَرْ سو بار

(۴) سوتے وقت اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ سو بار پڑھا کریں۔ درود شریف اور تلاوت قرآن پاک کا اہتمام کریں۔"

مگر تین باتیں اور زیادہ ہیں وہ یہ کہ اگر ہو سکے تو شیخ کے پاس جا کر قیام کریں۔ نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں۔ اور تنہائی میں جو وقت ضروری کام اور راحت و آرام سے بچے اس میں قرآن شریف کی تلاوت کریں اور مناجات مقبول پڑھیں، نفلیں، درود شریف یا استغفار کریں۔ اور اگر کچھ پڑھا ہو تو تھوڑے وقت میں دین کی کتابیں بھی جو اردو، فارسی میں ہیں کسی عالم کو دکھا کر پڑھیں۔ البتہ اگر شیخ اس میں شوق و ذوق دیکھے اور اس قابل سمجھے تو ذکر "اللہ اللہ" کا تین سے چھ ہزار تک تنہائی میں بیٹھ کر پڑھنے کو بتلا دے مگر آواز اور ضرب کے ساتھ نہ ہو چپکے چپکے پڑھیں۔ اس سے زیادہ مناسب نہیں۔

سوم

اس عالم کا دستور العمل جو دینی

یا دنیوی کام میں مصروف ہو

یہ ہے کہ جو وقت فرصت کا ہو اور دل فکر سے خالی ہو اور پیٹ نہ بھرا ہو اور نہ بھوک لگی ہو۔ ایسے وقت کو مقرر کر کے اس میں بارہ ہزار سے لیکر چوبیس ہزار تک جتنا ہو سکے تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ باوضو ہلکی آواز اور ہلکی ہلکی ضرب کے ساتھ دل کو ذکر کی طرف لگا کر پڑھا کریں۔ اور تہجد کی پابندی کریں اور کسی وقت قرآن شریف کی تلاوت اور مناجات مقبول کی ایک منزل روزانہ بلاناغہ پڑھا کریں اور اگر مدرس ہیں تو بہتر ورنہ تھوڑا وقت نکال کر "علم دین" پڑھنے والوں کے پڑھانے میں ضرور صرف کریں۔ اور کبھی کبھی جب ضرورت دیکھیں یا سننے والے شوق ظاہر کریں ضروری مسئلوں کا وعظ بیان کر دیا کریں۔

چہارم

خاص اس عالم کا دستور العمل

جو مصروف نہ ہو۔

تہجد کے بعد بارہ تسبیح یعنی لا الہ الا اللہ دو سو بار، الا اللہ چار سو بار، اللّٰہ اللّٰہ اس طرح کہ پہلے لفظ اللّٰہ میں پیش ہو اور دوسرے لفظ اللّٰہ میں جزم چھ سو بار اور فقط اللّٰہ سو بار۔ یہ تیرہ تسبیح ہوئیں مگر نام ان کے بارہ تسبیح ہے۔ ان کو تھوڑی آواز اور ہلکی ضرب سے کریں۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ زور سے ذکر کرنا اور ضرب لگانا خود کوئی ثواب کی بات نہیں۔ ایسا اعتقاد کرنا بدعت کی بات ہے۔ پھر ذکر تسبیح کے کرنے کے بعد اگر نیند کا زور ہو تو ذرا سو رہیں اور اگر نیند نہ آئے تو اس کو اختیار ہے چاہے ان بارہ تسبیح کے ذکروں میں سے کسی ذکر کو زیادہ کریں یا کچھ نہ کریں فارغ رہیں۔ پھر نماز فجر کے بعد قرآن شریف کی تلاوت کریں اور ایک منزل مناجات مقبول پڑھیں۔ اس کے بعد بارہ ہزار سے لے کر چوبیس ہزار تک جس قدر ہو سکے اللّٰہ اللّٰہ کا ذکر کریں اور دوپہر کو ذرا آرام کریں۔ بعد ظہر کے اسی طرح اللہ اللہ کا ذکر کریں بارہ ہزار سے لے کر چوبیس ہزار تک جتنا آسانی سے ہو سکے اور عصر کی نماز کے بعد اگر شیخ کو کچھ کام نہ ہو تو شیخ کے پاس بیٹھے رہیں۔ اگر شیخ مصروف ہوں تو سیر وغیرہ کے لئے جائیں۔ ہو سکے تو کبھی عام مسلمانوں کی قبروں اور اولیاء اللہ کے مزاروں کی زیارت بھی کر لیا کریں۔ پھر بعد مغرب کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ جب تک جی لگے موت کا اور موت کے بعد جو کچھ حساب کتاب ہونے والا ہے اس کا مراقبہ کریں۔

بعض نصائح ضروری از ضیاء القلوب

اوّل مسائل ضروری وعقائد اہل سنت والجماعت حاصل کریں پھر ان رذائل حرص، غصہ، جھوٹ، غیبت، بخل، حسد، ریاء، تکبر اور کینہ کو دور کریں اور یہ اخلاق پیدا کریں۔ صبر و شکر، قناعت، توکل، رضا شرع کا پابند رہیں اگر گناہ ہو جائے تو جلدی توبہ کریں نماز با جماعت کے پابند رہیں کسی وقت یادالٰہی سے غافل نہ ہوں خلاف شرع فقراء سے بچیں۔ اپنے کو سب سے کمتر جانیں، بات نرمی سے کریں، سکوت و خلوت کو محبوب رکھیں، نہ اتنا زیادہ کھائیں کہ کسل (سستی) ہو اور نہ اتنا کم کہ عبادت سے ضعف ہو جائے، فقر و فاقہ سے تنگ دل نہ ہوں، اپنے لوگوں سے نرمی برتیں اور ان کی خطا و قصور سے درگزر کریں، کسی کی غیبت و عیب جوئی نہ کریں، عیب پوشی کریں، اپنے عیوب پیش نظر رکھیں، کم ہنسیں زیادہ روئیں، عذاب الٰہی سے اور اس کی بے نیازی سے لرزاں رہیں۔ موت کا ہر وقت خیال رکھیں، روزانہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہیں، غیر مشروع

مجلس میں نہ جاویں، رسوم جہل سے بچیں۔ان اعمال پر مغرور نہ ہوں۔اولیاء کے مزارات سے مستفید ہوتا رہے۔گاہ گاہ عوام مسلمین کی قبور پر جاکر ایصال ثواب کریں۔غرباء ومساکین وعلماء وصلحا کی صحبت رکھیں۔مرشد کا ادب وفرمان کامل طور پر بجالائیں اور ہمیشہ استقامت کی دُعائیں کرتے رہیں۔

والسلام

محمد اشرف علی غفرلہ

تھانہ بھون ضلع مظفرنگر۔(یو۔پی)

بدگمانی کا علاج

ایک صاحب نے بدگمانی کا علاج دریافت کیا تو فرمایا کہ کسی کی طرف سے بدگمانی قلب میں آوے تو اوّل علیحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے۔ تو اے نفس حق تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا۔ یہ سوچ کر توبہ کرے اور دُعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دل کو صاف کر دے اور جس پر بدگمانی ہو اس کے لئے بھی دُعا کرے کہ اللہ اس کو دونوں جہان کی نعمتیں عطا فرما۔ دن رات میں تین مرتبہ ایسا کرے۔ اگر پھر بھی اثر رہے دُوسرے تیسرے دن ایسا ہی کرے۔ اگر پھر بھی اثر رہے اب اس شخص سے مل کر کہے کہ بلا وجہ مجھ کو تم پر بدگمانی ہو گئی تم معاف کر دو اور میرے لئے دُعا کر دو کہ یہ دُور ہو جائے۔

(کمالات اشرفیہ صفحہ ۲۶۷)

بدگمانی و بدزبانی کا سبب کبر ہے

فرمایا کہ بڑی چیز تو یہ ہے کہ آدمی اپنے ہر فعل کو شریعت پر منطبق کرے کہ کون فعل میرا شریعت کے موافق ہے اور کون خلاف اور کسی کے ساتھ اعتقاد رکھنا ضروری نہیں۔ ہاں بدگمانی اور بدزبانی بلاضرورت کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ اگر بدگمانی نہ کی تو کیا نقصان ہوا۔ پھر فرمایا کہ اس کا منشا کئی چیزیں ہیں اور ان سب کا منشا کبر ہے۔ اگر سب سے کمتر اپنے آپ کو سمجھے گا تو جس وقت بدگمانی ہونے لگے گی فوراً اپنا عیب پیش نظر ہو جائے گا اور سوچے گا کہ ہم تو اس سے بھی زیادہ نالائق ہیں۔ پھر کبھی اس کی نوبت نہ آئے گی۔ لہٰذا کبر کا علاج کسی کامل شخص کے پاس رہ کر کرانا ضروری ہے۔

(کمالات اشرفیہ صفحہ ۲۳۶)

غیبت وبدزبانی کا ایک علاج

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں کسی کی شکایت نہیں سنی جاتی تھی اور نہ کسی سے بدگمان ہوتے تھے اگر کوئی کہنے لگا اور حضرت بوجہ حلم منع بھی نہ کرتے مگر جب وہ کہہ لیتا تو فرماتے کہ وہ شخص ایسا نہیں ہے (یعنی تم جھوٹے ہو)۔

(کمالات اشرفیہ صفحہ ۵۴)

وسعت نظر کا اثر

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ جس قدر نظر وسیع ہوتی جاتی ہے اعتراض کم ہوتا جاتا ہے۔

(کمالات اشرفیہ صفحہ ۵۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ

اللہ

اللہ

اللہ

اللہ

وصلی اللہ علی النبی الامی

بے مقصد بات نہ کیجیے

اللہ کا ذکر کیجیے یا درود شریف پڑھیے

ورنہ خاموش رہیے